"سرِّ حیات"

(کائنات کی روحانی تشریح)

محمد منیر

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

297.11
س 77 م
91220

بار اول ——— ۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۹۷۹ء

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— امتیازی پرنٹرز۔ مری روڈ راولپنڈی

خطاطی ——— محمد بشیر بابر، محی الدین صدیقی

قیمت ——— ~~۳۵~~ 45 روپے

تاریخ طباعت ——— یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ بمطابق ۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء

تقسیم کار

الکوثر ڈیپارٹمنٹل اینڈ ڈرگ سٹور

۸۔ ڈی سپر مارکیٹ۔ شالیمار۔ ۶۔ اسلام آباد

فون نمبر ۲۱۰۸۰

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار		صفحہ
۱	شعورِ مطلق اور کائنات	۱۹
۲	شعورِ مطلق اور قوت	۲۵
۳	وحدت میں حسن و محبت کی تقسیم	۳۶
۴	زندگی کی اکائیاں	۴۱
۵	تخلیقی مراحل	۴۷
۶	وجود و زندگی	۷۷
۷	نئے مرحلۂ تخلیق پر زندگی کا سابقہ مراحلِ کائنات سے تعلق	۱۰۰
۸	مقصد اور تخلیق	۱۲۵
۹	خود شعوری اور حیوانی مرحلۂ تخلیق	۱۵۰
۱۰	نفسی موت اور خود شعوری	۱۷۳
۱۱	اخلاقیات	۱۹۷
۱۲	راہنمائی اور عقل	۲۳۷
۱۳	عملِ تخلیق اور انسان	۳۰۷

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از جمادی مردم و نامی شدم

وز نما مردم بہ حیواں بر زدم

مردم از حیوانی و آدم شدم

پس چہ ترسم کے ز مردن کم شدم

حملۂ دیگر بمیرم از بشر

تا بر آرم از ملائک بال و پر

بار دیگر از ملک پراں شوم

آنچہ اندر وہم ناید آں شوم

پس عدم گردم عدم چوں ارغنوں

گویدم "اِنّا اِلیہِ راجِعُون"

Marfat.com

۱۔ اللہ الذی خلق السموٰت والارض وما بینھما فی ستۃ ایام
ثم استوٰی علی العرش ط مالکم من دونہٖ من ولی ولا شفیعٌ
افلا تتذکرون ہ

(اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دوروں میں پیدا کیا۔ پھر وہ کائنات کی حکومت کے تخت پر متمکن ہوا۔ اس کے سوا تمہارا کوئی دوست یا شفاعت کنندہ نہیں۔ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے)

۲۔ یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم
کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون

(وہ اپنے مخفی ذہنی امر کی تدبیر کرتے ہوئے اسے بلندی سے پستی کی طرف لاتا ہے اور پھر جب وہ تخلیق کی صورت میں عیاں ہوتا ہے تو اس کی طرف صعود کرتا ہے ایسے ادوار کے ذریعے سے جن میں سے ہر دور تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کا ہوتا ہے)

۳۔ تعرج الملٰئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ
(اور اس کی طرف وہ قوتیں جو قوانین کے عمل کو حرکت میں لانے کے لئے مامور ہیں اور زندگی دونوں چیزیں ارتقا کرتی ہیں ایسے ایک ایک دور میں جس کی مقدار پچاس پچاس ہزار سال ہوتی ہے)

۴۔ ذالک علم الغیب والشھادۃ العزیز الرحیم
(یہ ہے وہ خدا جو مخفی اور عیاں دونوں کو جانتا ہے۔ غالب اور رحیم ہے)

Marfat.com

انتساب

میں اس کتاب کا انتساب دنیا کے ان تمام انسانوں کے نام کرتا ہوں جو اپنے اندر حقائق کی تلاش کا زبردست روحانی دباؤ رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو پہچاننے سے قاصر ہیں اور اس طرح مایوسی کے ہاتھوں دردناک عذاب میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ کتاب ان لوگوں کو اپنی پہچان کرنے میں مدد دے سکے تو یہ میری سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔

Marfat.com

پیش لفظ

زندگی کیا ہے ؟ یہ سوال انسان کے لئے آج تک معمہ بنا ہوا ہے مگر ایسا کیوں ؟
اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان خود اپنے آپ یا اپنی زندگی کو ابھی تک پہچان نہیں سکا ہے۔ لہذا یہ جاننے سے پہلے کہ زندگی کیا ہے۔ ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان خود کون ہے؟ اگر انسان کو خود اپنی پہچان ہو جائے تو پھر نہ صرف زندگی بلکہ پوری کائنات کے رموز و اسرار اس پر وا ہو سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کائنات سے الگ نہیں ہے۔ کائنات انسان ہی کی تعمیر و تخلیق کی لمبی داستان ہے۔ جب ہم کائنات پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمیں اس کے اندر جو قوانین ملتے ہیں ان کا جب انسان تجزیہ کر کے انہیں اپنے ذہن میں پرکھتا ہے تو وہ ان کو عین اپنے ذہن کے مطابق پاتا ہے۔ اس سے جہاں انسان کا کائنات سے گہرا تعلق ہونے کا ثبوت ملتا ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کائنات کے اندر جو قوانین کام کر رہے ہیں۔ ان کے اندر ہم آہنگی، توازن اور اعتدال اس بات کا ثبوت ہیں۔ کہ کائنات کی تخلیق ایک وحدت کے طور پر تکمیل پا رہی ہے۔ اور یہ کہ حضرت انسان کی فکر چونکہ ان قوانین کے ساتھ نہایت مطابقت رکھتی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کائنات میں نہایت اعلیٰ و ارفع مقام پر تخلیق پا رہا ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ انسان کا نفسی یا حیوانی جسم ایک حد تک بڑھ کر رک جاتا ہے اور اس کے بعد انسان کا صرف ذہنی عمل جاری رہتا ہے لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کائنات کے اندر تخلیق ابھی جاری ہے تو وہ صرف انسان کے اندر ذہنی طور پر جاری ہے۔ اس سے مزید واضح ہوتا ہے۔ کہ کائنات کی تخلیق دراصل انسان کی تخلیق تھی اور کائنات کی مختلف مراحل

Marfat.com

میں جو تخلیق ہوئی ہے وہ انسان ہی کی مختلف مراحل کے اندر ترتیب اور تعمیر تھی لہٰذا انسان نہ صرف کائنات کا جوہر ہے بلکہ کائنات کی تخلیق کا مقصد بھی خود انسان ہے۔

اگر یہ درست ہے کہ کائنات کا شاہکار انسان ہے تو پھر وہی پہلا سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان خود کون ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ کچھ عرصہ ہوا ایک میگزین کے سرسری مطالعہ کے دوران میری نظر سے ایک سادہ سا فقرہ گزرا۔ وہ فقرہ یہ تھا کہ "انسان کو ابھی یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کون ہے"۔ یہ فقرہ اپنی سادگی کے باوجود میرے ذہن پر چھایا رہا۔ شاید اس لئے کہ بحیثیت انسان میں خود بھی برسوں سے اپنی تلاش میں تھا۔ اس فقرے پر اگر غور کیا جائے تو جہاں اس میں سچائی نظر آتی ہے وہاں اس فقرہ کے اندر ایک زبردست حقیقت کی نشاندہی بھی ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کے اندر یہ احساس کہ اسے ابھی اپنے آپ کا علم بھی نہیں، اس بات کی شہادت ہے کہ انسان بذاتِ خود ایک منفرد حقیقت رکھتا ہے۔ اور یہ کہ اس کا یقیناً کچھ نہ کچھ مقصد ضرور ہے ورنہ ظاہر ہے کہ انسان کے ذہن میں اپنی ہستی کے متعلق ایسا سوال کبھی نہیں ابھر سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ جب سے حضرت انسان نے اس کرۂ ارض پر آنکھ کھولی ہے۔ اس کے سامنے ہمیشہ یہ سوال رہا ہے کہ وہ کون ہے۔ کہاں سے آیا ہے اور اس کی زندگی کا کیا مقصد ہے یہ سوال انسانی زندگی کا فطری تقاضا ہے بلکہ یہی وہ سوال ہے جو انسان کو کائنات میں اپنی الگ ہستی کا یقین دلاتا ہے اور جس کے جواب کے بغیر وہ اپنے آپ کو نامکمل سمجھتا ہے۔

انسان کے اندر جو اپنی تلاش کا جذبہ موجزن رہتا ہے وہ دراصل خالق کی روحانی محبت کا جذبہ ہے۔ انسانی مرحلہ تخلیق سے پہلے کائنات کے جتنے بھی تخلیقی مراحل ہیں وہ بھی انسان ہی کی تعمیر کے مراحل تھے۔ ان مراحل میں زندگی چونکہ ابھی ادنیٰ شعوری حالتوں

Marfat.com

میں تخلیق پا رہی تھی لہٰذا وہ براہِ راست خالق کے احساس سے عاری تھی۔ کائنات کے ان مراحل تخلیق کو ہم زندگی کی مادی حالتوں کے نام سے جانتے ہیں۔ تاہم وہ ادنیٰ تخلیقی مراحل پر بھی خالق کا لاشعوری احساس رکھتی تھی اور یہ احساس زندگی کے ان ادنیٰ مراحل پر بھی نہایت شدید تھا۔ لیکن ان مراحل پر زندگی چونکہ خالق کا براہِ راست احساس رکھنے سے عاری تھی لہٰذا وہ اس روحانی محبت کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے آپ کو زندگی کی مادی سطح پر مثبت منفی یا نر و مادہ کے مصنوعی جوڑوں میں تقسیم کر لیتی تھی۔ ہم اس حقیقت کو ایٹم کی مثبت منفی حالت میں اور پھر نباتی اور حیوانی مراحل تخلیق پر نر اور مادہ کے جوڑوں کے اندر تقسیم میں اور انسانی مرحلہ پر انسانی روح کا "خالق" اور مخلوق کے رشتہ میں بٹنے کے اندر دیکھتے ہیں۔ انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان کے اندر براہِ راست خالق کا روحانی احساس ابھرتا ہے لہٰذا انسان اب زندگی کی مادی حالتوں کی طرح اپنی روحانی محبت کو نر اور مادہ کی مصنوعی مادی تقسیم کے اندر مطمئن نہیں کر سکتا تھا بلکہ اب اس کے اندر ذہنی یعنی روحانی طور پر خالق کا براہِ راست احساس پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ خالق اور مخلوق کے روحانی رشتہ میں بٹ جاتا ہے اور اس طرح وہ خالق کو اپنے اس روحانی احساس میں تلاش کرتا ہے۔ یہ احساس انسانی مرحلۂ تخلیق پر باہر سے نہیں آیا تھا بلکہ خود اس کی روح کے اندر بالقوہ موجود ہوتا ہے۔ خالق کا یہ وہی احساس ہے جو انسان کو خود شعور بنا دیتا ہے۔ چنانچہ جب تک انسان اپنے اس روحانی احساس کو اپنی زندگی کی سطح پر کائنات کے کسی نہ کسی تصور میں ڈھال نہیں لیتا وہ ایک ثانیہ کے لئے بھی انسانی خود شعوری کی سطح پر نہیں رہ سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان کا خالق کے متعلق یہ روحانی احساس اس کی ذہنی سطح کے مطابق نہایت ادنیٰ ہو۔ مثلاً کسی منظر فطرت سے مرعوب ہو کر اسے اپنا روحانی خالق سمجھ کر اس کی عبادت کرنے کو اپنا مقصد حیات سمجھتا ہو یا پھر زندگی کے مصائب مثلاً بیماری، دکھ درد، قحط، بھوک، جنگ و جدل وغیرہ سے خوفزدہ ہو کر خود ہی پتھر وغیرہ کے بت تراش کر ان کو ایسی قوتوں کا حامل سمجھ کر پرستش

Marfat.com

کرتا ہو جس سے وہ سمجھتا ہے کہ وہ قوتیں ان آفات کے خلاف اس کی مدد کریں گیں۔
گویا انسان کے اندر ابتدا ہی سے براہ راست کائنات کی کسی ایسی حقیقت کا جو اس
کی طرح خود شعور ہے، احساس موجود ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ احساس موجود نہ ہوتا تو وہ
ہرگز کسی بت یا مظہر فطرت یا شخصیت کو اپنا خالق یا نجات دہندہ تصور نہ کرتا۔ اس کی حالت وہی
ہوتی جو حیوانی مرحلۂ تخلیق پر حیوان کی ہوتی ہے حیوانی سطح پر حیوان کی جو ضروریات زندگی ہوتی ہیں بنیادی
طور پر وہی انسان کی ضروریات ہوتی ہیں لیکن حیوان نے کبھی کسی بت سے مدد نہیں مانگی یا اس
نے کسی مظہر فطرت کو اپنی حاجات کے پورا کرنے یا مصائب رفع کرنے کے لئے نہیں پکارا اس
کی وجہ یہی ہے کہ حیوانی مرحلۂ تخلیق تک زندگی ابھی براہِ راست اپنے خالق کے احساس سے
عاری تھی۔ انسان جیسے جیسے ذہنی ترقی کرتا گیا اس کے اپنے اور کائنات کے متعلق تصوّرات بھی
بدلتے گئے۔ لیکن اس تبدیلی کے باوجود وہ کائنات کا کوئی نہ کوئی تصوّر ضرور رکھنے پر مجبور تھا
اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کے اندر یہ حقیقت واضح طور پر عیاں ہے کہ اس کائنات اور خود
اس کا بنانے والا ضرور موجود ہے اگر ابتدائی عہد کا انسان مظاہر فطرت کو اپنا خالق یا نجات دہندہ
سمجھتا تھا یا پھر وہ جادو ٹوٹکے، رنگ نسل یا شخصیت سے متاثر تھا اور ان کے پیچھے کسی مافوق
الفطرت ہستی کے ہاتھ کو موجود سمجھتا تھا تو آج کا ماڈرن انسان بھی کائنات اور خود اپنی ہستی کے
متعلق کوئی نہ کوئی تصور ضرور رکھتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ ابتدائی زمانہ میں انسان محض کسی خاص
مظہر فطرت کو اپنا خالق سمجھتا تھا تو آج کا انسان طبعی قوانین یعنی مجموعی طور پر قوانین فطرت کو اپنا
خالق سمجھتا ہے۔ وہ ان قوانین فطرت کو مادہ کا عمل قرار دیتا ہے۔ اس کی اصطلاح میں مادہ
وہ واحد حقیقت ہے جو حواس کے ذریعے محسوس کی جاسکتی ہے یا جو طول، عرض اور عمق رکھتی ہے
وہ اپنی ہستی، یعنی زندگی، سوجھ اور عقل ہر چیز کو مادہ کی پیداوار سمجھتا ہے یعنی اس کی نظر میں کائنات
اور اس کا خالق یہی مادہ ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ انسان خود کیونکہ مادی عناصر کی ایک تنظیم ہے
لہٰذا یوں ہی مادی قوانین کے تحت یہ عناصر منتشر ہو جاتے ہیں تو انسان بھی ختم ہو جاتا ہے لیکن مادہ

Marfat.com

کائنات کی ابدی حقیقت کے طور پر ہمیشہ قائم و دائم رہتا ہے۔ مادہ کے ماننے والوں میں بھی کئی گروہ ہیں۔ مثلاً بعض کے نزدیک مادہ کے اندر کوئی سوچی سمجھی تدبیر نہیں اور نہ ہی کوئی مقصد ہے اور بعض کے نزدیک انسان کا شعور بھی مادہ اپنے قوانین کے تحت متعین کرتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ بعض مغربی مفکر تو انسانی جبلتوں کو مطمئن کرنا ہی انسانی زندگی کا حقیقی مقصد سمجھتے ہیں گویا اس طرح اگر دیکھا جائے تو ابتدائی عہد کے انسان اور آج کے انسان میں ذہنی طور پر کوئی فرق نہیں۔ اگر غیر ترقی یافتہ انسان فطرت کے کسی ایک مظہر یا مظاہر کو اپنا خالق یا کائنات کی حقیقت سمجھتا تھا یا پھر وہ کسی شخصیت پتھر یا جادو ٹوٹکے کے پیچھے کسی مافوق الفطرت ہستی پر ایمان رکھتا تھا۔ تو آج کا ماڈرن انسان مادہ کو کائنات اور اپنا خالق سمجھ کر اس کی پرستش کرتا ہے۔ وہ مادی قوانین کی ہمہ گیری اور گرفت سے خوف کھاتا ہے۔ وہ زندگی کو حقیقی نہیں بلکہ اپنے طبعی جسم کو حقیقی سمجھتا ہے دوسرے لفظوں میں وہ زندگی کو مادی جسم کی پیداوار سمجھتا ہے لہٰذا وہ اپنی طبعی زندگی کو طول دینے کی اور اپنے مادی جسم کو منتشر ہونے سے بچانے کی خاطر تدبیریں کرتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ عقل کے ذریعے ان قوانین فطرت کو رام کر سکے گا اور اس طرح وہ اپنی مادی زندگی کی جنت خود پیدا کر سکے گا۔ مادہ کو اپنے دکھ سکھ اور زندگی کا دیوتا مان کر انسان نے اس کی تعریف میں طرح طرح کے بھجن گائے ہیں یعنی اس نے اس دیوتا کی شان میں کئی نظریات وضع کر کے انسان کو اس کی بائیبل کے طور پر دے دئیے ہیں۔ ان نظریات میں مادہ کی قہرمان قوتوں، اس کی خصوصیات اور رجحانات کی تشریح کی گئی ہے۔ ان نظریات کے مطابق زندگی چونکہ محض طبعی جسم کی پیداوار ہے لہٰذا اس مقصد کے ماتحت جو اخلاقیات مرتب کی گئی ہیں ان میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ انسان اپنے حیوانی جسم کی بقاء، حفاظت اور جبلی لذتوں کے حصول کی خاطر ہر عمل اختیار کر سکتا ہے اور ایسا کرنے میں اگر اسے بے شرمی، بے حیائی بے غیرتی، جھوٹ، دھوکہ دہی وغیرہ سے بھی کام لینا پڑے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ ان خبائث کو معاشرہ کے اندر باقاعدہ مختلف اداروں کے تحت تہذیب کا رنگ دے کر اپنا لیا گیا اور اس طرح ہر ایک کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ وہ خوب دل بھر کر جب تک مادی دیوتا کا دیا ہوا

Marfat.com

جسم حرکت میں رہتا ہے اس سے لطف اُٹھائے اگر وہ کسی جبلی قدر کو مطمئن نہیں کرے گا تو وہ طرح طرح کی ذہنی بیماریوں میں پھنس کر اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا۔ معاشرہ نے انسان کی اس کھلی جہالت کو آزادی کا نام دے کر انسان کو حیوانی نفس کا غلام بنا دیا۔

انسان نے زندگی کی مادی تعبیر کر کے اپنے روحانی جذبہ کا گلا گھونٹ دیا۔ جس کے نتیجہ میں' وہ روشنی' جو انسان کے اس جذبہ کو مطمئن کرنے کے لئے خالق کی طرف سے اس کے عمل تخلیق کے تحت انسان کو ملتی رہی ہے اور جس کے تحت وہ بتدریج اپنی روحانی منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ اس کو انسان نے اپنے ہاتھوں سے بجھا کر اپنے آپ کو اندھیروں کے گہرے غار میں دھکیل دیا۔ آج انسان کے اندر جو انتشار اور بے چینی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ وہ اسی مادہ پرستی کا نتیجہ ہے تاہم انسان اپنی فطرت کو زیادہ دیر تک دھوکہ نہیں دے سکتا۔ وہ اپنے روحانی جذبہ کو کچھ عرصہ کے لئے تو غلط راہ پر لگا سکتا ہے لیکن مستقل طور پر وہ اپنے آپ کو اس دھوکہ میں نہیں رکھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ وہ اپنی بے راہ روی کی وجہ سے اندھیروں میں دور نکل گیا ہے لیکن اب وہ واپس آنے کے لئے زبردست ہاتھ پاؤں مار رہا ہے تاکہ اسے روشنی میسر آ سکے۔ خالق کے عمل تخلیق کے ذریعے مہیا کردہ روشنی جن انسانوں کے اندر موجود ہے وہ خود بھی اس مادی سیلاب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے میری مراد دین اسلام اور اس کے پیروکاروں سے ہے، تاہم اب جبکہ انسان اندھیروں سے اجالے کی طرف بڑھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے تو یہ روشنی پھر پہلے کی طرح بلکہ زیادہ تیز و تند ہو کر انسان کو اندھیروں سے نکال کر اس کو صحیح راہ دکھانے کے لئے بے تاب ہے۔ اسلامی ممالک میں جو حالات رونما ہو رہے ہیں وہ اس کی تائید کرتے ہیں

اس کتاب کے لکھنے کے پیچھے جذبہ محرکہ یہی ہے کہ انسان کو اس کے روحانی جذبہ کے متعلق آگاہ کیا جائے۔ اسے بتایا جائے کہ مادہ محض انسانی زندگی کے نقطہ آغاز کے سوا کچھ نہیں۔ مادہ

Marfat.com

ازخود زندگی کی ابتدائی تنظیمی حالت ہے۔ زندگی مختلف مراحل سے گذرتی ہوئی بالآخر انسان کی موجودہ سطح پر پہنچ کر اسے خود شعور کر دیتی ہے۔ یعنی اس کے اندر براہ راست خالق کی ادنیٰ جھلک نمودار ہو جاتی ہے اور اس طرح انسان پہلی دفعہ خالق کا براہ راست وجدان حاصل کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو کائنات کی مادی حالتوں سے کافی حد تک نکال لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تمام کائنات اور اس کے اندر مختلف تخلیقی مراحل انسان ہی کی تخلیق و تعمیر کے مراحل تھے حیوانی مرحلہ تخلیق تک انسان زندگی کی مادی حالتوں میں تخلیق پا رہا تھا۔ زندگی کا مادی حالتوں میں تخلیق پانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر ان مراحل میں خالق کی براہ راست آگہی یا احساس نہیں ابھرا تھا۔ اگر ہم اس کو عام مثال میں بیان کرنا چاہیں تو حیوانی مرحلہ تخلیق تک انسان گویا ماں کے پیٹ میں جنین کی صورت میں پرورش پا رہا تھا اور پھر حیوانی مرحلہ کی تکمیل پر وہ گویا روحانی طور پر اپنے خالق کی روحانی دنیا یعنی اپنے موجودہ مرحلہ تخلیق میں پیدا ہوتا ہے اور جس طرح بچہ اپنی پیدائش پر اپنی ماں کو پہنچاننے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح وہ اپنے خالق کو براہ راست پہنچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ روحانی طور پر انسان ابھی اپنے تخلیقی عمل میں ہونے کی وجہ سے اپنے خالق کو پوری طرح پہچاننے سے قاصر ہے۔ ابتدا ہی سے خالق انسان کی روحانی نشوونما وحی یا نبوت کے ذریعے کرتا رہا ہے اور اس طرح انسان جیسے جیسے روحانی طور پر خالق کی طرف سے مہیا کردہ راستے پر گامزن رہا ویسے ہی وہ خالق کی نشانیوں سے زیادہ سے زیادہ آگاہ ہوتا چلا گیا۔ انسان اپنے موجودہ مرحلہ پر اسی جدوجہد کے تحت اپنی روحانی تکمیل حاصل کر رہا ہے۔

جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے کائنات، یعنی انسانی زندگی کی روحانی تشریح اس کتاب کا مقصد ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب تک ہم جو کہ خالق کے عمل تخلیق کے ذریعہ مہیا کردہ راہنمائی کے امین ہیں، دنیا کے بیشتر انسانوں کو، جو آج مادہ پرستی کے ہاتھوں گہرے اندھیروں میں سسکیاں

Marfat.com

بھرے ہیں۔ ان کی ذہنی سطح کے مطابق انہیں اس راہنمائی سے آشنا کر کے باہر نہیں نکال لیتے ہم اس امانت کا حق ادا نہ کرنے کے مجرم ٹھہریں گے۔ الحاد اور مادہ پرستی کے نظریات کو توڑنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان گمراہ لوگوں کے سامنے انسانی زندگی کے روحانی جذبۂ محبت کی حقیقت کو ایک مربوط اور عقلی طریقہ سے پیش کریں۔ ظاہر ہے یہ اتنا آسان کام نہیں اس کام کے لئے تخلیق اور زندگی کے مسائل کو کئی زاویوں سے پرکھ کر ایک مربوط رشتہ میں پرو کر پیش کرنا لازمی تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آج کے گمراہ کن نظریات کا بھی تجزیہ کرنا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ روحانی تشریح کرتے ہوئے بہت سے لطیف اور نازک مرحلوں سے گزرنا ضروری تھا۔ یعنی جذبات اور تاثرات کو الفاظ کے اندر ڈھالنا نہایت مشکل کام ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بہت سے ایسے سوالات مثلاً کائنات، مادہ کی حقیقت، زندگی اور زندگی کا مقصد، خالق اور تخلیق کا رشتہ، ابدی حقیقت، غذا اور غذا کی حقیقت، عقل اور اخلاقیات، موت کی حقیقت وغیرہ جو اکثر انسان کے ذہن میں ابھرتے رہتے ہیں اور جن کی تشریح کے لئے جلدوں کی ضرورت ہے۔ وہ اس چھوٹی سی کتاب کے چند جملوں اور پیروں میں ادا ہو گئے ہیں اب تک بہت سے حکما، فلاسفروں اور دوسرے انسانوں نے جو تصورات پیش کئے ہیں ان پر جب غور کیا گیا تو ان میں سے بہت سے تصورات بالکل مختلف نظر آئے۔ اس طرح اس کتاب میں بہت سی ایسی چیزیں نظر آئیں گی جن پر یا تو پہلے توجہ نہیں دی گئی یا اگر توجہ دی بھی گئی تو ان کا مخفی استعارۃً ذکر کیا گیا تھا۔ لیکن اس کتاب میں یہ اور ایسے ہی بہت سے حقائق ایک مربوط شکل میں آ جانے کی وجہ سے یہ کتاب کائنات، یعنی انسان کی روحانی تشریح کے فلسفہ کی صورت اختیار کر گئی ہے۔

اس چھوٹی سی کتاب میں اتنے بڑے مضمون بلکہ کائنات کی واحد تسلی بخش تعبیر کو پیش کرنے کی جرأت کرنا اپنے لئے ایک تائید غیبی سمجھتا ہوں کتاب کی تحریر اور بیان میں غلطیوں کا امکان

Marfat.com

ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کتب نویسی میرا پیشہ نہیں اس کتاب کے لکھنے کے پیچھے محض یہ جذبہ تھا کہ میں اپنے خیالات کو دوسرے انسانوں تک خاص کر اقوامِ مغرب اور ان لوگوں تک پہنچا سکوں جو مادہ پرستی کی وجہ سے جہالت میں گھرے ہوئے ہیں اس سلسلہ میں کتاب کے اردو ایڈیشن کے چھپ جانے پر اس کتاب کا دنیا کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کرواکے تقسیم کرنے کا ارادہ ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ آسان کام نہیں اس کے لئے باقاعدہ کسی ادارے کی ضرورت ہے جس کی نگرانی میں یہ کام سرانجام پا جا سکے۔ لیکن یہ سب کچھ اس بات پر منحصر ہے کہ اس کتاب کی کیا افادیت ہے بہرحال اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہی تھا کہ میں اپنے خیالات کو دوسرے انسانوں تک پہنچا سکوں اس سے اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم انسان پر سوچ کی نئی راہیں کھل جائیں گی ضمناً کتاب میں بعض جگہ خیالات کو بار بار دھرایا گیا ہے۔ مگر ایسا یا تو بعض مضامین کے اپنے تقاضوں کی وجہ سے کرنا ضروری تھا اور یا پھر کتاب کے مطالب کو آسان بنانے کے لئے بعض خیالات کا دھرانا ضروری ہو گیا۔

یہ کتاب عام فلسفیانہ کتابوں میں مندرج دقیق قسم کی اصطلاحات کے بغیر لکھی گئی ہے تاہم یہاں ان چند اہم الفاظ کے متعلق جن کو میں نے اس کتاب میں مخصوص معانی میں استعمال کیا ہے۔ مختصراً ذکر کر دینا ضروری ہے۔ میں نے کئی جگہ زندگی کے ساتھ شعور کا لفظ بھی استعمال کیا ہے جیسے "زندگی و شعور" وغیرہ زندگی کے ساتھ جہاں جہاں شعور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کا مطلب وہی ہے جو زندگی کا ہے البتہ جہاں زندگی کی "شعوری اقدار" کا ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد ہر مرحلہ پر زندگی کی ان روحانی قدروں سے ہے جسے زندگی کو اس مرحلہ پر حاصل کرنا ہوتا ہے زندگی خواہ ایٹم کی مادی شکل میں ہو یا پھر نباتی یا حیوانی مرحلہ پر تخلیق پا رہی ہو۔ ہر مرحلہ پہ زندگی چونکہ خالق کے مقصد کے نزدیک چلی آتی ہے اور اس طرح شعوری طور پہ خالق کے مقصد کے زیادہ قریب ہو جاتی ہے لہذا ہر نئے مرحلہ پہ زندگی کو جو اعلیٰ روحانی یا شعوری بلندی ملتی ہے اور اس کے لحاظ سے وہ اپنے مرحلہ پر آگے بڑھنے کے لئے جو ضابطۂ اخلاق متعین کرتی ہے ان

Marfat.com

سب کا تعلق چونکہ اس مرحلہ پہ زندگی کی تخلیق سے ہوتا ہے۔ لہٰذا میں نے زندگی کی مادی سطح پہ ان کو زندگی کی "شعوری امداد" کہا ہے۔ ابدی حقیقت کے لئے خالق، خالقِ کائنات یا شعورِ مطلق کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں یہ چند اہم الفاظ ہیں جن کا کتاب میں بار بار ذکر آیا ہے اس کے علاوہ قارئین دیکھیں گے کہ کتاب نہایت سادہ اور آسان زبان میں لکھی گئی ہے البتہ چونکہ بہت سے مطالب ایسے ہیں جن کا اس کتاب میں عام فہم مطالب سے ہٹ کر ذکر آیا ہے۔ لہٰذا آسان عبارت کے باوجود ان مطالب کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے کتاب کا نظرِ غائر سے مطالعہ کرنے کی اہمیت واضح ہے۔

آخر میں۔ میں قارئین سے التماس کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد جہاں جہاں اصلاح کی ضرورت سمجھیں اس کے متعلق مجھے آگاہ فرمائیں تاکہ اس کتاب کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے سے پہلے ان کے مشوروں سے استفادہ کیا جا سکے جو اصحاب اس کتاب کا انگریزی فارسی اور عربی میں ترجمہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں میری ان سے بھی درخواست ہے کہ وہ ایسا کرنے میں میری مدد فرمائیں۔

یہاں میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم جو کہ اقبال اکیڈمی کے ڈائریکٹر بھی رہ چکے ہیں، کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا میں نے ڈاکٹر صاحب کی گرانقدر اردو اور انگلش تصانیف، خاص کر قرآن اور علمِ جدید سے بہت استفادہ کیا ہے ڈاکٹر صاحب یقیناً اسلام کی ایک مایۂ ناز ہستی تھے افسوس کہ ان کی قبل از وقت موت نے ہم کو ایک بڑے عالم اور مفکر سے محروم کر دیا۔

محمد منیر

۳/۲۳ ای۔ شالیمار ۱/۶ اسلام آباد

مورخہ یکم محرم ۱۴۰۰ھ بمطابق ۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء

Marfat.com

باب نمبر ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شعورِ مطلق اور کائنات

جب سے انسان نے اِس کرۂ ارض پر آنکھ کھولی ہے اُس کے پیشِ نظر ہمیشہ یہ سوال رہا ہے کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور اس کی زندگی کا کیا مقصد ہے یہی سوال ہے جس کے خاطرخواہ جواب کی تلاش نے اسے کائنات کی حقیقت دریافت کرنے پر مجبور کیا۔ کائنات کی حقیقت دریافت کرنا گویا انسان کا اپنے آپ کو دریافت کرنا تھا۔ انسانی فکر نے تصورات کی راہ کھولی اور یہ وہی تصورات ہیں جن کو ہم تاریخ کے نام سے یاد کرتے ہیں گویا انسان کی تاریخ اس کے تصورات کی تاریخ ہے۔ ہم اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی تاریخ اس کی اپنے آپ کو دریافت کرنے کی تاریخ ہے جیسے جیسے انسان کے ذہن پر کائنات کے رموز واسرار کھلتے گئے ویسے ہی انسان کو اپنی حقیقت اور وسعتوں کا اندازہ ہوتا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے تصورات بھی بدلتے گئے اور انسان ان تصورات کے تحت اپنے معاشرے کی تشکیل کرتا رہا۔ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان عام طور پر دو مختلف تصورات حیات میں بٹا رہا ہے ان میں سے ایک اس مکتبِ فکر کا حامل تھا کہ انسان مادہ سے بنا ہے اور مادی زندگی گذارنے کے بعد پھر مٹی میں مل کر ختم ہو جاتا ہے لہذا کائنات کی حقیقت مادہ ہے جس میں قوانین بغیر کسی مقصد یا سکیم کے اندھا دھند آپس میں ٹکراتے رہتے ہیں لہذا انسان کی زندگی کا بھی سوائے اس کے کوئی مقصد نہیں کہ وہ حیوان کی طرح زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے کسی نہ کسی طرح مادی ضروریات پوری کرتا رہے اس کے برخلاف دوسرے مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے

Marfat.com

والا گروہ کائنات کو ایک تخلیق سمجھتا ہے جس کے پیچھے کسی خالق کا ذہن یا شعور کام کر رہا ہے اور یہ کہ کائنات کی تخلیق کے اندر تعمیری پہلو مضمر ہے جو کسی خاص مقصد کی نشاندہی کرتا ہے لہذا انسان شعورِ کائنات یعنی شعورِ مطلق کے مقصد کی طرف رواں ہے۔

اگرچہ مادہ کا تصور اب وہ نہیں رہا جو کہ انیسویں صدی کے آخر تک تھا اور جس کے لئے اب سائنس والوں نے قوت کی اصطلاح وضع کی ہے یعنی کائنات کی حقیقت ایک قوت ہے اور مادہ محض منجمد انرجی یا ایک پردہ ہے جو قوت نے اوڑھ رکھا ہے اس خیال کو اس لئے بھی تقویت ملی کہ کائنات کا ذرہ ذرہ متحرک ہے اور حرکت قوت کا لازمی فعل ہے۔ تاہم کائنات کی اصل جاننے سے پہلے کہ آیا وہ مادہ یا قوت ہے یا شعورِ مطلق ہمیں دیکھنا ہوگا۔ کہ مجموعی طور پر کائنات کس طرح وجود میں آئی۔ یعنی کیا یہ کائنات بالکل اسی طرح تھی جیسا کہ نظر آتی ہے۔ یا اس کی ابتدا اور انتہا ہے سائنسی نقطۂ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات محدود ہے اور کسی زمانے میں یہ کسی خاص نقطۂ پر گیس کی شکل میں ایک زبردست قوت کے طور پر مجتمع تھی اور پھر گیس کے ذرات نے آہستہ آہستہ پھیل کر ایک بڑے بنولے کی صورت اختیار کر لی جو بعد ازاں متعدد بنولوں میں بٹ گیا اس دوران مختلف اجزاء یا مادی ایٹم وجود میں آتے رہے بنولوں سے آگے بڑھ کر نظام ہائے شمسی پیدا ہوئے۔ زمین انہیں نظامِ ہائے شمسی کا ایک حصہ ہے جو سورج کے گرد گردش کرتی ہے زمین کے اوپر طبعی قوانین پیدا ہوئے اور اس کے بعد نباتات سے زندگی کی ابتدا ہوئی جو آگے چل کر مختلف انواع حیوانات کی صورت میں کرۂ ارض پر پھیل گئی۔ یہی زندگی ایک مرحلہ پر پہنچ کر انسانی شعور میں ظاہر ہوئی۔ گویا اس طرح تصویرِ کائنات کو دیکھا جائے تو اس کا ہر نیا مرحلہ اپنے سابقہ مرحلہ سے اس طرح ملا ہوا ہے کہ گویا کائنات کی تعمیر ایک وحدت کے تحت ہو رہی ہے جس کی وجہ سے اس کے تسلسل میں کسی قسم کا خلا موجود نہیں۔ اس کے علاوہ کائنات کے اندر قوانینِ فطرت کی ہمہ گیری، کائنات کی تعمیر میں کسی خاص مقصد اور شعور کی موجودگی کی

Marfat.com

نشاندہی کرتی ہے کیونکہ جہاں قوانین ہوں گے وہاں مقصد کا ہونا لازمی ہے اور جہاں مقصد ہے وہاں اس کے پیچھے شعورِ ذات کا ہونا لازمی ہے۔ گویا کائنات کی جس حقیقت کو ہم شعورِ مطلق کہتے ہیں۔ اسے ہم ذاتِ مطلق بھی کہہ سکتے ہیں چنانچہ مندرجہ بالا حقیقت کے پیشِ نظر اگر ہم مادہ کو حقیقتِ کائنات تسلیم کریں تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مادہ نہ صرف باشعور ہے بلکہ وہ اپنے مقصد سے بھی آگاہ ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں کیونکہ مادہ کا ارتقائی عمل بتاتا ہے کہ وہ پستی سے اعلیٰ حالتوں کی طرف بڑھتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ پستی کے اندر از خود اعلیٰ کی سوچ یا سمجھ ممکن نہیں۔ لہٰذا مادہ نچلی حالتوں میں سوچ سمجھ سے عاری ہونے کی وجہ سے خود بخود آگے بڑھنے یا اپنے مقصد کو متعین کرنے سے قاصر ہے اور جو چیز خود اپنے مقصد کو متعین نہیں کر سکتی، وہ شعورِ مطلق یا ذاتِ مطلق نہیں ہو سکتی۔ اب اگر یہ فرض کیا جائے کہ مادہ کے اندر چونکہ شعور کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا کائنات کی مادہ اور شعور دو حقیقتیں ہیں تو بھی قرینِ قیاس نہیں۔ کیونکہ دو الگ الگ حقیقتیں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں اور پھر کائنات کے اندر قوانینِ فطرت کی ہمہ گیری جس سے کائنات کے اندر ایک مقصد کے ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے وہ اس بات کی شہادت ہے کہ کائنات کی دو الگ الگ حقیقتیں ہونا بذاتِ خود حقیقت کے خلاف ہے۔ کائنات کو مادی حقیقت ماننے کے لئے تیسری چیز جو فرض کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ مادہ ایک بیج کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا ارتقا ہو رہا ہے مگر اس طرح فرض کر لینے میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس مادی بیج کے پھلنے پھولنے یعنی اس کے ارتقائی منازل طے کرنے میں اس کی آبیاری کون کرتا ہے اس کی پرورش یا اس کے پھلنے پھولنے کے لئے اس کی پشت پر کسی سہارے کی ضرورت ہے بیج اپنی پرورش زمین سے حاصل کرتا ہے۔ بچہ اپنی ماں کی آنول نالی سے پرورش پاتا ہے۔ اسی طرح جب تک مادہ کے پیچھے کوئی شعورِ عمل پیرا نہیں جو مادہ کے بیج کی آبیاری یا پرورش کرتا، مادہ خود بخود سوچے سمجھے منصوبے کی طرف ارتقائی منازل طے نہیں کر سکتا تھا۔

Marfat.com

یہ خیال کہ ارتقاء کے لئے مادہ قدرتی چناؤ کا سہارا لیتا ہے جبھی صحیح ہو سکتا ہے اگر قدرتی چناؤ شعوری عمل ہوا ور یہ چناؤ خود شعورِ مطلق اپنے مقصد کے تحت کرتا ہو ورنہ شعوری عمل کے بغیر قدرتی چناؤ ایک اندھی تقلید کا عمل رہ جاتا ہے اور اندھا دھند عمل، تعمیری نہیں بلکہ ہمیشہ تخریبی ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس ہم کائنات کی تخلیق میں مثبت اور تعمیری عمل دیکھتے ہیں لہذا ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کائنات اپنا مستقل بالذات وجود نہیں رکھتی بلکہ یہ ایک تخلیق ہے۔ جس کے اندر مضبوط اور غیر متبدل قوانین کام کر رہے ہیں اور جن سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کے پیچھے کوئی ایسا شعور برسرِ عمل ہے جو اپنی ذات میں یکتا و کامل ہے لہذا کائنات کی حقیقت مادہ یا قوت نہیں بلکہ مادہ یا قوت بذات خود شعور کا عمل ہے یعنی شعورِ مطلق اپنے کسی مخفی مقصد کا اظہار کر رہا ہے گویا کائنات ایک تخلیق ہے جس میں شعورِ مطلق اپنے کسی محبوب تصور کو ایک مخصوص تخلیقی عمل سے باہر لا رہا ہے تخلیق کے اندر ابتدا اور انتہا لازمی ہے لہذا یہ ایک ارتقائی عمل سے گزرتی ہے

کائنات کی حقیقت شعورِ مطلق ہے اس کا پتہ ہمیں کائنات کی تخلیق کے اندر بھی ملتا ہے جب ہم کائنات کے مختلف تخلیقی مراحل پر غور کرتے ہیں تو ان سب تخلیقی مراحل میں جو سب سے نمایاں اور اہم خصوصیت نظر آتی ہے وہ بتدریج شعور یا زندگی کا زینہ بہ زینہ پروان چڑھنا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، انسانی مرحلہ تخلیق میں انسان کا خود شعور ہو جانا شعور کی بلندی کو ظاہر کرتا ہے اب چونکہ کائنات ایک وحدت ہے اور اس کا خالق بھی واحد ہے لہذا کائنات کی تخلیق کا مقصد بھی ایک ہے کائنات کے تمام تخلیقی مراحل بالآخر چونکہ انسانی مرحلہ تخلیق میں داخل ہو چلتے ہیں لہذا ہم یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ شعورِ مطلق کے ذہن میں کائنات کی تعمیر کا مقصد انسان کی تخلیق تھا یہی اس کا آیڈیل تھا جسے وہ مختلف تخلیقی مراحل کے اندر اپنے صفات و کمالات سے سنوارتا ہوا بالآخر انسانی مرحلہ تخلیق میں پہنچ کر وہ اپنے صفات و کمالات کا عکس انسان کی خود شعوری میں پانے لگا۔ انسان کی خود شعوری گویا خالق کی اپنی ذات وصفات کا

۹۱۲۲۰

Marfat.com

شاہکار ہے انسان کی خودشعوری کو ہم خالق کی روح بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ روح جو کہ کائنات کی تخلیق کی صورت ہر لحظہ اور ہر قدم پر خالق کی صفات میں ڈھلتی رہی، بالآخر انسانی مرحلہ تخلیق پر انسان کی روح کی شکل میں خالق کا روحانی آئینہ بن کر اجاگر ہوتی ہے اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ کائنات کے تمام سابقہ تخلیقی مراحل بھی چونکہ انسان ہی کے تعمیری مراحل تھے اور انسان میں جو سب سے نمایاں خصوصیت ہے وہ اس کا خود شعور ہو جانا ہے لہذا کائنات کا ہر تخلیقی مرحلہ اپنے مرحلۂ تخلیق کی مناسبت سے شعور کا حامل تھا۔ کائنات کے ابتدائی مراحل یعنی مادی یا طبعی، نباتاتی اور حیوانی سب کے سب انسان ہی کی شعوری تعمیر کے مراحل تھے یا دوسرے لفظوں میں ہم انہیں بطور فردِ واحد انسان کی پیدائش اور بچپن کی شعوری حالتیں بھی کہہ سکتے ہیں

تخلیقِ کائنات کے اندر جیسا کہ ہم کائنات کے مختلف تخلیقی مراحل اور پھر انسان میں دیکھتے ہیں شعور کی بتدریج عکاسی ہوتی رہی ہے جو خالق کی حقیقت کو ظاہر کرتی ہے تخلیق کے اندر خالق کی عکاسی کا ہونا لازمی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو خالق کے تخلیق کرنے کا مقصد بے معنی ہو جاتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ بے مقصد تخلیق ظہور میں آ ہی نہیں سکتی۔ خالق جب تخلیق کرتا ہے تو اس کے پیچھے مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد کا محرک اس کے اپنے صفات و کمالات کی نمود کی زبردست محبت اور چاہت ہوتی ہے لہذا جو تخلیق اپنے خالق کی عکاسی نہیں کر سکتی وہ تہی دامن یا زندگی سے عاری ہوتی ہے دوسرے لفظوں میں اس کا ظہور میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر خالق اپنی تخلیق کے اندر اپنی عکاسی کرنے سے قاصر ہے تو وہ خالق یا تو اپنی ذات و صفات سے عاری ہے یا اُسے ان کا علم نہیں لہذا وہ زندگی اور صفات دونوں سے عاری ہوتا ہے یعنی یہاں بھی تخلیق کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں تخلیق صرف شعور یا زندگی کا فطری تقاضا ہے شعور یا زندگی جہاں بھی ہوگی وہ تخلیق کرے گی اور جو تخلیق کرتا ہے وہ اپنے صفات و کمالات کا علم اور ان سے کشش بھی رکھتا ہے یہی کشش خالق کے اندر تخلیق کے

Marfat.com

لئے محرک اور اس کا مقصد بنتی ہے دوسری طرف تخلیق جیسے جیسے پروان چڑھتی ہے وہ اپنے اندر خالق کو منعکس پا کر خالق کے صفات و کمالات سے جس قدر بہرہ ور ہوتی ہے اسی قدر وہ خالق کی محبت کا اظہار کرتی ہے اور آگے چل کر خالق کے تصور کو اپنا آئیڈیل بنا کر اس کے صفات و کمالات کو اپنے عمل و فعل میں ظاہر کرتی ہے انسانی مرحلۂ تخلیق میں اخلاقیات کے پیچھے جو قوت کام کرتی ہے وہ انسانی خود شعوری کا یہی جذبۂ محبت ہے سچ تو یہ ہے کہ خالق اور مخلوق ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ جو تخلیق ہوتا ہے وہ خالق کا اپنی صفات میں ظہور ہے جو تخلیق کے دوران ظاہر ہوتی ہیں خالق کی یہی نمود اور اظہار اس کی ہستی کی دلیل ہے۔

Marfat.com

باب نمبر ۲

شعورِ مطلق اور قوت

آگے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم قوت کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھ لیں یہ نہایت اہم بات ہے کیونکہ قوت کے مفہوم کے اندر ایک بڑی حقیقت کی طرف نشاندہی ہوتی ہے۔ جیساکہ سابقہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کائنات کے متعلق موجودہ خیال یہ ہے کہ اس کی حقیقت یا اصلیت قوت یا توانائی ہے۔ اس سے قبل عام طور پر کائنات کی حقیقت مادہ کو سمجھا جاتا تھا یعنی اس کے بنیادی اجزاء مادی ہیں جن میں طول و عرض و عمق پایا جاتا ہے لیکن بعد ازاں اس خیال کو بدل دیا گیا اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اگرچہ مادہ توانائی میں منتقل ہوجاتا ہے اور توانائی مادہ میں منتقل ہوجاتی ہے تاہم مادہ کی کوئی شکل ایسی نہیں ہے جو توانائی پر مشتمل نہ ہو یعنی وہ توانائی میں نہ بدل سکتی ہو جبکہ توانائی مادہ کی شکل میں آئے بغیر بھی موجود رہ سکتی ہے گویا توانائی منجمد شکل میں ہو تو اُسے مادہ کہتے ہیں اور یہی مادہ جب تحلیل ہوتا ہے تو یہ اپنے اصل جوہر یعنی توانائی میں منتقل ہوجاتا ہے۔ گویا توانائی جوہر کائنات یا اس کی حقیقت ہے لہذا کائنات کی شان و شوکت، حسن و لطافت، نور و ظلمت، عقل و ذہانت جس کو ہم مظاہر فطرت کہتے ہیں توانائی کی سرگرمیوں سے عبارت ہیں۔ کائنات کے اندر تمام بُوقلمونیاں، مادہ کے تمام درجات اور شکلیں، ابتدار سے لے کر انسانی مرحلۂ تخلیق تک توانائی کی منجمد صورتیں ہیں۔ حتیٰ کہ انسان میں عقل و شعور بھی توانائی کی ارتقا پذیر شکل ہے توانائی کے مظاہر روزمرہ کی زندگی میں نظر آتے ہیں مثلاً آواز، قوت کی لہروں پر سوار ہو کر فضا میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اس ارتعاش کو برقی رو میں منجمد کر لیا جاتا ہے اور پھر اس برقی رو سے دوبارہ آواز پیدا کی جا سکتی ہے بجلی

لئے محرک اور اس کا مقصد بنتی ہے دوسری طرف تخلیق جیسے جیسے پروان چڑھتی ہے وہ اپنے اندر خالق کو منعکس پا کر خالق کے صفات و کمالات سے جس قدر بہرہ ور ہوتی ہے اسی قدر وہ خالق کی محبت کا اظہار کرتی ہے اور آگے چل کر خالق کے تصور کو اپنا آئیڈیل بنا کر اس کے صفات و کمالات کو اپنے عمل و فعل میں ظاہر کرتی ہے انسانی مرحلہ تخلیق میں اخلاقیات کے پیچھے جو قوت کام کرتی ہے وہ انسانی خود شعوری کا یہی جذبہ محبت ہے سچ تو یہ ہے کہ خالق اور مخلوق ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ جو تخلیق ہوتا ہے وہ خالق کا اپنی صفات میں ظہور ہے جو تخلیق کے دوران ظاہر ہوتی ہیں خالق کی یہی نمود اور اظہار اس کی ہستی کی دلیل ہے۔

PANJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

باب نمبر ۲

شعورِ مطلق اور قوّت

آگے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم قوّت کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھ لیں یہ نہایت اہم بات ہے کیونکہ قوت کے مفہوم کے اندر ایک بڑی حقیقت کی طرف نشاندہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ سابقہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کائنات کے متعلق موجودہ خیال یہ ہے کہ اس کی حقیقت یا اصلیت قوت یا توانائی ہے۔ اس سے قبل عام طور پر کائنات کی حقیقت مادہ کو سمجھا جاتا تھا یعنی اس کے بنیادی اجزاء مادی ہیں جن میں طول و عرض و عمق پایا جاتا ہے لیکن بعد ازاں اس خیال کو بدل دیا گیا اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اگرچہ مادہ توانائی میں منتقل ہو جاتا ہے اور توانائی مادہ میں منتقل ہو جاتی ہے تاہم مادہ کی کوئی شکل ایسی نہیں ہے جو توانائی پر مشتمل نہ ہو یعنی وہ توانائی میں نہ بدل سکتی ہو جبکہ توانائی مادہ کی شکل میں آئے بغیر بھی موجود رہ سکتی ہے گویا توانائی منجمد شکل میں ہو تو اُسے مادہ کہتے ہیں اور یہی مادہ جب تحلیل ہوتا ہے تو یہ اپنے اصل جوہر یعنی توانائی میں منتقل ہو جاتا ہے۔ گویا توانائی جوہر کائنات یا اس کی حقیقت ہے لہذا کائنات کی شان و شوکت، حسن و لطافت، نور و ظلمت، عقل و ذہانت جس کو ہم مظاہر فطرت کہتے ہیں توانائی کی سرگرمیوں سے عبارت ہیں۔ کائنات کے اندر تمام بوقلمونیاں، مادہ کے تمام درجات اور شکلیں، ابتداء سے لے کر انسانی مرحلۂ تخلیق تک توانائی کی منجمد صورتیں ہیں۔ حتیٰ کہ انسان میں عقل و شعور بھی توانائی کی ارتقا پذیر شکل ہے توانائی کے مظاہر روزمرہ کی زندگی میں نظر آتے ہیں مثلاً آواز، قوت کی لہروں پر سوار ہو کر فضا میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اس ارتعاش کو برقی رو میں منجمد کر لیا جاتا ہے اور پھر اس برقی رو سے دوبارہ آواز پیدا کی جا سکتی ہے بکرطی

Marfat.com

کو جلایا جائے تو اس کے اندر سے کچھ انرجی، کاربن کی صورت میں خارج ہو جاتی ہے کچھ آکسیجن
کے ساتھ مل کر روشنی کی قوت میں بدل جاتی ہے اور باقی جو راکھ کی صورت میں بچ جاتی ہے وہ
بھی طبعی قوانین کے مطابق ایٹم کی صورت میں منتشر ہو جاتی ہے یعنی لکڑی قوت کی ایک منجمد شکل تھی
جو جلنے کے بعد دوبارہ انرجی کی مختلف قسموں میں منتقل ہو گئی۔ توانائی، حرکت کے بغیر ممکن نہیں
اور حرکت کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ چھلانگوں یا جھٹکوں کی صورت حرکت کرتی ہے
یعنی حرکت اگر ایک دو اور تین نقطوں سے گذرے گی تو یہ ممکن ہے کہ وہ ایک سے چھلانگ لگا
کر تین پر پہنچ جائے اور دو کو درمیان میں چھوڑ دے حرکت جن نقطوں سے گذرتی ہے ان کے
درمیان ایک فاصلہ ہوتا ہے خواہ وہ فاصلہ کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ حرکت اس فاصلہ کو چھلانگ
کر طے کرتی ہے گویا حرکت چھلانگوں کی شکل میں ہوتی ہے حرکت کے اس اصول کے تحت
ارتقائی مراحل ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں داخل ہوتے ہیں۔ گویا انسانی شعور تک ارتقاء
قوت کی وہ حرکت ہے جو چھلانگوں سے ہوتی رہی زمین اور جمادات میں یعنی طبعی قوانین کی تشکیل
اور اس کے بعد نباتات، اور نباتات سے حیوانات اور حیوانات سے انسان تک جو ارتقا ہوا ہے
وہ چھلانگوں کی صورت میں ہوا ہے حرکت کے اس عمل کو ارتقائی عمل بھی کہا جا سکتا ہے الغرض
توانائی کو کائنات کی حقیقت تسلیم کرنے سے ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہر موجود توانائی ہے
اور جو کچھ بھی ہے وہ توانائی کے مختلف روپ ہیں۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ توانائی آخر کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ اس میں تو
کوئی شک نہیں کہ ہر شے حرکت میں ہے خواہ وہ نظام ہائے شمسی کی صورت میں سورج اور سیارے
ہوں اور خواہ وہ ایٹم اور الیکٹران کے بنیادی اجزاء ہوں نہ صرف یہ بلکہ زندگی کے درجہ پر بھی خواہ
وہ نباتات و حیوانات ہوں یا انسان، سب اس حرکت کے جال میں گرفتار ہیں۔ لیکن حرکت
یا قوت، بذاتِ خود کائنات کی اصلی حقیقت نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ قوت

Marfat.com

ہر آن تغیر پذیر ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہو وہ حادث ہوتی ہے دوسرے، قوت بذاتِ خود ادنےٰ
حالتوں سے اعلیٰ حالتوں یعنی مادی سے شعوری اقدار کی طرف بغیر سوچ سمجھ کے خود بخود نہیں بڑھ
سکتی یہ جبھی ممکن ہے کہ اس کے پیچھے یعنی اس قوت یا حرکت کے اندر کوئی منفرد ذہن یا شعور مخفی
ہو جو کسی مقصد کے حصول کی خاطر اس قوت و حرکت کو کام میں لا رہا ہو۔ اس مشکل کے پیشِ نظر حکمائے
متحرک قوت کے پسِ پردہ خالق کے لئے ساکن قوت کی اصطلاح وضع کی ہے جس کو حقیقت کائنات
تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنی کائنات یا موجودات کے اندر جو قوت کام کر رہی ہے وہ ساکن قوت سے
پیدا ہوتی ہے بظاہر یہ نقطۂ نظر صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ قوت، متحرک ہونے کی وجہ سے حادث
ہے لہٰذا خالق کائنات کو ساکن قوت ہی کہا جا سکتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ساکن
قوت ہو یا متحرک ہر دو کی حقیقت محض ثانوی ہے نہ تو ساکن قوت شعور مطلق کی جگہ لے سکتی ہے
اور نہ ہی متحرک قوت کائنات کی تشریح کر سکتی ہے کائنات کی بوقلمونیاں اور پھر زندگی میں حسن و
محبت کی سحر آفرینیاں بتاتی ہیں کہ یہ محض متحرک قوت ہی نہیں بلکہ اس متحرک قوت کی حرکت یا لہروں
پر وہ صفات سوار ہوتی ہیں جو ستاروں میں چمک، رعد میں کڑک، ندی نالوں میں شور، پھولوں
میں رنگ و بو، ساز میں سوز، اور زندگی میں کشش پیدا کرتی ہیں اور پھر انسان میں اس قسم کی تمام
صفات نہ صرف ایک نیا جنم لیتی ہیں، بلکہ اس کو یقین، محبت، خودداری اور انا جیسی صفات
سے متصف بھی کرتی ہیں لہٰذا ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ کائنات کی حقیقت محض ساکن قوت ہی
نہیں بلکہ اس میں شعور کی وہ تمام صفات بھی پائی جاتی ہیں جن کا عکس انسان کے اندر اس کی انا،
ارادہ اور خودداری کے علاوہ محبت و کشش کی ان گنت دوسری صفات میں پایا جاتا ہے لہٰذا
متحرک قوت، جس کی حرکت کے اندر کائناتِ رنگ و بو تشکیل پا رہی ہے وہ اپنا جداگانہ وجود
نہیں رکھتی بلکہ اس کا وجود شعورِ مطلق کے اس جذبہ محبت سے پیدا ہوتا ہے جو بالقوہ خالق کے
اندر اپنی تخلیق کو ظہور میں لانے کے لئے متحرک بنتا ہے دوسرے لفظوں میں قوت ایک تخلیقی داعیہ
ہے جو خالق کی قوتِ ارادی سے پیدا ہوتی ہے اور پھر خالق کی صفاتِ جلال و جمال کو اپنے اندر لئے

Marfat.com

ہوئے حرکت کے ذریعے خالق کے آئیڈیل کو باطن سے ظاہر میں لانے کا سبب بنتی ہے اس عمل کو عملِ تخلیق بھی کہتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے عملِ تخلیق کسی چیز کو باطن سے ظاہر میں لانے کا نام ہے اور یہ ایک شعوری فعل ہے۔ شعورِ مطلق اپنی ذات میں یکتا ہونے کی وجہ سے اپنے ہی جلال و جمال کا ادراک کرتا ہے اور پھر اس سے اپنے آئیڈیل یا تصور کو جنم دیتا ہے اس تصور پر جب تک عمل نہیں ہوتا۔ باطن میں رہتا ہے اس کو تخلیقی جامہ پہنانے کے لئے خالق کی محبت ایک زبردست قوتِ ارادی میں بدل جاتی ہے جسے قوتِ عمل بھی کہا جا سکتا ہے گویا کہ وہ تصوّر جو پہلے محض سکون کی حالت میں خوابیدہ تھا اب خالق کی قوتِ ارادی کے ساتھ حرکت میں آجاتا ہے قوت میں حرکت کا باعث میکینکی نہیں بلکہ شعوری یا ارادی ہوتا ہے اس حرکت کے اندر خالق کے وہ تمام صفات و کمالات سوار ہوتے ہیں جو اس کے تصوّر کے اندر موجود تھے اور جو حرکت میں خالق کے شعور کے ساتھ ظہور پذیر ہو رہے ہیں لہٰذا حرکت اس نمونہ پر ڈھلتی ہے جس پر شعورِ مطلق اپنی محبت کی تخلیق کرنا چاہتا ہے اس طرح خالق اپنے تصوّر کو اپنے صفات و کمالات کے ساتھ آبیاری کرتا ہوا باطن سے ظاہر میں تشکیل کرتا ہے اس کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ خالق کا تصوّر، خالق کی قوتِ ارادی میں ڈھل کر خالق کی زندگی سے زندگی پاتا ہے۔ قوتِ ارادی گویا آنول نالی کی طرح ہے جس کی حرکت پر خالق اپنے کمالات و اوصاف کو سوار کر کے اپنے تصوّر کی پرورش کرتا ہے اور اس طرح اپنی ذات سے اپنے تصوّر کی ذات اور اپنی روح سے اپنے تصوّر کی روح پیدا کرتا ہوا اس کو پروان چڑھاتا ہے۔

حرکت کی حقیقت پر غور کیا جائے تو وہ اخفا یعنی باطن سے اٹھتی ہے اور پھر اخفا کی طرف لوٹ جاتی ہے گھڑی کی ٹک ٹک کی طرح حرکت کی ہر نئی ضرب کے ساتھ تخلیق ہر لحظہ پروان چڑھتی

Marfat.com

رہتی ہے۔ کائنات میں جو لگاتار حرکت جاری ہے وہ تخلیقی عمل کو ظاہر کرتی ہے لہذا جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کائنات کے اندر حرکت کا وجود مکینکی قوت سے نہیں بلکہ شعوری قوت سے ہے جو شعورِ مطلق کے ارادہ کے اندر تخلیقی رَو یا قوت کے طور پر ابھرتی ہے جس کا سبب تخلیق کے لئے خالق کی زبردست محبت و کشش ہوتا ہے اور یہ کرنٹ ایک ہی ذات میں اپنی ذات کے صفات و کمالات کے اظہار یا مشاہدہ کے لئے پیدا ہوتی ہے اس تخلیقی قوت یا کرنٹ کے پیدا ہونے کی ایک نہایت بھدی مثال انسان کے نر اور مادہ کی باہمی کشش میں مل سکتی ہے تخلیق کے اندر نر اور مادہ ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں لیکن اِن کا مصنوعی طور پر دو حصوں میں بٹ جانا تخلیق کے اندر اس روحانی محبت کی نشاندہی کرتا ہے سچ تو یہ ہے کہ نر اور مادہ کی مصنوعی تقسیم زندگی کے ہر مرحلہ تخلیق پر نظر آتی ہے ہم اس کا ذکر، قدرے تفصیل کے ساتھ اگلے صفحات میں کریں گے۔ اس سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ دوسری صفات کی طرح قوت، شعور سے الگ نہیں۔ شعورِ عالم کل یعنی علیم و خبیر ہے اور علم بذات خود ایک زبردست قوت اور آزادی کا کرشمہ ہے لہذا قوت، شعور کا ایک لازمی جوہر ہے جو خالق کی قوتِ ارادی کے ساتھ ایک زبردست کشش میں ظہور کرتی ہے اس کی حرکت خالق کی مرضی کے مطابق شروع ہوتی ہے اور ہر حرکت کے ساتھ خالق کا محبوب تصور باطن سے ظاہر میں آتا رہتا ہے گویا قوت کی ہر حرکت، شعورِ مطلق کے ارادہ کی حرکت ہے۔ جو شعورِ مطلق کے ارادہ کی طرح زندہ ہے اور اس کے آئیڈیل کے لئے زندگی بنتی ہے جو تخلیق ہوتا ہے اس میں بھی خالق کی صفات، شعوری رنگ اختیار کرتی ہیں اور اپنی شعوری اقدار کے مطابق خالق کی تلاش کرتی ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ کائنات کے اندر مختلف انداز اور صورتوں میں قوت و عمل کی جو سرگرمیاں ہیں وہ شعورِ مطلق ہی سے عبارت ہیں۔ البتہ تخلیق کے اندر جس حد تک کہ تخلیق، خالق کائنات کا احساس رکھتی ہے اور جسے نباتاتی، حیوانی اور انسانی مراحل تخلیق میں زندگی کہا جاتا ہے

Marfat.com

اس حد تک خالق کی محبت میں اپنی سطح پر تخلیق کرتی ہے اور اس کے لئے قوتِ عمل کو کام میں لاتی ہے گویا کائنات کے اندر حرکت دوطرفہ ہے ایک تو خالق کائنات، کائنات کی تشکیل کے لئے عمل کرتا ہے اور دوسری طرف کائنات جس حد تک کہ وہ خالق کا شعور رکھتی ہے وہ زندہ ہوتی ہے اور زندگی یا شعور کا وصف ہے کہ وہ جہاں بھی ہو اور جس تخلیقی مرحلہ میں بھی ہو خود بھی خالق سے محبت اور اس کے تصور میں تخلیق کرتی ہے

مندرجہ بالا سطور کی روشنی میں یہ عیاں ہے کہ تخلیق کی زندگی کا محور اس کا خالق ہوتا ہے کیونکہ خالق کے علاوہ تخلیق کا وجود ممکن نہیں، لہذا جب ہم کہتے ہیں کہ تخلیق اپنی سطح پر تخلیق کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تخلیق کے اندر خالق کی فطری طور پر زبردست محبت ہوتی ہے اور جیسے جیسے تخلیق پروان چڑھتی ہے اور اس میں خالق کی پہچان بڑھتی جاتی ہے۔ یعنی اسے خالق کی صفات سے آگہی ہوتی جاتی ہے ویسے ہی وہ ان صفات کو اپنے اندر بھی زیادہ سے زیادہ منعکس کرنے کی کوشش کرتی ہے یہاں ایک اہم نقطہ کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ کائنات کی تخلیق اگرچہ ایک مقصد کے تحت جاری ہے لیکن یہ تخلیق مختلف مراحل میں ہوئی ہے لہذا ابتدائی مراحل میں مثلاً مادی اور نباتی مراحل میں جب کہ زندگی شعوری لحاظ سے خالق کے اتنا قریب نہ تھی، تخلیق کی خالق کے عملِ تخلیق کی بجاآوری، اس کی خالق سے محبت اور لگاؤ کی ایک فطری دلیل ہے محبت، تخلیقی عمل کی پہلی شرط ہے جو ابتدائی مراحل میں بھی تخلیق کے اندر خالق کے لئے فطری طور پر موجود تھی لہذا نورانی مرحلہ تخلیق میں جبکہ شعوری لحاظ سے زندگی نہایت ابتدائی حالت میں تھی اس کا بے چون و چرا خالق کے منشا اور مقصد کے مطابق مختلف مادی تنظیمات میں ڈھل ڈھل کر بالآخر اپنے اندر ایسے قواعد وضوابط کو جنہیں ہم طبعی قوانین کے نام سے جانتے ہیں، تلاش کرنا تخلیق کی خالق سے فطری کشش کو ظاہر کرتا ہے زندگی کی ابتدائی حالتوں میں اس کا خالق کے تخلیقی عمل

Marfat.com

کو لاشعوری طور پر بجا لانا ہی اس کے تخلیقی جذبہ کی تسکین کا باعث تھا۔ انسانی مرحلۂ تخلیق میں جب زندگی خالق کے اور قریب آگئی تو اس کے اندر خالق کی محبت کا اظہار باقاعدہ تخلیق کی صورت اختیار کر جاتا ہے انسان کی خود شعوری اسے کائنات کے تخلیقی مظاہر سے آگاہ کرتی ہے اور یہ تخلیقی مظاہر دراصل اس کی اپنی زندگی کے ہی ارتقائی مراحل ہیں جن کے اندر وہ خالق کی قوت وصفات کا انعکاس دیکھتا ہے اور پھر ان مظاہر کو جب وہ اپنے آرٹ اور لٹریچر میں سموتا ہے تو گویا وہ خالق سے اپنے جذبۂ محبت کی تسکین کو پورا کرتا ہے نہ صرف یہ بلکہ انسان کی تمام سرگرمیاں خواہ ان کا تعلق اخلاقیات سے ہو یا تحقیق و جستجو سے، یہ سب انسانی شعور کی سرگرمیاں ہیں جس سے وہ خالق کی تلاش کے اندر اپنی تلاش کرتا ہے، اگر شعور کو انسان کے اس جذبے سے الگ کر دیں تو اس کی تمام سرگرمیاں یکسر ختم ہو جائیں گی اور انسان، حیوانی سطح پر نظر آئے گا اس طرح حیوان کی سرگرمیاں، جس حد تک کہ حیوان شعوری سطح پر تخلیق پا رہا تھا، اپنے مقصد میں خواہ وہ اس کی جبلتوں کی تسکین یا حقوں کی دریافت کیوں نہ ہو، اس کی زندگی کا حاصل یا اس کی خالق کے ساتھ محبت کے اظہار کی نشاندہی کرتی تھیں اور پھر چونکہ کائنات کا مقصد ایک ہے اور زندگی اسی مقصد کے تحت اٹھتی رہی ہے لہٰذا ابتدا تا انتہا تخلیق کے اندر اس کی شعوری زندگی کی سطح پر سرگرمیاں جاری رہی ہیں۔ خواہ مادی مرحلہ میں مادہ کی طبعی قوانین کی پابندی ہو یا پھر اس کے اوپر دوسرے مراحل میں زندگی کی دوسری اقدار ہوں، تخلیق، خالق کی فطری محبت میں ان اقدار کو حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشاں رہتی ہے گویا ایک طرف تو وہ حرکت ہے جس سے خالق، تخلیق کو پروان چڑھانے کے لئے عمل کرتا ہے اور دوسری طرف وہ حرکت ہے جو تخلیق اپنے خالق کی محبت میں اپنی شعوری سطح پر جدوجہد کرتی ہے اس طرح کائنات میں ہر حرکت خواہ وہ ہوا کا چلنا ہو یا پتے کا کھڑکھڑانا یا حیوانی اور انسانی زندگی کے محرکات، ان سب کا محرک شعور ہے خواہ اس کا سرچشمہ خالق ہو یا پھر یہ تخلیق کی اپنی جدوجہد ہو۔ تخلیق کے اندر اس کا محرک اس

Marfat.com

کی خالق سے فطری کشش ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ شعور مطلق تخلیق کیوں کرتا ہے در اصل شعور مطلق اپنی ذات میں منفرد ہونے کے علاوہ عالم کل اور ان گنت صفات کا حامل ہے ظاہر ہے محض صفات کا علم کچھ معنی نہیں رکھتا بلکہ جیسا کہ صفات کے معنی سے عیاں ہے صفات بذاتِ خود ایک کشش اور لگاؤ کو ظاہر کرتی ہیں۔ شعور مطلق کے لئے ان صفات کا اظہار اس کی فطرت اور اس کی ہستی کی دلیل ہے، اگر شعور مطلق ان صفات و کمالات کا اظہار نہ کرے تو وہ اپنی ہستی میں گم ہو کر رہ جائے لہٰذا شعور مطلق کی فطرت ہے کہ وہ اپنی صفات کا اظہار کرتا رہے یہی اظہار اس کی اپنی ہستی کی دلیل اور یہی اس کی چاہت ہے خالق اپنے آپ کو اپنے جس رنگ میں دیکھنا پسند کرے دیکھتا ہے۔ شعور اپنی ذات کے اندر ایک مرکزہ یا وحدت کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح ذات صفات کے اندر رہتی ہے اسی طرح صفات، ذات کے اندر بالقوہ موجود رہتی ہیں یعنی ہستی یا ذات اگر روح ہے تو صفات جسم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ دونوں لازم و ملزوم اور ایک کل یا وحدت میں رہتی ہیں جسے ہم محض ہستی یا ذات کا نام دیتے ہیں ہستی یا ذات خواہ خالق کی ہو یا انسان کی، وہ اپنی صفات کے ساتھ کل میں رہتے ہوئے اپنی صفات و ممکنات کا اظہار چاہتی ہے۔ اس اظہار کے اندر خالق کی اپنی ہستی کی شان و شوکت کا اظہار ہوتا رہتا ہے خالق کے اندر یہ صفات بالقوہ مخفی ہوتی ہیں اور اسے اپنے اظہار کے لئے تحریک کرتی رہتی ہیں۔ خالق خود بھی ان صفات کا اظہار چاہتا ہے گویا یہ دوطرفہ کشش تخلیق کا باعث بنتی ہے جو ایک ایسے عمل کے ذریعہ پروان چڑھتی ہے جس کو عملِ تخلیق کہا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور سے قوت و حرکت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے قوت خالق کے

Marfat.com

تخلیقی جذبہ محبت و کشش سے پیدا ہوتی ہے اور حرکت اس کا ایک فطری عمل ہے جس کے اندر تخلیق ظہور پاتی ہے ظہور میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ حرکت خود بخود بیرونی دنیا پیدا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ بیرونی دنیا باطن یا اخفا سے ظہور میں آتی ہے نہ صرف بیرونی دنیا بلکہ وقت کا آغاز بھی تخلیقی عمل کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ زمان و مکان بھی تخلیقی عمل کی پیداوار ہیں۔ تخلیق کے اندر بھی مختلف تخلیقی مراحل پر تخلیق باطن یا اخفا سے ظہور میں آتی ہے خواہ وہ بیج کا پھوٹنا ہو یا جرثومہ کا پرورش پانا یا پھر خواہشات کا جنم ہو یا تصور کی نمود' سب اخفا سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور اخفا یا باطن کا تعلق محض شعور یا شعور کی اکائی سے ہوتا ہے شعورِ مطلق' عالمِ کل ہونے کی وجہ سے اپنے علم اور صفات کے اندر ایک لاانتہا قوت اور شان و شوکت کا حامل ہے وہ اپنے آپ کی نمود کرتا رہتا ہے نمود یا تخلیق سے پہلے، خالق کی صفاتِ جلال وجمال اخفا یا باطن میں اس کے شعور یعنی ذات کے اندر' خالق کو اپنے اظہار کے لئے تحریک کرتی رہتی ہیں اور پھر جب خالق اپنی ان صفات کو تخلیق کے اندر' اپنی قوتِ ارادی سے حرکت میں لاتا ہے تو خالق کا حسن و جمال بیرونی دنیا میں ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے یہی خالق کا تخلیق کے اندر ظہور ہے

شعورِ مطلق کو آخری حقیقت تسلیم کرنے سے ہمیں ایک بہت اہم اصول کا پتہ چلتا ہے کہ تخلیق شعور کا ایک لازمی عمل ہے اور یہ کہ شعورِ مطلق چونکہ بذاتِ خود وحدت یا کل میں رہتا ہے لہٰذا جب وہ تخلیق کرتا ہے تو اپنے آپ کو ہی اپنے اوصاف و کمالات میں ڈھونڈتا ہے گویا خالق اپنے آپ کو اپنے تصور میں طالب و مطلوب کی حیثیت میں تقسیم کر کے تلاش کرتا ہے اس اصول کی جھلک، جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں ہمیں کائنات کے اندر یعنی خود تخلیق کے مختلف تخلیقی مراحل میں بھی نمایاں نظر آتی ہے جہاں تخلیق اپنی وحدت

Marfat.com

کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے آپ کو اپنی شعوری سطح کے مطابق دو عارضی حصوں میں تقسیم کر کے خود اپنا مشاہدہ کرتی ہے چنانچہ ابتدائی مرحلۂ تخلیق ہی سے یعنی نورانی مرحلۂ تخلیق میں اگر ہم ایٹم کو دیکھیں تو وہ ایک یونٹ یا وحدت میں رہتا ہے لیکن اس وحدت کے اندر اس نے اپنے آپ کو منفی اور مثبت دو ہیجانوں میں منقسم کر رکھا ہے اس مرحلہ کی تکمیل کے بعد جب تخلیق زمین پر طبعی قوانین کے مرحلۂ تخلیق میں داخل ہوتی ہے تو پھر اس نئے مرحلہ پر بھی ایک یونٹ یا وحدت کی حیثیت سے آغاز کرتی ہے اور اس وحدت کے اندر زمین اپنے آپ کو قطبین کے دو عارضی حصوں میں تقسیم کر لیتی ہے طبعی

قوانین کی تکمیل کے بعد اگلے تخلیقی مراحل یعنی نباتات اور حیوانات کے مراحل میں ان کے منفرد اجسام وحدت میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو نر اور مادہ کی حیثیت میں تقسیم کر لیتے ہیں اور بالآخر انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان کا خود شعور ہو جانا بتاتا ہے کہ اس کا شعور کسی دوسرے شعور سے آگاہ ہو چکا ہے یعنی اس کے اندر کسی ایسے شعور کا عکس موجود ہو گیا ہے جس کی انسان کو تلاش ہے گویا انسان اپنی خودشعوری کی وحدت میں رہتے ہوئے دو حصوں میں منقسم ہے یعنی ایک اس کی اپنی ہستی اور دوسرے اس ہستی کا ادراک پیدا کرنے والی حقیقت یعنی خالق کا تصور جس کے بغیر انسانی شعور خود شعور نہیں ہو سکتا۔ گویا انسان اپنی خودشعوری کی وحدت میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو خالق اور اپنی ہستی میں منقسم کئے ہوئے ہے بہر نتیجے تخلیقی مرحلہ میں آغاز کرتے وقت شعور یا زندگی خالق کی طرح ایک وحدت یا کل میں ابھرتی ہے لیکن تخلیق چونکہ نئے مرحلہ پر خالق کی اعلیٰ صفات سے فی الفور بہرہ ور نہیں ہوتی لہذا اپنے شعوری مرحلۂ پر تخلیق، خالق کی زبردست محبت کو عارضی طور پر مطمئن کرنے کے لئے اپنے آپ کو یعنی اپنی صفات کو دو حصوں میں منقسم کر کے اپنے آپ کا مشاہدہ کرتی ہے ہم اس عمل کو حیوانی مرحلۂ تخلیق پر نر اور مادہ کی جسمانی تقسیم کے اندر اور پھر انسانی مرحلۂ تخلیق پر عورت اور مرد کی جسمانی تقسیم میں دیکھتے ہیں اس کے علاوہ انسان کے خالق سے متعلق خود شعور ہونے کی حیثیت میں اس کے ادب، آرٹ

Marfat.com

معصوری اور اخلاق کے اندر، خالقِ کائنات کی محبت اس کو روحانی طور پہ خالق اور مخلوق کے دو رشتوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ درحقیقت نر اور مادہ یا مرد اور عورت کی تقسیم کا تعلق حیوانی مرحلۂ تخلیق سے ہے انسانی مرحلۂ تخلیق میں یہ تقسیم انسان کی خود شعوری کے اندر الگ طور پہ ظاہر ہوتی ہے اور یہ تقسیم مادی نہیں بلکہ شعوری ہے یعنی انسان اپنی ذات میں خالق کے تصوّر اور خود اپنے آپ میں بٹا ہوا ہے انسان کی خود شعوری کا تقاضا، شعورِ مطلق کی تلاش ہے اور اس کے ذریعے وہ اپنی ذات کی تلاش کرتا ہے بہرحال تخلیق کے اندر اس مصنوعی تقسیم کو سمجھنے کے لئے آیئے ہم حیوانی سطح پہ زندگی کی نر اور مادہ یا عورت اور مرد کی جسمانی تقسیم پہ غور کرتے ہیں۔

Marfat.com

باب نمبر ۲:

وحدت میں حسن و محبت کی تقسیم

خالق اور تخلیق کا رشتہ حسن و محبت کا رشتہ ہے۔ کائنات کی تشکیل میں حسن و محبت کی اچھوتی داستان پوشیدہ ہے جس میں خالق خود اپنے حسن کو اپنے تصور میں چھپاتا ہے اور پھر اس کی محبت و کشش میں اس کو تخلیق کے اندر سنوارتا ہوا پروان چڑھاتا ہے جو تخلیق ہو رہا ہے وہ خالق کا ہی حسن ہے۔ اور خالق کو ہی ڈھونڈتا ہے لیکن جب تک وہ مکمل نہیں ہو جاتا یعنی وہ اپنے خالق کے حسن سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو جاتا وہ اپنے اندر خالق کے فطری جذبہ محبت کی تسکین کو عارضی طور پر اپنے آپ کو حسن و محبت کے دو مصنوعی رشتوں میں بانٹ کر پورا کرتا ہے کائنات کی تخلیق کے اندر ہمیں ہر مرحلہ پر حسن و محبت کی یہ تقسیم نظر آتی ہے جو ہمیں خالق اور تخلیق کے اندر محبت کے رشتہ کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے مثلاً حیوانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی کی حقیقت ایک ہونے کے باوجود حیوان کے نر اور مادہ میں بٹنے یا انسان کے اندر مرد و عورت کی تقسیم ہمیں عمل تخلیق کے اندر زندگی کی مادی حالتوں میں بھی اس کے اندر خالق کی روحانی محبت کی دھندلی سی جھلک پیش کرتی ہے۔

مرد ہو یا عورت ایک مکمل فردِ انسانی ہے اور وہ اپنی ذات میں منفرد اور یکتا ہے لیکن اس کے باوجود جسمانی ساخت اور صفات میں وہ اس طرح بٹا ہوا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کے بغیر ادھورا یا نامکمل ہے اگرچہ شعوری طور پر دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے لیکن ایک ہی شعوری سطح کے باوصف وہ اپنے آپ کا مشاہدہ کرنے یا اپنی محبت کی تسکین

Marfat.com

کی خاطر اپنے آپ کو اس طرح دو حصّوں میں تقسیم کر لیتا ہے کہ اس کا ہر حصّہ اپنی ذات میں مکمل اور یکتا بھی رہے اور ایک ہی حقیقت ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے جدا بھی مثلاً عورت نے وہ صفات اپنائیں جن کا تعلق حسن و جمال سے تھا اور بہادری و جوانمردی کی جلالی صفات جو مرد میں پائی جاتی ہیں ان کا محض عکس اپنے اندر رکھا یہی وجہ ہے کہ عورت چال ڈھال اور جسمانی ساخت میں حسن و جمال کا پیکر ہے اس کے لب و لہجہ میں دلکشی، آواز میں سوز، جسم میں نرمی اور نزاکت، متوازن اعضا، چہرے پہ دلکش صاف ستھرے نقوش، طبیعت میں شرم و حیا وغیرہ یہ سب صفات گویا حسن کی ترجمان ہیں اس کے برعکس مرد نے جلالی صفات اپنائی ہیں اور حسن و جمال کی صفات کا محض عکس اپنے اندر رکھا یہی وجہ ہے کہ مرد ایک طاقتور جسم رکھتا ہے جفاکشی، دلیری اور بہادری اس کے خاص جوہر ہیں اس کے علاوہ اس کی آواز و گفتار میں دبدبہ، چال ڈھال میں تیزی اور سختی، طبیعت میں بُردباری اور تحمل اس کی جلالی صفات کا پتہ دیتے ہیں جس طرح حسن و جمال کی روحانی سطح پہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں اسی طرح جسمانی ساخت میں بھی وہ ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں گویا مرد و عورت کی حقیقت ایک ہے یہ دونوں حقیقت میں ایک ہی فردِ انسانی ہیں۔ فردِ انسان سے مراد ہے کہ وہ دونوں خود شعور ہیں اور اپنی ذات سے بہرہ ور۔ مرد عورت بھی ہے اور مرد بھی۔ اسی طرح عورت مرد بھی ہے اور عورت بھی۔ لیکن صرف فرق جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے یہی ہے کہ عورت کے اندر مرد کی روحانی اور جسمانی صفات نہ ہونے کے باوجود اس کے اندر مرد کی عکسی صفات بالقوہ موجود ہیں اور اسی طرح مرد کے اندر عورت کی روحانی اور جسمانی صفات نہ ہونے کے باوجود اس کے اندر عورت کی عکسی صفات بالقوہ موجود ہیں۔ ورنہ اگر ایک کی دوسرے میں عکس صفات یا تصور موجود نہ ہوتا تو نہ مرد ہی اپنی ذات میں یکتا و مکمل فردِ انسانی رہ سکتا تھا اور نہ ہی عورت۔ ان دونوں کی ایک دوسرے سے زبردست چاہت جب ہی ممکن ہے جب کہ ایک کے اندر دوسرے کی تعریف یا کشش کا سبب

یعنی تصور بالقوہ موجود ہو۔ لیکن یہ عارضی تقسیم جو کہ مصنوعی ہے شعور یا زندگی نے محض اپنی زبردست روحانی محبت؛ جو کہ اس کو شعورِ حقیقی یعنی خالقِ کائنات سے ہٹنے کے زیر اثر پیدا شدہ خلا کو پُر کرنے اور اپنے آپ کو حیوانی سطح پر مطمئن کرنے کے لئے کی ہے ورنہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے حقیقت میں نر اور مادہ یا مرد و عورت ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں بلکہ یہ دونوں مل کر انسان یا فردِ واحد بنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب تک ان دونوں کا روحانی اور جسمانی ملاپ نہ ہو یعنی ایک مکمل فرد کے روپ میں نہ بدل جائیں۔ فردِ انسانی کی آئندہ بقا کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ روحانی اور جسمانی ملاپ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ روحانی ملاپ میں شعور اپنی دونوں جلالی اور جمالی صفات کو یکجا پاتا ہے اور اس سے جو خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے وہی حقیقی خوشی ہے البتہ یہ روحانی ملاپ بعد میں جسمانی ملاپ کے لئے جگہ بناتا ہے اور اس کا مقصد فقط یہ ہے کہ شعور یا زندگی مادی مراحلِ تخلیق میں اپنی بقا کے لئے بذریعہ لذتِ جنس ایک تسلسل قائم رکھ سکے مرد اور عورت کے جسم میں باہمی توازن یہ ظاہر کرتا ہے کہ جسم اپنے آپ کو خود نہیں ڈھالتا بلکہ یہ شعور یا روح ہے جو جسم کو اپنی محبت کے روپ میں حسن یا عشق کی تسکین کی خاطر تعمیر کرتی ہے روحانی اور جسمانی ملاپ حیوانی سطح پر بھی اسی طرح ہوتا ہے نر اور مادہ پہلے ایک دوسرے کی آواز، جسم، چال ڈھال اور پروں کی رنگت وغیرہ سے روحانی طور پہ ایک دوسرے کے لئے کشش محسوس کرتے ہیں اور بعد میں جسمانی ملاپ کی سلسلہ نسل کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورت پیش آتی ہے البتہ حیوانات میں روحانی ملاپ لاشعوری اور سطحی ہوتا ہے کیونکہ حیوان ابھی شعوری طور پہ روحانی حسن سے پوری طرح واقف نہیں تھا لہٰذا روحانی لذت سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کمی کو البتہ اس نے جسمانی ملاپ کی مادی لذت میں حاصل کیا، دراصل نر اور مادہ کی عکسی تقسیم حیوانی سطح سے تعلق رکھتی ہے یعنی انسان کے ظہور میں آنے سے پہلے جبکہ شعور اپنے خالق یعنی شعورِ مطلق کا ادراک کرنے سے عاری تھا۔

Marfat.com

اس حالت میں شعور نے اس کمی کو یعنی خالق کی محبت کی تسکین کو عارضی طور پر حاصل کرنے کی خاطر جنسی مادی تقسیم اپنے اندر پیدا کی تھی۔ جسموں کی مادی تقسیم سے اگرچہ وہ خالقِ حقیقی کی روحانی محبت کو محدود اور عارضی طور پر مطمئن کر لیتا تھا لیکن حیوانی سطح پر زیادہ مقصد آئندہ کے لئے اپنی بقا کو جاری رکھنا تھا۔

حیوانی مرحلہ تخلیق تک شعور اپنے خالق کی صفات سے آگاہ نہیں تھا لہٰذا وہ اپنے خالق کی محبت کو حیوانی سطح پر مطمئن کرنے کے لئے اپنے آپ کو حسن و جمال کے دو الگ پیکروں میں تقسیم کر لیتا تھا۔ شعور کی یہ تقسیم حیوانی سطح پر ہی موجود نہ تھی بلکہ حیوان سے پہلے تخلیقی مراحل پر بھی جبکہ شعور اپنے عشق و محبت کی نہایت ابتدائی حالتوں میں تھا، وہ ایک یونٹ یا وحدت میں ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو عشق و محبت کے دو حصوں میں بانٹ کر خالقِ کائنات کی زبردست محبت کو عارضی طور پر مطمئن کرتا رہا ہے۔ اس کی مثال ہمیں تخلیق کائنات کے آغاز ہی میں انرجی کے یونٹ کا مثبت و منفی ہیجانوں میں۔ اور پھر زمین کا قطبین کی حالتوں میں بٹنے کے اندر ملتی ہے۔ اسی طرح حیوانی مرحلہ تخلیق بھی اپنی ابتدائی حالت میں امیبا کے ایک ہی یونٹ یا نفس سے شروع ہوا۔ جو خود بخود اپنے آپ کو دو وحدتوں میں بانٹ لیتا تھا بعد میں یہ حسن و محبت یعنی نر اور مادہ کے دو الگ الگ مادی اجسام میں مستقل طور پر بٹ گیا۔ یونہی حیوان نے یہ تقسیم اپنی تمام باکمال صلاحیتوں کے ساتھ مکمل کر لی تو زندگی انسانی مرحلہ تخلیق میں داخل ہوتی ہے جہاں اس کی خود شعوری براہِ راست اسے خالق کی موجودگی کا احساس دلاتی ہے یہ پہلا موقع تھا کہ انسان کے اندر خالق کی روحانی محبت پیدا ہوتی ہے اور انسان پہلی دفعہ عشق و محبت کے اسرار و رموز سے آگاہ ہوا۔ اگر ان تخلیقی مراحل کائنات کے ارتقائی منازل کو دیکھا جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کس طرح تخلیق کے اندر خالقِ کائنات کی محبت پوشیدہ تھی۔ تخلیق کے ابتدائی مراحل میں جب کہ خالقِ کائنات کا عکس اس کے اندر پوری طرح منعکس نہیں ہوا تھا وہ

Marfat.com

خالق کی زبردست محبت کو کس طرح مصنوعی طور پر اپنے آپ کو ایک وحدت میں رکھتے ہوئے دو حصوں میں منقسم کر کے مطمئن کرتی رہی ہے جیسے جیسے تخلیق خالق سے شعوری طور پر آگاہ ہوتی گئی ویسے ہی اس کے جسمانی اور روحانی تقسیم کے طریقے بھی بدلتے گئے۔

Marfat.com

باب نمبر۴

زندگی کی اکائیاں

خالق کائنات واحد اور اپنی ذات میں یکتا ہے اسی طرح اس کی تخلیق کے اندر بھی یہ صفت قائم رہتی ہے اس کا ثبوت ہمیں کائنات کی تخلیق کے اندر ہم آہنگی اور وحدت میں ملتا ہے لہذا زندگی جہاں اور جس تخلیقی مرحلہ میں بھی ہو اکائی کی صورت میں رہتی ہے اکائی کی صورت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک تنظیم اور مقصد کے تحت کل میں رہتی ہے جو کہ ناقابل تقسیم ہوتا ہے مثلاً نورانی مرحلہ تخلیق میں ابتدائی زندگی ایٹم کے کل میں تھی اور پھر نباتی اور حیوانی مراحل میں یہ خلیہ کے کل میں نمودار ہوئی اور انسان میں یہ اس کے ذہنی وجود، اس کی خود شعوری یا اس کی شخصیت و ذات کے ابتدائی تصورِ کائنات میں ظاہر ہوئی۔ خلیہ جب اپنے آپ کو تقسیم کرتا ہے تو وہ دو الگ الگ مکمل وحدتوں میں بٹتا ہے ایسا نہیں کہ خلیہ بذاتِ خود ایک ہی جسم کو درمیان سے کاٹ کر الگ کر لیتا ہو اسی طرح ہم کسی پودے یا درخت کے ایک کل کو کاٹ کر اس کی زندگی کو آدھا آدھا نہیں کر سکتے یہی صورت حیوانی اور انسانی زندگی کی ہے نہ کسی حیوان کو کاٹ کر اس کی زندگی کو تقسیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی انسان کی ذات یا ہستی کو دو ذاتوں یا شخصیتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے گویا زندگی خواہ کسی بھی شعوری منزل میں ہو اپنی تمام صفات کے ساتھ اکائی میں رہتی ہے۔ زندگی کی حیوانی منزل پر حیوان کی نر اور مادہ یا انسان کی مرد اور عورت میں تقسیم سے اگرچہ یہ احساس ہوتا ہے کہ زندگی نے بھی ان مراحل میں اپنے آپ کو تقسیم کر لیا ہے لیکن ایسا نہیں کیونکہ زندگی بہر حال ایک وحدت ہی میں رہ سکتی ہے اور اس کی وجہ جیسا کہ ابتدا ہی میں کہا گیا ہے زندگی کے مقصد کا واحد ہونا ہے

Marfat.com

چنانچہ اگرچہ یہ درست ہے کہ انسان نے ایک فردِ واحد کی حیثیت سے اپنی جسمانی اور روحانی صفات کو مرد اور عورت میں اس طرح تقسیم کر رکھا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں لیکن زندگی چونکہ ہمیشہ وحدت میں رہتی ہے اور تقسیم قبول نہیں کرتی لہذا اس شرط کو پورا کرنے کے لئے مرد اپنے اندر عورت اور عورت اپنے اندر مرد کا بالقوہ یعنی مخفی عکس لئے ہوتا ہے اس طرح زندگی مرد اور عورت ہر دو میں ایک مکمل انسان یعنی یونٹ میں رہتی ہے اور الگ الگ بھی۔ اس مصنوعی تقسیم کا مقصد گویا انسان کا اپنی صفات جلال وجمال کا اپنے اندر ہی مشاہدہ کرنا ہے اس سے ہمیں ایک زبردست حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ خود شعوری کائنات ایک وحدت میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو اپنی تخلیق کے اندر کیوں کر مشاہدہ کرتی ہے گویا خالق اور تخلیق ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں جو الگ الگ بھی ہیں اور ایک بھی ہیں یہی صفت خالق نے تخلیق کے اندر بھی رکھی ہوئی ہے جو اپنی شعوری اقدار کے مطابق ہر مرحلۂ تخلیق میں اپنی تنہا اور یکتا حقیقت کو قائم رکھتے ہوئے اپنے آپ کو دو حصوں میں منقسم کر کے اپنے آپ کا مشاہدہ کرتی ہے لہذا ابتدائی مرحلۂ تخلیق میں زندگی ایٹم کے مثبت منفی بادلوں کے اندر ایک ہی یونٹ میں اور پھر نباتی اور حیوانی مراحل پر خلیہ کی ایک ہی وحدت میں ابتدا کرتی ہے لیکن بعد ازاں نباتی اور حیوانی مراحل پر یہ خلیات آہستہ آہستہ اپنے آپ کو نر اور مادہ کی حیثیت سے دو اجسام میں بٹ کر تشکیل کرتی رہی ہیں حتی کہ اس نے مستقل طور پر اپنے آپ کو نر اور مادہ کے اجسام میں الگ الگ کر لیا۔ کائنات کے ان تخلیقی مراحل میں ایک یونٹ اور بعد ازاں دو الگ الگ یونٹوں میں تقسیم بتاتی ہے کہ زندگی جب کسی تخلیقی مرحلہ کے آغاز میں قدم رکھتی ہے تو چونکہ وہ اس مرحلہ میں خود ہی حقیقت ہوتی ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی قیمتی چیز موجود نہیں ہوتی لہذا وہ خود ہی پورے حسن وجمال کی مالک ہوتی ہے اور اپنے آپ کا مشاہدہ چاہتی ہے لہذا جب وہ اپنا مشاہدہ چاہتی ہے تو اپنی ہی صفاتِ جلال وجمال کا اپنی ذات میں تصوّر کرتی ہے یہ تصوّر مع جملہ صفات کے جسے زندگی دیکھنا چاہتی ہے جب تک حقیقت

Marfat.com

میں نہیں بدل جاتا یعنی جب تک وہ عملی یا تخلیقی صورت میں جلوہ گر نہیں ہوتا وہ زندگی کے اندر تحریک کرتا رہتا ہے اس حقیقت کے تحت اگر ہم کائنات کی تخلیق پر غور کریں جو دراصل انسان ہی کی تعمیر ہے جس کے اندر انسان کی تکمیل کرنا مقصود ہے تو معلوم ہوگا کہ خالق انسان کے اندر خود کو منعکس کر رہا ہے یعنی ہم خود جیسے جیسے تکمیل کے مراحل طے کئے جا رہے ہیں ہمارے اندر ویسے ہی خالق اپنے آپ کو ظاہر یا منعکس کئے جا رہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی جن صفات کا مشاہدہ کرنے کا متمنی ہے اور جو اس کے اندر بالقوہ' انسان کامل کی صورت میں موجود ہیں' وہ ان کو عملِ تخلیق سے حقیقت میں بدل کر انسان میں مشاہدہ کرنا چاہتا ہے گویا مکمل انسان کا عکس خالق کے اندر موجود ہے اور انسان جیسے جیسے اس عکس کے مطابق مکمل ہوتا جا رہا ہے ویسے ہی وہ بھی خالق کے عکس کو اپنے اندر ظاہر ہوتے دیکھتا ہے اس لحاظ سے کائنات یا زندگی کی حقیقت ایک ہی ہے اور وہ خالق اور مخلوق کی حیثیت سے ایک ہی حقیقت کا اپنا مشاہدہ ہے تخلیق کے اندر زندگی کا مطلب یہ ہے کہ خالق اس کے اندر کس حد تک منعکس ہو چکا ہے خالق اور تخلیق کے اس رشتہ سے عیاں ہے کہ زندگی خالق کی طرح ایک وحدت اور ایک اکائی میں رہتی ہے خواہ وہ کسی بھی مرحلۂ تخلیق پر کیوں نہ ہو۔

مختلف تخلیقی مراحل کے باوجود مجموعی طور پر کائنات بھی ایک ہی یونٹ میں رہتی ہے اس کے مختلف تخلیقی مراحل جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے اس کی گویا پیدائش، بچپن اور جوانی کی حالتیں ہیں جس میں زندگی فردِ واحد کی زندگی کی طرح پیدائش بچپن اور جوانی کی حالتوں سے گذرتی ہوئی پختہ ہوتی چلی جاتی ہے جس طرح انسان کے بچپن کی زندگی اس کی جوانی کی زندگی سے الگ نہیں کی جا سکتی اسی طرح کائنات کے مختلف مراحل کے اندر زندگی کی حالتوں کو الگ نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان تمام مراحل میں زندگی ایک مسلسل عمل ہے جس

Marfat.com

کے اندر وہ ادنٰے شعوری حالتوں سے اعلےٰ شعوری حالتوں کی طرف بڑھتی رہی ہے چنانچہ نورانی مرحلۂ تخلیق کے اندر کروڑوں نظامہائے شمسی، اور پھر زمین کی تشکیل اور اس میں طبعی قوانین کی تکمیل زندگی کے اولین یا بنیادی مراحل تھے جہاں زندگی طبعی قوانین کے اندر اپنی تنظیم میں ظاہر ہوتی ہے پھر نباتی مرحلۂ تخلیق میں داخل ہو کر خلیہ سے ابتدا کر کے کروڑوں انواع و اقسام کے نباتات سے گذر کر بالآخر زندگی حیوانی مرحلۂ تخلیق میں قدم رکھتی ہے یہاں پر بھی یہ حیوانی خلیہ کی ایک اکائی میں ظاہر ہوتی ہے اور پھر کروڑوں انواع و اقسام کے حیوانات سے اپنا راستہ بناتی ہوئی اپنی موجودہ منزل یعنی انسانی مرحلۂ تخلیق میں داخل ہوتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر طبعی قوانین کی تخلیق تک زندگی اپنے ابتدائی مراحل میں تھی جبکہ وہ محض اپنے تنظیمی قواعد و ضوابط پر مشتمل تھی۔ پھر اس نے پہلی بار نباتی اور حیوانی مراحل تخلیق پر نیم بیداری کی حالت میں آنکھ کھولی اور اس کے بعد انسانی مرحلۂ تخلیق میں داخل ہونے پر اسے پوری بیداری نصیب ہوئی، پوری بیداری کا مطلب یہ ہے کہ اسے خالق کی جھلک نصیب ہوئی اور اس کے ساتھ ہی پہلی بار اسے حسن و عشق کی لذت کا احساس ہوا۔ زندگی کا مقصد اور زندگی بذاتِ خود خالق کی کشش کے علاوہ اور کچھ نہیں، لہٰذا اس کشش نے انسان کو خالق کی طرف براہِ راست متوجہ کیا۔ اور پھر وہ اپنی اس ادنٰے یا ابتدائی خود شعوری کے دباؤ میں حقیقت کائنات اور اپنے آپ کو اپنے تصورات میں تلاش کرنے لگا۔

جن مختلف تخلیقی مراحل میں انسان کی تعمیر ہوئی ہے ان کا ہر مرحلہ ایک ہی مقصد کے لئے تنظیم کو ظاہر کرتا ہے اور وہ انسان کی بتدریج تربیت تھی اور اس تربیت کے اندر جیسے جیسے انسان کو خالق کی صفات کا پتہ چلتا جاتا ویسے ہی وہ زندگی کی اعلےٰ اقدار کو اپنا کر اپنے خالق سے ہم شعور ہوتا جاتا۔ ان تخلیقی مراحل میں دلچسپ بات یہ ہے کہ ہر مرحلہ ماں کے پیٹ کی حیثیت سے تھا جس میں زندگی ابتدائی حالتوں سے شروع کر کے پرورش پاتی اور

Marfat.com

یونہی ایک مرحلہ میں تکمیل حاصل کرتی تو اگلے مرحلہ کے منصوبہ کے مطابق پھر ماں کے پیٹ میں داخل ہو جاتی جہاں وہ از سرِ نو اس مرحلہ کی شعوری اقدار کے مطابق ایک ناقابلِ ذکر جسم یا خلیہ سے آغاز کرتی اور پھر اس مرحلہ کی اقدار کے مطابق تکمیل کر کے اگلے مرحلہ میں پھر ایک ناقابلِ ذکر حالت میں دوسرے بطن میں داخل ہو جاتی اس تخلیقی عمل میں اہم بات یہ ہے کہ ہر نئے بطن میں داخل ہونے پر زندگی جس آنول نالی سے خوراک حاصل کرتی وہ سابقہ مرحلہ کی اقدار ہوتیں جن کو وہ اپنے نئے بطن یا نئی شعوری زندگی کی اقدار کے مطابق تجزیہ کر کے اپنے ذہن میں محفوظ کرتی جاتی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مرحلہ کی اقدار کو بھی حاصل کر کے اپنی شعوری زندگی کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرتی رہتی۔ گویا سابقہ مرحلہ کی اقدار کے خوراک بننے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کا نئے مرحلہ پر اپنی سابقہ شعوری اقدار سے غیر شعوری طور پر تعلق قائم کر کے اپنی حقیقت کو معلوم کرتے رہنا۔ اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ زندگی اگرچہ مختلف مراحل کے اندر پروان چڑھتی ہے تاہم چونکہ اس کی حقیقت اور مقصد ایک ہے لہٰذا وہ اپنے سابقہ مراحل سے کٹ نہیں سکتی۔ اس طرح ایک بطن سے دوسرے بطن اور پیدائش در پیدائش کی حالتوں سے گذر کر زندگی بالآخر انسانی مرحلہ تخلیق میں داخل ہوتی ہے جہاں وہ اس وقت پھر ماں کے پیٹ کی طرح اس مرحلہ میں اپنی تکمیل حاصل کر رہی ہے اس انسانی مرحلہ پر زندگی کی خوراک یہ ہے کہ وہ کائنات کے تمام سابقہ تخلیقی مراحل کی مجموعی اقدار سے تعلق قائم کرے انسان اپنی خود شعوری کے نئے بطن میں، زندگی کی نئی روشنی یا روح جو اس کے اندر خالق کے ظاہر ہونے سے پیدا ہوئی ہے، کے تحت کائنات کی مجموعی حقیقت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ انسان نے اپنی خود شعوری کے موجودہ بطن میں یونہی اپنی حقیقت کو پہچان لیا یا اسے اپنے خالق کی وہ تمام صفات حاصل ہو گئیں جو اس مرحلہ کے لئے ضروری ہیں تو انسان کے اندر خالق کا انعکاس اپنی تکمیل حاصل کرے گا اور اس کے ساتھ ہی انسان اس کائنات کی مادی حالتوں سے نکل کر براہ راست اپنے خالق کی طرف

Marfat.com

بڑھے گا اس کی ذہنی یا شعوری زندگی جس کی وہ اس مادی کائنات میں تکمیل حاصل کر رہا ہے اس کو وہاں خالق کی طرف براہِ راست بڑھنے کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے گی۔

Marfat.com

باب نمبر ۵

تخلیقی مراحل

کائنات کا وجود ایک کل کی حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کی تخلیق میں کوئی خلا نہیں۔ اس کے اندر جو قوانین کام کر رہے ہیں وہ ایک دوسرے سے زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایسے بندھے ہوئے ہیں کہ گویا ان کا سرچشمہ بھی ایک ہی ہے انسان انہیں قوانین کو اخذ کر کے جب کائنات پر ان کا اطلاق کرتا ہے تو اسے ان کے عین مطابق پاتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان کبھی بھی کائنات کی حقیقت اور اشیائ کا ادراک نہ کر سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی تعمیر میں انسانی شعور کی طرح کوئی شعور کارفرما ہے جو اپنی ذات میں یکتا اور واحد ہے اگر کائنات کا خالق واحد نہ ہوتا تو ہم کائنات کے اندر یکسانیت کی بجائے متضاد قوانین کو برسرپیکار پاتے۔

کائنات کا خالق شعور ہے اور شعور کی فطرت ہے کہ وہ تخلیق کرتا ہے شعور تخلیق کیوں کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہم پچھلے صفحات میں بوضاحت دے چکے ہیں تاہم مجمل طور پر تخلیق کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ تخلیق شعور یا ہستی کا اپنی ذات وصفات کے اندر اپنا ظہور ہے اور یہ شعور کا فطری عمل ہے دراصل شعور ہمیشہ اپنی ذات وصفات کے ساتھ ایک یونٹ یا وحدت یعنی کل کی حیثیت میں رہتا ہے شعور کی اپنی ذات یا ہستی لاثانی ہوتی ہے اس کے علاوہ کائنات کے اندر یا باہر کسی اور چیز کا وجود ممکن نہیں لہذا شعور جب تخلیق کرتا ہے تو وہ اپنے ہی تصور جلال وجمال کو حقیقت کا لباس پہناتا ہے اس طرح اپنی ذات میں

Marfat.com

مکمل و یکتا ہونے کے باوجود خالق اپنے آپ کو خالق اور مخلوق کے دو ایسے رشتوں میں بانٹ لیتا ہے جس میں دونوں ایک دوسرے کے متلاشی رہتے ہیں۔ خالق اپنی مخلوق میں اپنے تصورِ حسن و جمال کو جس کا خاکہ خالق کے شعور میں پوشیدہ ہوتا ہے اپنی قوتِ ارادہ سے حقیقت میں بدل کر اپنی صفات اور ممکنات کا اظہار اور مشاہدہ کرتا ہے دوسری طرف مخلوق یعنی خالق کا تصورِ حسن و جمال خالق سے الگ ہونے کے باوجود خالق کی فطری محبت اپنے اندر رکھتا ہے اور اس کے مشاہدہ کے لئے خالق کی ان صفات کو جن کو خالق اپنی تخلیق کے اندر دیکھنا چاہتا ہے زیادہ سے زیادہ اپنے اندر منعکس کر کے اپنی تکمیل کا جلد سے جلد خواہاں ہوتا ہے مخلوق کی زندگی بھی خالق سے ہوتی ہے اور اس کی حقیقی خوشی اور محبت کا محور بھی خالق ہی ہوتا ہے خالق کے علاوہ نہ تو اس کا وجود کوئی حقیقت رکھتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی دوسرا مقصد ہوتا ہے جس سے محبت کر سکے۔ لہذا تخلیق کے اندر خالق کے لئے یہ زبردست فطری محبت ایک ایسا عطیہ ہے جو خود بخود اور چار و ناچار تخلیق کو خالق کی سمت لے جاتا ہے گویا تخلیق کے اندر خالق کی قدرتی محبت ہی ایک ایسی زبردست راہنمائی ہے کہ تخلیق صحیح سمت سے نہیں بھٹک سکتی اور اگر بھٹک بھی جائے تو اس کے اندر خالق کی محبت اپنا غلط استعمال دیکھ کر تخلیق کو اپنی بقا کے لئے مجبور کرتی ہے کہ وہ صحیح سمت کی طرف بڑھنے کے لئے واپس لوٹے۔ اگر تخلیق اپنی بے راہ روی یا محبت کے غلط استعمال سے اتنی دور نکل جائے کہ اس کے اندر خالق کا عکس دھندلا پڑ جائے اور اس کے ساتھ ہی خالق کی محبت گم ہو جانے سے وہ دوبارہ سیدھی راہ پر نہ آ سکتی ہو تو خالق اپنے عمل تخلیق سے اس کی جگہ نئی تخلیق کو لے آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تخلیق کی زندگی بھی خالق اور اس کا مقصد بھی خالق ہوتا ہے تخلیق، اپنے تخلیقی مرحلہ کے مطابق، خالق کا ادراک بالقوہ اپنے اندر لئے ہوتی ہے کائنات کے اندر خالق کی یہی محبت ہے جس کو ہم زندگی کا نام دیتے ہیں اور جو اس کے اندر ایک کرنٹ کی طرح ہر وقت موجزن رہتی ہے اور اسے حرکت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

Marfat.com

پیشتر اس کے کہ ہم آگے بڑھیں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم کائنات کا ایک تخلیق کی حیثیت سے مفہوم واضح طور پہ سمجھ لیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے باوجود اپنی تمام بوقلمونیوں کے کائنات کا وجود ایک کل کی حیثیت میں ہے یعنی اس کی تخلیق کے اندر کوئی خلا نہیں دوسرے کائنات کی تخلیق ایک ہی مقصد کے اندر الگ الگ تخلیقی مراحل میں ہوئی ہے اور یہ تخلیقی مراحل نیچے سے اوپر یعنی ادنیٰ شعوری حالتوں سے اعلےٰ شعوری حالتوں کی طرف بڑھتے ہوئے انسانی مرحلہ تخلیق میں پہنچ جاتے ہیں جہاں شعور اپنی تکمیل کے آخری مراحل طے کر رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات دراصل انسان ہی کی تعمیر ہے لہذا کائنات کی تعمیر میں جتنے اوصاف پائے جاتے ہیں وہ انسان ہی کے اوصاف ہیں خالق کے ذہن میں انسان ہی کی تعمیر مقصود تھی اور یہی اس کی محبت کا آئیڈیل تھا دوسری طرف یہ تمام اوصاف خالق ہی کے اوصاف تھے جن کو وہ انسان کی تخلیق اور پھر انسان کے مکمل ہونے پر انسان کے آئینہ میں دیکھنے کا خواہش مند ہے لہذا جب ہم کائنات کا ذکر کریں گے یا اس کے مختلف مراحل کی تشکیل کا ذکر کریں گے تو اس سے مراد انسان اور اس کے مختلف مراحل میں تخلیق ہے یعنی پوری کائنات انسان ہی کا وجود ہے جس کی اس کے مختلف مراحل میں تعمیر ہوتی رہی ہے اسی طرح جب ہم کائنات کے مختلف مراحل میں شعور یا زندگی کا ذکر کریں گے تو اس سے مراد انسان ہی کی زندگی کی ابتدائی حالتیں ہیں جو ابتدائے کائنات سے جوں جوں اس کی تشکیل ہوتی گئی ایک فرد انسان کی زندگی کی طرح ہے جو ایک ہی وحدت میں رہتے ہوئے انسان کی پیدائش، بچپن اور جوانی کی زندگی کی طرح، کم شعوری حالتوں سے اعلےٰ شعوری حالتوں کی طرف بڑھتی ہے اسی طرح کائنات باوجود مختلف تخلیقی مراحل کے ایک ہی وجود ہے اور ایک ہی زندگی ہے جو فرد واحد کی طرح بغیر کسی خلا کے ایک ہی عرصہ رکھتی ہے اور جو موجودہ انسانی مرحلہ تخلیق میں اس قدر باشعور ہو چکی ہے کہ اس کے اندر خالق کا دھندلا سا عکس پیدا ہو گیا ہے لہذا اپنے خالق کی آگہی سے انسان کی زندگی جو مختلف مراحل میں پروان چڑھ رہی تھی پہلی دفعہ باشعور ہو گئی۔

Marfat.com

مندرجہ بالا تشریح کے بعد آیئے اب ہم ان مراحل کا ذکر کریں جن میں سے کائنات یعنی انسان کی تخلیق گذری ہے اس مقصد کے لئے ہم کائنات کو مندرجہ ذیل پانچ بڑے تخلیقی مراحل میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱ نورانی مرحلہ تخلیق

انسان کا یہ اولین تخلیقی مرحلہ جس سے زندگی کا آغاز ہوتا ہے نورانی شعاعوں، جنہیں کاسمک شعاعیں بھی کہا جاتا ہے سے لے کر نظام ہائے شمسی کی تکمیل تک پھیلا ہوا ہے اس مرحلہ تخلیق کا آغاز خالق کے تخلیقی ارادہ محبت کی زبردست روحانی قوت سے ہوتا ہے یہ قوت نورانی شعاعوں کی زبردست حرکت کے اندر، باطن سے ظہور پاتی ہے یا بیرونی دنیا پیدا کرتی ہے شعاع نور کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ رفتار گویا اس بیرونی دنیا یا کائنات کی حدود کو مقرر کرتی ہے کم سے کم رفتار ایٹم کے ذرہ کو متعین کرتی ہے جس سے نیچے وہ قابل تقسیم نہیں یعنی اگر اس کو اور تقسیم کیا جائے تو وہ مادی حالت کو چھوڑ دے گا اور اس طرح اگر وہ شعاع نور کی زیادہ سے زیادہ متعین رفتار جو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے، سے آگے بڑھے گا تو بھی وہ مادی حالت کو چھوڑ دے گا۔ گویا دوسرے الفاظ میں کائنات اپنی مادی حالت میں حرکت کی انہیں حدود کے اندر رہ کر تخلیق پاتی ہے شعاع نور کے اندر اصلی حقیقت زندگی ہے اور حرکت اس کا عمل ہے دوسرے لفظوں میں حرکت، شعور یا زندگی کا اظہار ہے جس سے شعور بیرونی دنیا پیدا کرتا ہے، حرکت خواہ شعور مطلق یعنی خالق کی طرف سے ہو اور خواہ تخلیق یعنی زندگی کی طرف سے، شعور یا زندگی کی باطنی دنیا کے لئے بیرونی دنیا پیدا کرتی ہے گویا حرکت، شعور یا زندگی کا عمل تخلیق ہے اور چونکہ شعور ہو یا زندگی وہ ہمیشہ تخلیق کرتی ہے لہذا حرکت یا عمل شعور کا فطری فعل ہے جس کے اندر وہ اپنی نمود کرتا ہے قوت یا حرکت کی ہم پہلے ہی یہ تعریف کر چکے ہیں کہ قوت اور اس کی حرکت

Marfat.com

شعوری عمل ہے اور یہ حرکت اخفا سے ظہور میں آنے کا نام ہے گویا حرکت مکینکی یا بے مقصد نہیں بلکہ حرکت مقصدِ تخلیق کے مطابق ہوتی ہے اور مقصد شعور ہی کا ہوتا ہے لہٰذا جس کو ہم قوت کہتے ہیں وہ خالق کی قوتِ ارادی ہے جس کا ظہور مادی شکل میں مثبت، منفی ہیجانوں میں ہوتا ہے یہ ظہور یا یہ مادی قوت، تخلیق کی ابتدائی زندگی ہے ظاہر ہے کہ یہ ابتدائی زندگی شعوری طور پر نہایت ہی ادنٰی حالت میں ہوگی اور اسی لحاظ سے اپنے مقصد سے بھی دور ہوگی یعنی اس کی لاشعور زندگی کا اس پر سخت دباؤ ہوگا اس دباؤ کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے یہ دباؤ گویا اس نئی زندگی کی زبردست تڑپ تھی جو ہمیں ابتدائے کائنات میں ایک اندھا، دھند قوت میں نظر آتی ہے۔ گویا زندگی کا یہ ادنٰی شعور جو تخلیق کے اندر ظاہر ہوتا ہے وہ اگرچہ فقط اتنا تھا کہ وہ کسی عظیم حقیقت سے علیحدہ ہو چکی ہے یا اس کی کوئی عظیم چیز کھوئی ہوئی ہے جس کی اس کو تلاش ہے لیکن یہ احساس جو زندگی کی پہلی کرن ہے ایک شدید قوت سے کائنات میں ابھرتا ہے زندگی کے اپنے آپ کو مکمل کرنے کی یہی لاشعوری تڑپ ہے جو اس کے اندر زبردست حرکت پیدا کرتی ہے یا دوسرے لفظوں میں زندگی کی اس پہلی کرن کے پیچھے شعورِ مطلق کی قوتِ ارادی ہوتی ہے جو شدت سے اپنا اظہار پانا چاہتی ہے بہرحال یہ دوطرفہ شعوری حرکت ہے اور اس کا باعث بھی دوطرفہ کشش ہی تھا۔

شعاعِ نور کے اندر شعوری حرکت، ذرات کی مادی شکل یا علامت میں ابھرتی ہے اور پھر تخلیق کے پردہ پر ظاہر ہوتے ہی ان ذرات کے اندر اپنے اصل سے الگ ہونے کا ایک زبردست احساس پیدا ہوتا ہے یہ احساس ایک خلا کی شدت اختیار کر لیتا ہے تاہم ظہور میں آتے ہی زندگی چونکہ خود ہی حقیقت تھی، اس کے علاوہ کسی اور چیز کا وجود نہ تھا، لہٰذا اس نے اپنے خالق کی محبت کے اس فطری خلا کو پُر کرنے کے لئے اپنے آپ کو

Marfat.com

شعاعِ نور کے اندر، حسن و محبت کی مثبت و منفی ہیجانوں میں تقسیم کر کے، خالق کی محبت کو عارضی طور پر مطمئن کر لیا۔ ابتدائی مرحلۂ تخلیق میں زندگی کی ابتدائی اقدار کا اپنی سطح پر حسن و محبت کی صورت میں یہ پہلا اظہار تھا جو ایٹم کی تنظیم کے اندر نمودار ہوا۔ ایٹم کے مثبت اور منفی ہیجانوں پر مشتمل زندگی کی یہ اقدار مزید تنظیمی حالتوں سے گذر کر گیس کے نیولوں کی صورت اختیار کرتی ہیں، جو بعد ازاں اپنے اندرونی جذب و کشش کی وجہ سے بٹ بٹ کر سورج، سیاروں یعنی نظامہائے شمسی کی تنظیم میں ظاہر ہوتی ہیں نظامہائے شمسی بنتے اور بگڑتے رہے اور اس دوران زندگی کی یہ اقدار اپنے آپ کو مختلف ایٹموں، یا سالمات کے اندر تشکیل کرتی رہیں حتیٰ کہ نظامہائے شمسی کی تکمیل پر زندگی نے اپنے آپ کو کائنات کے بنیادی سالمات میں منتظم کر لیا اور اس کے ساتھ ہی نورانی مرحلہ یعنی تخلیق کا پہلا دور اپنی تکمیل کو پہنچا ہے اور زندگی کے دوسرے تخلیقی مرحلہ کا آغاز زمین پر شروع ہوتا ہے نظامہائے شمسی کے اندر زندگی کے سالمات میں تکمیل حاصل کر لینے پر اب نورانی مرحلہ تخلیق میں نیولوں، کہکشاؤں اور نظامہائے شمسی کے علاوہ مزید انواعِ تنظیم کا سلسلہ بند ہو گیا۔ فلکی اجسام جو حال ہی میں دریافت ہوئے ہیں مثلاً کوسارز جو ہماری کہکشاں سے بھی زیادہ انرجی رکھتے ہیں اور نیوٹران تارے جو انتہائی ٹھوس جسم رکھتے ہیں اور جنہیں پلسارز بھی کہا جاتا ہے، ان کا تعلق نظامہائے شمسی کی تشکیل ہی سے تھا جو دوسرے مراحلِ تخلیق کی طرح مٹتے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں انسان جن کو نئی دریافتیں کہہ رہا ہے دراصل نئی نہیں ہیں بلکہ انسان کو ان کا علم اب ہو رہا ہے بہرکیف نورانی مرحلۂ تخلیق پر ان فلکی اجسام کا واحد مقصد زندگی کا سالمات کی تنظیم کے اندر تکمیل حاصل کرنا تھا۔ سالمات کی تکمیل پر نورانی مرحلۂ تخلیق اپنے اختتام کو پہنچا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس مرحلۂ پر مزید انواع یا فلکی اجسام کی تخلیق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ خالق کی توجہ اب نئے مرحلۂ تخلیق پر اپنے کمالات کے اندر زندگی کو مزید سنوارنے کی طرف لگ جاتی ہے۔

Marfat.com

نظامہائے شمسی کے اندر زندگی کے سالمات

۲- زمین یا طبعی قوانین کا مرحلہ تخلیق

میں تنظیمی تکمیل کے بعد تخلیق دوسری منزل پر قدم رکھتی ہے زندگی کا یہ دوسرا مرحلہ زمین کی تشکیل اور اس کے اندر طبعی قوانین کی تکمیل ہے زمین سورج سے الگ ہونے کے بعد مدت تک ایک سیال گیس کی حالت میں سورج کے گرد چکر لگاتی رہی اور اس اثنار میں اس کے اندر بڑے پیمانے پر توڑ پھوڑ اور تغیر و تبدل ہوتے رہے جس کے نتیجہ میں اس نے اپنے آپ کو قطبین میں تقسیم کر لیا۔ مادہ کا گیسی حالتوں میں ٹھنڈا ہونے اور پھر زمین پر پہاڑ، دریا، وادیوں اور سمندروں کی تشکیل کے ساتھ ساتھ اس کے اندر طبعی قوانین کی تکمیل ہوتی رہی۔ یہ قوانین اس طرح علت و معلول میں جکڑے ہوئے ہیں کہ ہم ان کو ریاضی میں ڈھال کر ان سے زمین کی ساخت اور تہ تک معلوم کر سکتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ان سے سابقہ نورانی مرحلہ تخلیق کے اندر نظامہائے شمسی کی تشکیل اور اس کے اندر مادی سالمات کی تنظیم کا پتہ بھی لگا سکتے ہیں طبعی قوانین کا ریاضی کے ذریعے انسانی شعور میں منتقل ہونا بتاتا ہے کہ طبعی قوانین زندگی یا شعور کی اولین صفات کا اظہار کرتے ہیں جنہیں زندگی نے زمین کی تشکیل کے دوران حاصل کیا۔ زمین پر طبعی قوانین کے مکمل ہونے پر سالمات ایک نئی تنظیم یعنی معدنیات پانی، ہوا وغیرہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ زمین، معدنیات اور فضا کی تنظیم کے اندر جو قوانین کارفرما ہیں یہ وہی قوانین ہیں جن کو ہم طبعی قوانین کے نام سے جانتے ہیں گویا نورانی مرحلہ تخلیق میں کائنات کے اندر پھیلے ہوئے بڑے بڑے اجسام اور نظامہائے شمسی کی تنظیم کا مقصد زمین پر ان طبعی قوانین کی تکمیل حاصل کرنا تھا۔

زندگی کا آغاز اگرچہ نورانی شعاعوں سے ہوتا ہے لیکن زمین پر طبعی قوانین کی تکمیل گویا زندگی کی پہلی مکمل بنیادی تنظیم تھی۔ جس پر زندگی کی نئی اقدار اٹھتی ہیں اس تنظیم کو ہم زندگی کے بنیادی

Marfat.com

قواعد و ضوابط بھی کہہ سکتے ہیں جو آگے چل کر زندگی کے اندر نکھار اور حسن پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ان کی جھلک ہمیں قلماؤ کی صورت میں سالمات کے خوبصورت اشکال میں بٹ جانے میں ملتی ہے یا پھر مظاہر فطرت میں مثلاً پہاڑ، خوبصورت وادیوں، متوازن اور ہموار بلندیوں اور پستیوں، سمندروں کی حرکت، دریاؤں کی خاموش روانی، ندی نالوں کے بہاؤ کے شور، بارش سے لدے ہوئے بادلوں کے جھرمٹ اور اُن کے اندر چھپی ہوئی رعد کی کڑک، موسموں کے تغیر و تبدل اور افق پر طلوعِ آفتاب کی روپہلی کرنوں اور شام کی شفق کے دلفریب نظاروں میں۔ یہ سب مظاہر فطرت، جنہیں ہم فطرت کے نقوش کہتے ہیں انہیں قواعد و ضوابط سے مدّون ہوتے ہیں۔ فطرت کے ان نقوش کے اندر جو دلکش توازن، ہم آہنگی اور نظم دیکھنے میں آتا ہے یہ سب انہیں قوانین کا مرتب دیا ہوا ہے اور انہیں قوانین نے زمین اور فضا کو سنوار کر دلکش بنا دیا ہے گویا طبعی قوانین ایک طرف تو ریاضیاتی یعنی شعوری اقدار کے حامل ہیں اور دوسری طرف ان کے عمل سے زمین اور فضا کے نکھار اور تناسب کے باعث جو دلکشی پیدا ہوتی ہے وہ ان کے اندر حسن کی اقدار کو ظاہر کرتے ہیں گویا شعور محض زندگی نہیں بلکہ حسن بھی ہے جیسا کہ ہم اگلے تخلیقی مراحل میں دیکھیں گے، جیسے جیسے تخلیق مرحلہ بہ مرحلہ پروان چڑھتی ہے ویسے ہی زندگی اور حسن کی اقدار ساتھ ساتھ اٹھتی ہیں اور ہر مرحلہ پر زندگی جب اپنی شعوری اقدار کی تکمیل کر لیتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس مرحلہ کی سب تگ و دو نئے مرحلہ کی اعلےٰ شعوری اقدار کی آمد آمد کی تیاری تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ جب ہم ایک ہی مقصد کے تحت زندگی کو ان الگ الگ مراحل میں زینہ بہ زینہ اوپر اٹھتا دیکھتے ہیں تو معاً ہماری توجہ کسی ایسی خود شعور ہستی کی طرف مبذول ہو جاتی ہے جو کہ نہ صرف بذاتِ خود زندگی کا سرچشمہ ہے بلکہ سراپا حسن بھی ہے جو تخلیقِ کائنات کے اندر اپنے حسن و زندگی کی زینہ بہ زینہ نمود کر رہا ہے۔

اگرچہ طبعی قوانین کی تکمیل زمین پر ہوئی مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ طبعی قوانین کائنات کے

Marfat.com

دوسرے فلکی اجسام یعنی نظامہائے شمسی میں نہیں پائے جاتے بلکہ طبعی توانین کی تشکیل تو زندگی کے ساتھ روزِ آفرینش سے شروع ہو چکی تھی نظامہائے شمسی کے بننے بگڑنے کا مطلب ہی یہی تھا کہ زندگی کو ان توانین کی تلاش تھی لہذا یہ یقینی ہے کہ دیگر نظامہائے شمسی اور کروں میں بھی کافی حد تک یہ توانین کارفرما ہیں البتہ ان توانین نے اپنی تکمیل کرہ ارض پر کی دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ زمین کے علاوہ کائنات کی تشکیل کے اندر اگرچہ طبعی توانین بنتے اور بگڑتے رہے لیکن جس مکمل اعتدال میں ان توانین کی تکمیل کرہ ارض پر ہوئی ہے وہ کائنات میں کسی اور نظامِ شمسی میں نہیں ہوئی اس کی وجہ جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق ایک وحدت کے اندر ہو رہی ہے اور یہ ایک ہی مقصد رکھتی ہے لہذا تخلیق اگر آگے بڑھتی ہے تو صرف مقصد کی طرف بڑھتی ہے۔ تخلیق کائنات کے مختلف مراحل اسی مقصد کے حصول کی کڑیاں ہیں عمل تخلیق کے اس اصول کے تحت تخلیق جب کسی ایک مرحلہ پر اس مرحلہ کی اقدار کے مطابق تکمیل حاصل کر لیتی ہے تو نہ تو وہ اسے دھراتی ہے اور نہ ہی تکمیل کی سطح سے نیچے گرتی ہے بلکہ وہ اس تکمیل کو بنیاد بنا کر اسی پر نئے مرحلہ کا آغاز کرتی ہے اب اگر کائنات کے اس عمل تخلیق کی رو سے دیکھا جائے تو اگر طبعی توانین کی تکمیل کائنات کے کسی اور کرہ پر ہوتی ہے تو مزید تخلیق یعنی زندگی ہمارے اس کرہ ارض کی بجائے اسی کرہ پر آغاز کرتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ فی الواقع ایسا نہیں ہے زندگی کا آغاز نہ صرف اسی کرہ ارض پر ہوا ہے بلکہ زندگی تدریج نباتی اور حیوانی مراحل تخلیق سے گذرتی ہوئی انسانی مرحلہ تخلیق میں داخل ہونے پر بدستور آگے بڑھ رہی ہے کرہ ارض پر زندگی کے اس طرح ادنے سے اعلےٰ قدروں کی طرف بدستور بڑھتے رہنے سے صاف ظاہر ہے کہ تخلیق کرہ ارض پر اپنے مقصد کی طرف رواں دواں ہے اور یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ طبعی توانین کی تکمیل اسی کرہ پر ہوئی ہے اس لئے زندگی کا کرہ ارض کے علاوہ کائنات کے کسی اور گوشے میں موجود ہونا قطعی ناممکن ہے۔

Marfat.com

دراصل فلکیات کے ماہرین جب دوربینوں اور محدب شیشوں کی مدد سے فضا میں کروڑوں فلکی اجسام کو کہکشاؤں اور نظامہائے شمسی کے جھرمٹ میں تیرتے دیکھتے ہیں یا پھر ان اجسام کو پیدائش اور فنا سے ہمکنار ہوتا پاتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ کوئی وجہ نہیں کہ ان کروڑوں فلکی اجسام میں جن کے مقابل کرۂ ارض کی حیثیت محض ایک ذرّہ سے زیادہ نہیں زندگی نہ پائی جاتی ہو دراصل یہ ماہرین اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق زینہ بہ زینہ مختلف مراحل میں ہوئی ہے ہر مرحلۂ شعور اور زندگی کی متعین اقدار کے مطابق جب ایک اعتدال کے اندر تکمیل حاصل کر لیتا ہے تو زندگی دوسرے تخلیقی مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے خالق کی توجہ نئے تخلیقی مرحلہ کو، جو کہ اس کے مقصد کے زیادہ قریب ہوتا ہے پروان چڑھانے پر مبذول ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سابقہ تخلیقی مرحلہ میں مزید انواع تخلیق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، البتہ سابقہ مرحلہ یا مراحل جب تک کہ ان کی نئے تخلیقی مرحلہ کے لئے افادیت باقی رہتی ہے حسب معمول، اپنے تخلیقی مرحلہ کی شعوری اقدار کے مطابق جاری رہتے ہیں چنانچہ اگر ہم محض فلکی اجسام کی تعداد اور فضا کے اندر ان کے پھیلاؤ سے متاثر ہو کر سمجھتے ہیں کہ وہاں بھی انسان کی طرح اعلےٰ زندگی ہونا ضروری ہے تو جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے یہ اصولِ تخلیق کے خلاف ہے تخلیق کا مقصد ایک ہوتا ہے اور تخلیق ہمیشہ مقصد کی طرف بڑھتی ہے مثلاً ہم نباتی مرحلۂ تخلیق کو لیتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اس مرحلہ پر نباتات کی لاکھوں اقسام وجود میں آئیں اور پھر ان کی مجموعی تعداد کا اگر اندازہ لگائیں تو یہ فلکی اجسام سے کہیں زیادہ ہوں گی لیکن جب اس مرحلہ کی تکمیل پر زندگی نئے مرحلۂ یعنی حیوانی مرحلۂ تخلیق میں داخل ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مزید انواع نباتات کی تخلیق کے دروازے بند ہو گئے صرف وہی انواعِ نباتات جو تکمیل حاصل کر لینے سے پہلے وجود میں آچکی تھیں قائم رہیں اور حسبِ معمول اپنی شعوری اقدار کے مطابق، جہاں تک کہ ان کی، اپنے سے اوپر اٹھنے والے تخلیقی مرحلہ کے لئے افادیت یا ضرورت تھی، بڑھتی اور پھولتی رہتی ہیں یہی حال حیوانی مرحلۂ تخلیق کا ہے جس کے اندر لاکھوں انواعِ حیوانات اور کروڑوں

Marfat.com

حیوان پیدا ہوئے لیکن یونہی انسانی مرحلۂ تخلیق کے آغاز پر حیوانی مرحلۂ تخلیق تکمیل کو پہنچا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کروڑوں حیوانات کے باوجود نئی انواع و اقسام حیوانات کے تخلیقی دروازے بند ہو گئے۔ لہٰذا فلکی اجسام کی تعداد یا ان کے پھیلاؤ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے اندر انسانی زندگی بھی ہو سکتی ہے در اصل نورانی مرحلۂ تخلیق، کائنات کی تخلیق یا انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کا ابتدائی مرحلہ ہے جس کے اندر مختلف فلکی اجسام لگے بندھے اصولوں کے تحت جب تک کہ ان کی زندگی کے اگلے مراحل میں افادیت ہے برسرِ عمل رہتے ہیں۔ ہم جب ان اجسام کو فضا میں تیرتے دیکھتے ہیں تو در اصل ہم اپنے ہی سابقہ تخلیقی مرحلہ کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان ان سب تخلیقی مراحل سے کہیں زیادہ بلندی پر کھڑا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ سب آفاق انسان کی محض ابتدائی گذرگاہ سے زیادہ نہیں یہی وجہ ہے کہ یہ تمام آفاق انسان کی خود شعوری میں سما جاتے ہیں

کائنات کی تخلیق کے ان ابتدائی مراحل یعنی سالمات اور پھر طبعی قوانین کی تشکیل کی مثال ہم کسی زبان کی تخلیق کے ابتدائی مراحل یعنی حروفِ تہجی اور اس کی گرامر کی تشکیل سے دے سکتے ہیں زبان، انسانی شعور کے تمام جذبات و احساسات کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہے بہترین زبان وہ ہوتی ہے جس کے اندر انسان اپنے احساسات کی مکمل نمود کر سکے۔ اگر ہم کسی ایک زبان کی تخلیق پر غور کریں تو اس کا ابتدائی مرحلہ حروفِ تہجی اور پھر گرامر کی تشکیل پر مبنی ہوتا ہے حروفِ تہجی کی حقیقت محض آواز کے اتار چڑھاؤ کی علامات ہوتی ہیں مگر آواز کا اتار چڑھاؤ محض گلے سے آواز نکالنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس اتار چڑھاؤ کے اندر معانی پوشیدہ ہوتے ہیں جنہیں شعور اپنے ان جذبات و احساسات کے مطابق ڈھالتا ہے جن کا اظہار اسے مقصود ہوتا ہے۔ زبان کی تشکیل کے ابتدائی مرحلہ میں ان آوازوں کو کاغذ پر منتقل کرنے کے لئے جو علامات متعین کی جاتی ہیں انہیں ہم حروفِ تہجی کہتے ہیں گویا حروفِ تہجی محض آواز کی علامات کو ظاہر کرتی

Marfat.com

ہیں جنہیں شعور اپنے مقصد یا اظہار کے لئے منتخب کرتا ہے اس کے علاوہ ان کی اپنی اور کوئی دوسری حقیقت نہیں ہوتی۔ یہی حقیقت آواز کی ہے شعور اپنے جذبات و احساسات کا جو شعور کے اندر یعنی اس کے باطن میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اظہار کرنا چاہتا ہے تو وہ گلے کی حرکت سے آواز کے اتار چڑھاؤ کو ان معانی میں ڈھالتا ہے جو اس نے آواز کی حرکت کے اندر بطور علامت متعین کئے ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آواز محض شعور کے' اپنے آپ کو یعنی اپنے جذبات واحساسات کو باطن سے ظہور میں لانے کا عمل ہے آواز کی ہر حرکت، اس کا اتار چڑھاؤ' اپنے اندر خاص معانی لئے ہوتا ہے اور یہ حرکت اسی انداز اور ضابطہ کے تحت ہوتی ہے جس انداز اور ترتیب سے شعور اپنے آپ کا اظہار چاہتا ہے یہ انداز ہے گویا آواز، اس کی ترکیب اور اس کے اظہار کے ضوابط ہوتے ہیں جو حروف تہجی کی تشکیل کے ساتھ ہی تخلیق پاتے ہیں حروف اگر شعوری اقدار یا معانی کی علامات ہیں تو یہ قواعد و ضوابط ان کے اظہار کو نکھارنے اور سنوارنے کا کام کرتے ہیں یعنی اظہار کے اندر دلکشی اور حسن پیدا کرتے ہیں ان ضوابط کو ہم زبان کی گرامر کہتے ہیں خواہ کوئی زبان کیوں نہ ہو' اس کی تخلیق کے لئے حروف اور گرامر اس کی بنیاد بنتے ہیں گویا حروف تہجی اور گرامر کی تخلیق کے اوپر پوری زبان تشکیل پاتی ہے یہاں یہ نقطہ بیان کرنا ضروری ہے کہ انسانی شعور اپنے اظہار کے لئے جو زبان تخلیق کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی وسعتوں میں انسانی شعور کے ان تمام جذبات و احساسات کو ظہور میں لانے کے قابل ہو جن کا انسانی شعور کسی بھی رنگ یا انداز میں اظہار کرنا چاہتا ہو' گویا زبان انسانی شعور کا آئینہ ہے جس کے اندر وہ اپنی مرضی سے اپنا اظہار یا مشاہدہ کرتا ہے جیسے جیسے انسانی شعور نئے نئے خیالات یا نئی نئی حقیقتوں کی دریافت کرتا ہے تو اسی لحاظ سے وہ ان کے اظہار کے لئے نئے نئے الفاظ کی تخلیق کرتا جاتا ہے اور اس طرح زبان ترقی کرتی رہتی ہے لیکن یاد رہے زبان اپنی وسعتوں میں اور اعلےٰ اظہار کے لئے کتنی ہی لطیف کیوں نہ ہوتی جائے اور وہ اپنے خالق یعنی شعور انسانی کے کتنے ہی اعلےٰ سے اعلےٰ جذبات واحساسات کی ترجمانی یا ان کے اظہار

Marfat.com

کا ذریعہ کیوں نہ بنتی جائے، بنیادی طور پر زبان اپنے ابتدائی حروف تہجی اور گرامر کے قواعد و ضوابط کے اندر رہ کر اظہار پاتی ہے زبان بہرحال شعور کے نئے نئے افکار اور جذبات، جن کا اظہار خالق کا مقصود ہوتا ہے کے مطابق پروان چڑھتی رہتی ہے تاآنکہ شعور جس چیز کا اظہار چاہتا ہے وہ اس کی پوری تکمیل نہیں کر لیتا۔

اب ہم اگر کائنات کے ابتدائی تخلیقی مرحلہ کو لیں تو شعورِ مطلق اپنے آئیڈیل کے اظہار کے لئے جن ابتدائی علامات اور قواعد و ضوابط کی تخلیق کرتا ہے وہ وہی ہیں جن کو ہم سالمات اور طبعی قوانین کی تخلیق کا نام دیتے ہیں گویا یہ سالمات زندگی کی اُن اقدار کے حامل ہیں جن سے انسانی شعور کی تخلیق کرنا مقصود تھا اور طبعی قوانین وہ ضوابط ہیں جن کے تحت یہ تخلیق زینہ بہ زینہ پروان چڑھتی ہے اس سے ہمیں اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ مادہ محض زندگی کی ابتدائی اقدار کی ظاہری علامت کے علاوہ اور کچھ نہیں اور طبعی قوانین انہیں علامات کے اندر زندگی کو ہر مرحلہ تخلیق کی ضروریات کے مطابق قواعد و ضوابط کے تحت سنوارنے یا ان کو تنظیم کے اندر لانے کی گرامر ہے جس کا اطلاق اس کی خود شعوری کی تکمیل تک ہوتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو مادہ کیا ہے محض مثبت منفی ہیجانوں کی حرکتیں ہیں جو حرکت کے باعث اظہار پانے کی وجہ سے مادہ کی صورت دکھائی دیتی ہیں۔ مثبت منفی ہیجانوں پر مبنی ایٹم جب سالمات میں ترتیب پاتے ہیں تو گویا وہ زبان کے حروف تہجی کی طرح زندگی کی ابتدائی اقدار کو علامات کے طور پر ظاہر کرتے ہیں یہ سالمات جنہیں کائنات کی تعمیری اینٹیں کہا جاتا ہے اپنی تعداد میں تقریباً ایک سو ایک ہیں، زمین کے مرحلہ تخلیق میں طبعی قوانین انہیں سالمات کے مزید جوڑ توڑ کے اندر تنظیم اور قواعد و ضوابط کی تشکیل کا نام ہیں کائنات کی مادی تعمیر کے ساتھ ساتھ اس کے اندر زندگی اور شعور کا زینہ بہ زینہ ظہور انہیں قواعد و ضوابط کے تحت تخلیق پاتا ہے گویا تخلیقِ کائنات یعنی زندگی کا نکھار اور اس کا مختلف تنظیمی حالتوں میں ڈھلنا اور سنورنا انہیں ضوابط

Marfat.com

کے تحت تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر حسن اور دلکشی پیدا ہوتی ہے اور چونکہ کائنات کی مادی حالتیں دراصل زندگی کی اقدار کے علاوہ اور کچھ نہیں لہذا کائنات کے نکھار اور حسن کے ساتھ ساتھ زندگی کے اندر بھی نکھار اور حسن کی اقدار پروان چڑھتی رہتی ہیں کائنات کی تخلیق دراصل انسان کی خودشعوری کی تخلیق اور اس کی تکمیل کا نام ہے کائنات کی تعمیر کے اندر جب ہم مختلف تخلیقی مراحل پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جیسے تخلیق مرحلہ بہ مرحلہ پروان چڑھتی جاتی ہے ویسے ہی زندگی ابتدائی کثیف مادی حالتوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی لطیف حالتوں میں نکھر کر باہر آ رہی ہے مثلاً حیوانی مرحلہ تخلیق پر زندگی، نباتی زندگی کی نسبت، لطیف مادی جسم کے ساتھ ساتھ زیادہ باشعور ہو جاتی ہے اور انسانی مرحلہ تخلیق میں تو انسان کی خودشعوری مادی نہیں بلکہ ذہنی یا تصوراتی جسم میں ظاہر ہوتی ہے اور وہ شعوری اقدار میں اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ متحرک کائنات اپنی تمام وسعتوں کے باوجود اس کی خودشعوری کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی، انسان اس کی حدود قیود کو پھاند کر باہر نکل جانا چاہتا ہے انسان کو اگر کائنات اور اس کے مختلف مظاہر کے اندر کوئی کشش ہے تو وہ محض اس لئے ہے کہ وہ اس کی اپنی گذرگاہ اور اپنی سرگزشت ہے جس کے ساتھ لگاؤ ہونا ایک فطری چیز ہے انسان کا اپنی اس گذرگاہ سے لگاؤ جسے ہم فطری مظاہر کے طور پر جانتے ہیں، اس کی روحانی خوشی کے لئے تقویت کا باعث بنتا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ جو لوگ بیرونی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں وہ شعور و زندگی کے راز سے ناواقف ہیں لہذا بیرونی دنیا سے محبت اسی حد تک سودمند ہے جس حد تک کہ ہم اس کو اپنی سابقہ تگ ودو یا جدوجہد کی ایک شاندار کامیابی سمجھ کر اس سے اپنے اندر زندگی کی اگلی اقدار کی طرف بڑھنے کے لئے تقویت حاصل کرتے ہیں بلکہ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے انسان کے سابقہ مراحل کا بدستور قائم رہنا محض اس کی زندگی کے سفر کو متعین کرنے کے لئے ہے ورنہ انسان کی منزل خود اس کے اندر ہے اور وہ اس کی خودشعوری کا زیادہ سے زیادہ خودشعور ہونا ہے زیادہ سے زیادہ خودشعور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنی اور کائنات

Marfat.com

کی حقیقت پہچان کر خالق کی حقیقت کو پہچاننا ہے یہی انسان کے خود شعور ہونے کا باعث ہے اور یہی خود شعوری کے پیچھے اس کا جذبہ اور دباؤ ہے جو انسان کو ہر آن اپنی حقیقت کے معلوم کرنے پر آمادہ رکھتا ہے اور یہ دباؤ اندرونی ہے کیونکہ خود شعوری کا مطلب ہی یہی ہے کہ انسان کے اندر پہلے سے ہی حقیقتِ کائنات کی آگہی موجود ہے۔

۲- نباتی مرحلہ تخلیق

طبعی قوانین کے ضابطہ کی تکمیل پر زندگی نباتی مرحلہ تخلیق میں داخل ہوتی ہے نباتی مرحلہ تخلیق پر زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر مادی طبعی خواص کے اندر زندگی کی ابتدائی اقدار سے کماحقہ واقف تھی مگر اس کے اندر سوچ یا ذہن کی استعداد کا فقدان تھا لہٰذا اس مرحلہ پر زندگی کی سوچ اس کا محض عمل ہوتا ہے مگر ایسا کیوں، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ نباتات کے اندر زندگی نہایت ہی ادنےٰ حالت سے ابتدا کرتی ہے لہٰذا وہ شعوری طور پر اس قدر بلند نہیں کہ وہ اپنی راہ سوچ کر متعین کر سکے دوسرے لفظوں میں زندگی کے اندر شعوری اقدار کم ہونے کی وجہ سے زندگی برائے نام آزاد تھی۔ آزادی کا مطلب ہے زندگی کے سامنے ایک سے زیادہ راستوں کا کھلنا اور پھر ان میں سے کسی ایک راستہ کو اپنی مرضی سے منتخب کرنا، ایسا کرنے کے لئے زندگی کو جس عمل سے شعوری طور پر گزرنا پڑتا ہے اس کا نام سوچ ہے لیکن نباتات کے تخلیقی مرحلہ پر چونکہ زندگی اپنی ابتدائی حالتوں میں تھی لہٰذا ادنےٰ شعور ہونے کی وجہ سے محض سطحی طور پر آزاد تھی۔ مگر بہر کیف زندگی خواہ ادنےٰ مرحلہ کی حالت میں ہو یا اعلیٰ حالت میں اس کے اندر شعور کی اقدار ضرور موجود ہوتی ہیں لہٰذا ہم باور کر سکتے ہیں کہ اگرچہ نباتات کے اندر زندگی کی سوچ اس کا محض عمل کو کر گزرنا تھا لیکن اس عمل کو متحرک یا فعال بنانے کے لئے جس چنگاری کی ضرورت تھی وہ بہرحال شعور ہی مہیا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں چونکہ اس ابتدائی زندگی کا نورانی مرحلہ تخلیق سے نہایت ہی قریبی تعلق تھا لہٰذا نباتی زندگی کو طبعی خواص کے اندر زندگی کی اولین اقدار کا گہرا اندرونی علم تھا اس طرح گویا زندگی اپنی سطح کی اقدار کے مطابق زندگی کی مادی

Marfat.com

حالتوں سے واقف ہونے کی وجہ سے براہِ راست زندگی پر عمل کرتی ہے زندگی کے براہِ راست زندگی پر عمل کرنے کو ہم جبلت کا نام دیتے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ ہم آگے بڑھیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے متعلق برگسان کے نظریہ کا یہاں مختصراً ذکر کیا جائے برگسان کے مطابق زندگی جو کچھ حاصل کرتی ہے وہ مادہ پر عمل کرنے سے حاصل کرتی ہے زندگی مادہ پر یہ عمل دو مختلف طریقوں یا راستوں سے کرتی ہے پہلے طریقے کو وہ زندگی کی جبلّی استعداد کہتا ہے! اور دوسرے طریقہ کو ذہنی یا شعوری استعداد جو انسانی مرحلہ تخلیق میں ظاہر ہوتی ہے جہاں تک جبلی زندگی کا تعلق ہے اس کا دائرہ نباتی اور حیوانی مراحل تخلیق تک ہے ان ابتدائی مراحل پر زندگی کو مادی یا طبعی حالتوں کا گہرا اندرونی علم ہوتا ہے مثلاً بطخ کا بچہ پیدا ہوتے ہی پانی کی طرف لپکتا ہے حیوان کا بچہ اپنی ماں کے پستانوں کی طرف بڑھتا ہے نباتات اور حیوانات اپنے آپ کو خود جسمانی تنظیم کے اندر پیدا کرتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مراحل پر زندگی کو براہِ راست زندگی کے اندرونی راز کا گہرا علم تھا۔ برگسان زندگی کی اس استعداد کو جبلّت کا نام دیتا ہے اور زندگی کے اس علم کو لاشعوری علم کہتا ہے اس کے برعکس انسانی مرحلہ تخلیق پر زندگی کا عمل بدل جاتا ہے یعنی زندگی جبلت کے بجائے اب ذہنی یا شعوری طور پر عمل کرتی ہے مگر اس ذہنی عمل میں زندگی کی نظر زندگی پر نہیں بلکہ مادہ کی ٹھوس ظاہری اشکال پر ہوتی ہے دوسرے لفظوں میں انسانی زندگی، زندگی کے راز سے ناواقف ہوتی ہے لہذا وہ براہِ راست مادہ پر عمل کرتی ہے مادہ پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اردگرد مادی حالات اور اپنی ضروریات کے تحت اپنے ذہن میں کچھ اشکال بناتا ہے اور پھر اپنی مرضی کے مطابق خام مادہ کو اُن اشکال کے مطابق ڈھالتا ہے یہی وجہ ہے کہ نباتات اور حیوان تو اپنے جسم کی تنظیم کے اندر فطرت کی طرف سے ڈھلے ڈھلائے اوزار حاصل کرتے ہیں لیکن انسان اپنی حفاظت کے لئے اوزار، مادہ کو اپنی حسب منشا اشکال

Marfat.com

میں ڈھال کر تیار کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جبلت زندگی کی اقدار سے براہِ راست واقف ہوتی ہے لہذا وہ تنظیم شدہ مادہ سے اپنی تنظیم پیدا کرتی ہے جبکہ ذہنی سطح پر زندگی اپنے اردگرد کے حالات کے مطابق اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے براہِ راست اشکال سے واقف ہوتی ہے اور پھر ان اشکال کے مطابق وہ غیر منظم مادہ کو ان میں ڈھال کر اشیاء کی تخلیق کرتی ہے اس طرح برگسان کے نزدیک اگرچہ جبلی اور ذہنی زندگی ہر دو کا سرچشمہ یا حقیقت شعور ہی ہے لیکن شعور نے دورانِ تخلیق مادہ سے نپٹنے کے لئے یہ دو مختلف راستے اختیار کئے تھے ان دونوں میں ذہنی زندگی کا عمل زیادہ وسیع اور آزاد ہے کیونکہ انسان مادہ کو جن اشکال میں ڈھالنا چاہے ڈھال سکتا ہے جبکہ جبلی زندگی کی استعداد محدود اور عارضی ہوتی ہے برگسان، شعور کے ان دو مختلف راستوں میں جو فرق واضح کرتا ہے وہ یہ ہے کہ "ایسی چیزیں ہیں جن کو صرف ذہن ہی تلاش کرسکتا ہے لیکن وہ ان کو از خود کبھی نہیں پا سکتا۔ ان چیزوں کو صرف جبلت پا سکتی ہے لیکن جبلت کو ان کے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں"۔

برگسان، جب زندگی کے حقائق پر روشنی ڈالتا ہے تو وہ زندگی کے حقائق نہیں بلکہ محض رجحانات کو زندگی کے حقائق سمجھ بیٹھتا ہے۔ نباتی اور حیوانی مراحلِ تخلیق، جس کو برگسان جبلی زندگی کا نام دیتا ہے، دراصل شعوری زندگی کے ابتدائی دور تھے اور چونکہ یہ دونوں تخلیقی مراحل سابقہ طبعی تخلیقی مراحل کے بالکل قریب تھے بلکہ انہیں پر اٹھتے ہیں لہذا یہ مادی شعوری اقدار اور طبعی قوانین کے اندرونی راز سے یقیناً زیادہ آگاہ تھے لہذا وہ اپنے مراحل کی اقدار کے مطابق بغیر کسی سوچ کے براہِ راست زندگی یا شعور کی مادی حالتوں پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اس کے علاوہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے چونکہ زندگی نہایت ہی ادنٰے حالتوں سے شعوری اقدار کی طرف بڑھتی ہے لہذا نباتی اور حیوانی مراحل تخلیق پر زندگی محض لاشعوری طور پر آزاد تھی جس کے اندر صرف محدود عمل کو جاری کرنے کی صلاحیت تھی اور باقی عمل زیادہ تر لاشعوری

Marfat.com

یا فطرت کی ہدایت کے مطابق انجام پاتا تھا۔ البتہ یونہی زندگی انسانی مرحلۂ تخلیق میں داخل ہوتی ہے تو وہ محض مادہ کو اشکال میں ترتیب دینے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی تھی بلکہ وہ تمام کائنات کو اپنے ایک ہی تصور میں ڈھال کر اس کی حقیقت دریافت کرنے کی متلاشی تھی دراصل جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کائنات کی تعمیر انسان کی تخلیق ہے اور انسان کے اندر جو سب سے زیادہ نمایاں حقیقت ظہور پذیر ہوتی ہے وہ اس کی خود شعوری ہے لہٰذا ہم تخلیق کی ابتدائی زندگی کو شعور کی اقدار سے الگ نہیں کر سکتے بلکہ وہ انسانی خود شعوری کی ابتدائی حالت تھی جو زینہ بہ زینہ مختلف درجات اور مراحل میں بلندیوں کی طرف بڑھتی رہی لہٰذا ہر مرحلۂ تخلیق پر زندگی کا اظہار اس مرحلہ کے منصوبہ کے مطابق ہوتا رہا ہے۔

مندرجہ بالا مختصر تشریح کے بعد ہم پھر نباتی مرحلۂ تخلیق کی طرف لوٹتے ہیں جیسا کہ پہلے بھی بار بار ذکر کیا گیا ہے زمین کی تشکیل کے ساتھ ہی طبعی قوانین اپنی تکمیل کو پہنچ گئے یعنی اب مزید طبعی قوانین کے وجود میں آنے کے دروازے بند ہو گئے گویا نورانی مرحلۂ تخلیق اور پھر زمین کی تشکیل تک جو قوانین تکمیل کو پہنچ گئے زندگی کی مادی حالتیں وہیں پر رک گئیں۔ مادہ کے اندر زندگی کی ابتدائی اقدار جن طبعی قوانین کے ضابطہ کے اندر ڈھل چکی تھیں اب وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتی تھیں حقیقت تو یہ ہے کہ خالق جب تک ہر تخلیقی مرحلہ میں اپنے منصوبہ کے مطابق تمام ممکن گوشوں کو چھو نہیں لیتا اس مرحلہ میں تخلیق جاری رہتی ہے لیکن جب ایک مرتبہ کسی مرحلہ کی تکمیل ہو جائے تو پھر اس مرحلہ پر مزید تخلیق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور خالق کی توجہ اگلے مرحلہ کی تخلیق پر لگ جاتی ہے یہاں ایک اور اہم بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب ایک مرحلہ کی تکمیل کے بعد دوسرے مرحلہ میں زندگی داخل ہوتی ہے تو اس نئے مرحلہ پر زندگی کی اقدار یک لخت اعلٰے زندگی کی حامل ہوتی ہیں اور یہ فرق محض ڈگری کا نہیں بلکہ ایک نئی قسم کا ہوتا ہے جس کی اقدار نئے مرحلہ کے منصوبہ کے مطابق اٹھتی ہیں چنانچہ جب ہم نباتی زندگی کا مطالعہ

Marfat.com

کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ طبعی قوانین کی مضبوط گرفت جب ایک دفعہ اپنی تکمیل کو پہنچ کر لپٹنے اور پھر مزید قوانین تخلیق کرنے کے دروازے بند کر چکی تو نباتی مرحلہ پہ زندگی اپنی اقدار کے مطابق مگر انہیں ضوابط کے تحت، زندگی کی مادی حالتوں کو ایک نئی تنظیم میں ڈھالتی ہے جیسا کہ ابتدا ہی میں بیان کیا گیا ہے مادی زندگی سے مراد زندگی کی وہ ابتدائی اقدار ہیں جنہوں نے کسی زبان کے حروفِ تہجی کی علامات کی طرح اپنے آپ کو مادی ذرات اور سالمات کی علامات میں ظاہر کیا تھا گویا زندگی یا شعور ایک باطنی قوت ہے اور اس قوت کی حرکت یا عمل کے نتیجہ میں جو بیرونی دنیا پیدا ہوتی ہے یا جن علامات کو اپنے اظہار کے لئے منتخب کرتی ہے وہ انرجی یا مادہ کی تنظیمات میں ظہور پذیر ہوتی ہیں نباتی مرحلہ پہ زندگی انہیں ابتدائی شعوری اقدار کو اپنی اعلیٰ زندگی کی اقدار کے مطابق ایک نئے اعتدال اور توازن کے اندر خوبصورت نباتی اشکال میں لاکر ظاہر کرتی ہے گویا اگر ہم زمین اور فضا کی تخلیق کے اندر چھپے ہوئے مادی اور طبعی قوانین کو زندگی یا شعور کے ابتدائی پیمانے کہہ سکتے ہیں تو نباتات نے ان پیمانوں کو نئی سطح پر نئے انداز میں پھل پھول اور پتوں کے حسین روپ میں نکھار کر اپنے اندر ایسے نقوش آثار ہے جن سے کسی صانع کی کاریگری یا شعور کے عمل کا پتہ چلتا ہے پھولوں اور پتیوں کے اندر نرمی اور نزاکت، گلوں میں حسین اور دلکش رنگوں کا امتزاج، پھلوں کے اندر خوش ذائقہ رس، درختوں کی ٹہنیوں میں لچک اور پتوں کے کٹاؤ، سرسبز و شاداب گھاس اور زمین پر پھیلے ہوئے بیل بوٹوں کے نقوش اپنے اندر نہ صرف اعلیٰ ریاضیاتی اور شعوری پیمانے لئے ہوتے ہیں بلکہ ان کے اندر ایک خاص ترتیب اور توازن، حسن و کمال کے جوہری پیمانوں کو مدون کرتا ہے۔ زمین اور فضا میں جو شعوری پیمانے (طبعی قوانین) چھپے ہوئے تھے۔ نباتاتی زندگی نے گویا اُن کو اپنے اعلیٰ شعوری پیمانوں میں از سر نو اس انداز سے جنم دیا کہ ان قوانین کی ریاضیاتی قدروں کو حسین و جمیل نقوش میں بدل کر حسن کے اعلیٰ آرٹ کا نمونہ بنا دیا اور اس طرح زمین کو ایک جنتِ فردوس میں بدل کر رکھ دیا۔

Marfat.com

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، زندگی محض شعور ہی کا نام نہیں بلکہ حسن کو تدریج نکھارنا بھی اس کی خصوصیت ہے۔ زندگی جیسے جیسے اعلیٰ شعوری اقدار کی حامل ہوتی رہی ہے ویسے ہی وہ جن جسم میں اپنا اظہار کرتی رہی، اُسے سنوارتی بھی رہی ہے مثلاً اگر ہم زمین، جہاں پر طبعی قوانین اپنی تکمیل کو پہنچتے ہیں، پہاڑوں وادیوں، دریاؤں اور موسموں کے تغیر و تبدل کو دیکھیں تو ان کی تشکیل کے اندر جو تناسب اور حسن پایا جاتا ہے وہ طبعی قوانین کے ضوابط کے اندر حسن و تناسب کی اقدار کو ظاہر کرتا ہے اسی طرح نباتی مرحلہ تخلیق پر زمین کو پھل پھول، پودوں کے اندر ڈھانپ کر ایک دلہن کی طرح سجادینا ہمیں نباتی زندگی کی اعلیٰ شعوری اقدار کا پتہ دیتا ہے۔ اسی طرح اگلے تخلیقی مراحل میں یعنی حیوانی مرحلۂ تخلیق اور پھر انسانی مرحلہ تخلیق میں زندگی جوں جوں اوپر اٹھتی ہے اسی لحاظ سے نہ صرف وہ زندگی کی اعلیٰ قدروں کو تدریج اپنے اندر سمیٹتی جاتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اجسام، جن میں ظہور پاتی ہے، کو بھی کثیف مادی حالتوں سے لطیف مادی حالتوں میں سنوارتی جاتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا زندگی یا شعور جیسے جیسے بلندیوں کی طرف بڑھتا ہے ویسے ہی اس کا جسم بھی حسن و لطافت کی تمام رعنائیوں کے ساتھ ابھرتا ہے زندگی کے اندر حسن و لطافت کا ہونا ظاہر کرتا ہے کہ خالق کائنات محض شعور ہی نہیں بلکہ حسن بھی ہے لہٰذا جو تخلیق ہوتا ہے وہ حسن بھی ہے اور شعور بھی، نباتی مرحلہ تخلیق پر نباتات کا زمین کی نمکیات سے مختلف رس نکالنا، پودوں کا اپنے پھولوں کی پنکھڑیوں میں مختلف اور دلکش رنگ بھرنا، پتوں کے اندر نرمی اور لچک، پنکھڑیوں کے خوبصورت کٹاؤ وغیرہ بغیر شعور کے ممکن نہیں، دریافت شعور ہی کرتا ہے اور زندگی شعور کا دوسرا نام ہے نباتات کا مادی اور طبعی قوانین کی شعوری حالتوں کو اپنی سطح پر ایک نئے انداز اور حسن کے ساتھ باہر لانا اس بات کی دلیل ہے کہ نباتی مرحلۂ پر زندگی کو زندگی کی شعوری اقدار کا گہرا علم تھا اور یہ علم زیادہ تر لاشعوری تھا جو شعوری لحاظ سے بہت حد تک محدود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کا گہرا علم ہونے کے باوجود نباتی زندگی کا دائرہ عمل بھی محدود تھا۔ مثلاً اگر کوئی پودا زمین کی نمکیات سے رس

Marfat.com

کو باہر لا رہا ہے تو وہ اسی کو اپنی کامیابی یا زندگی کا حاصل سمجھ کر اس کی زیادہ سے زیادہ اقدار حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے اور اگر کوئی پودا زمین کے قلماؤ کے اندر سے اس کی خوبصورت اشکال کو نباتی سطح پر لوپوے کے اندر خوبصورت پھول پتیوں میں ایک نئے نکھار اور رکھاؤ کے ساتھ سنوار کر باہر لاتا ہے تو وہ اس کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھ کر اسی کو سنوارنے اور بنانے میں لگا رہتا ہے ہر مرحلۂ تخلیق بہر حال ایک کل کی صورت اُبھرتا ہے اور تخلیق پاتا ہے اور وہ مرحلہ کی شعوری اقدار کے مطابق زندگی کی نئی اقدار سے ابتدا کرتا ہے جنہیں وہ بہر صورت قائم رکھتا ہے اپنے مرحلہ کی اقدار سے ہٹ کر زندگی کا سابقہ مراحل کی طرف لوٹنا گویا اس کی موت کے مترادف ہے اور نئے مرحلہ پر چونکہ اس مرحلہ کی اقدار اس کے سامنے ابھی کھل کر نہیں آتیں۔ لہٰذا زندگی کو ان نئی اقدار کے معلوم کرنے کے لئے سخت جدوجہد کرنا پڑتی ہے اور اس طرح جدوجہد کے نتیجہ میں جونہی قدر بھی زندگی کے ہاتھ لگ جاتی ہے وہ اس کو چھوڑتی نہیں تاآنکہ زندگی اس مرحلہ کے مقاصد کے مطابق اپنی تکمیل حاصل نہیں کر لیتی لیکن یاد رہے اس جدوجہد میں تمام ہدایات اور تدابیر قدرت یعنی خالق کی طرف سے بہم پہنچتی ہیں تخلیق کے اندر اس کی اپنی جدوجہد اس حد تک ہوتی ہے جس حد تک کہ وہ تخلیق پانے کی صورت میں زندگی کی اقدار کی حامل ہوتی ہے

۴۔ حیوانی مرحلۂ تخلیق

اس مرحلۂ تخلیق پر زندگی ایمیبا کے حیوانی جسم میں اس مرحلہ کا آغاز کرتی ہے اور پھر انواع و اقسام کے حیوانی اجسام سے گذرتی ہوئی انسانی مرحلۂ تخلیق کے شروع ہونے پر تکمیل کو پہنچتی ہے بعض حکمائے نباتی اور حیوانی مراحلِ تخلیق کو ایک ہی مرحلہ میں رکھا ہے برگسان کے مطابق نباتات کا مقصد محض حیوان کے لئے خوراک بنانا تھا لیکن جب ہم مختلف تخلیقی مراحل پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیا مرحلہ اپنے سابقہ مراحل سے خوراک حاصل کرتا ہے لہٰذا خوراک ہر مرحلہ کی شعوری نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی جاتی ہے مثلاً نباتات نے اپنے پہلے تخلیقی مراحل

Marfat.com

یعنی زمین اور فضا سے طبعی قوانین کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان سے خوراک کا کام لیا پھر حیوانی مرحلہ تخلیق میں حیوان نے نباتات کے علاوہ زمین اور فضا سے پانی اور ہوا کو بھی خوراک بنایا اور پھر انسانی مرحلہ تخلیق پر نہ صرف ہوا، پانی اور نباتات بلکہ حیوان کو بھی ذریعہ خوراک بنایا اور اس کے علاوہ فرد انسانی کی حیثیت سے انسان نے اپنے ذہنی جسم کی نشوونما کے لئے حیوانی حواس کو ذریعہ خوراک بنایا۔ گویا ہر مرحلہ تخلیق پر زندگی یا شعور کی اقدار کے مطابق خوراک کی نوعیت بھی بدلتی رہی مثلاً نورانی اور طبعی مراحل تخلیق کی اقدار مثلاً روشنی، پانی اور مختلف نمکیات کے سالمات کو جذب کرنے کے لئے نباتات نے اپنے جسم کی اس طرح تشکیل کی کہ جس سے طبعی قوانین کا نظم بھی نہ ٹوٹے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مادی شعوری اقدار کو اپنی نباتاتی زندگی کی اقدار کے مطابق ڈھالتی بھی رہے نباتات کے اندر مختلف انواع واقسام کے پائے جانے کا سبب زندگی کا شعور کی اِن مادی اقدار کو مختلف انداز میں اپنے اندر ترتیب دینے کی وجہ سے تھا۔ دوسرے لفظوں میں درخت یا پودے کی ہر نوع گویا طبعی قوانین کی اقدار کو ایک نئے اور اعلےٰ ریاضیاتی فارمولے میں ڈھالنے کی مادی شکل ہے جو نباتات کے اندر اس کے اعلےٰ شعور یا زندگی کی نشاندہی کرتی ہے نباتات سے آگے حیوانی مرحلہ پر آئیں تو حیوان نباتات اور طبعی قوانین کی تخلیق کردہ مادی شعوری اقدار کو خوراک بناتا ہے اور اس طرح نباتات کی حاصل کردہ شعوری اقدار یعنی ان حسین ریاضیاتی فارمولوں کو نئے شعوری پیمانوں میں ڈھالتا ہے یہ شعوری پیمانے حیوان کے حواس ہیں جنہیں ہم دیکھنے، سننے، چھونے، چکھنے اور سونگھنے کے حواس کے نام سے جانتے ہیں یہ ایسے شعوری پیمانے یا آلات ہیں جن سے حیوان اخفا سے اظہار یعنی اپنے اندر سے باہر کی کائنات کا مشاہدہ اور علم حاصل کرتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو جسم حیوانی محض شعوری تانا بانا ہے جو کہ حیوانی مرحلہ تخلیق پر زندگی نے ان حواس کو حاصل کرنے کی غرض سے تشکیل کیا تھا۔ گویا حیوانی جسم، تخلیق کی ارتقا میں ایک تحقیقاتی اسٹیشن کی طرح تھا جو نظامِ ہضم وتنفس کے ذریعہ خوراک کا کیمیاوی تجزیہ کرتا جس کے تحت وہ اپنے جسم یا نسل کی بقا

Marfat.com

کو جاری رکھتا، اعضاء اس اسٹیشن کی ضروریات کو پورا کرتے اور حسوں کے خواص سے وہ اپنے آپ اور اپنے اردگرد کے حالات کا شعوری سطح پر علم حاصل کرتا۔ مثلاً ان حسوں کے ذریعے وہ آواز کے اتار چڑھاؤ میں، رنگوں کی آمیزش میں مادہ کی گرم سرد، ٹھوس مائع حالتوں سے شعوری معانی اخذ کرتا یعنی حیوان مادہ کی حالتوں میں چھپی ہوئی شعوری حرکات یا ان کے رجحانات کو جانچنے کی ایک شعوری تنظیم تھی۔ اس طرح حیوانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی، مادی شعوری اقدار کو اپنے حواس کے علم سے دریافت کر کے، مادی بندشوں سے کافی حد تک آزاد ہو گئی نہ صرف یہ بلکہ اس دریافت سے اسے مادی زندگی پر اپنی برتری کا احساس پیدا ہو گیا اور یہ احساس کائنات کی تخلیق میں پہلی مرتبہ جبلی احساس کے بجائے شعوری احساس کی طرف بڑھنے کی دلیل تھی۔ حیوانی مرحلۂ تخلیق میں جتنی انواعِ حیوان پیدا ہوئیں اُن کی زندگی کا مقصد انہیں حواس کی ایک اعتدال کے اندر تکمیل حاصل کرنا تھا چنانچہ یونہی ان حواس کی تکمیل ایک اعتدال کے اندر مکمل ہوئی تو حیوانی مرحلۂ تخلیق پر مزید انواعِ حیوان کے پیدا ہونے کے دروازے بند ہو گئے اور تخلیق نے اگلے مرحلہ میں قدم رکھا یہ اگلا مرحلۂ تخلیق انسانی تخلیق کا موجودہ مرحلہ ہے جس کے اندر خالق اپنے شاہکار یعنی انسان کو سنوارنے کی طرف متوجہ ہے۔

۵۔ انسانی مرحلۂ تخلیق

حیوانی مرحلۂ تخلیق پر حسوں کی تکمیل زندگی کے سابقہ مراحل کے اندر مادی حالتوں کے علم کی تکمیل تھی اور ان کا دائرہ اثر زیادہ تر زمین پر حیوان کے اردگرد کے ماحول تک تھا۔ ان حسوں کی تکمیل پر زندگی انسانی مرحلۂ تخلیق میں داخل ہوتے ہی پوری کائنات کو اپنی وسعتوں میں لے لیتی ہے حیوان کی طرح انسانی شعور محض اپنے اردگرد کے حالات تک محدود نہ رہا بلکہ مادہ کے اندر ان حسی اقدار کو زندگی کی بنیادی خصوصیات جان کر وہ کائنات کو ایک مجموعی تصور کے اندر دیکھنے لگا۔ اور اس کے ساتھ ہی اُسے اپنی حقیقت اور اشیاء کے علم حاصل کرنے کی جستجو پیدا ہوئی۔ یہاں

Marfat.com

سے انسان کی خود شعوری کی منزل کا آغاز ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں حیوانی مرحلہ تخلیق پر شعور نے جن حواس کے اندر اپنی تکمیل کی تھی ان کی دسترس محض زمین کے مادی ٹکڑوں تک محدود تھی جن کو وہ چھوٹے چھوٹے فریم میں کاٹ کر ان کی خصوصیات کو حواس کے ذریعہ شعوری معانی پہناتا تھا۔ لیکن انسان کے خود شعور ہونے پر اب یہ تمام حواس اس کے مجموعی تصورِ کائنات کے اندر سمٹ گئے اب اس کا شعور آفاقی تھا۔ اس کا شعور آفاقی تھا کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی حقیقت اس کو ایک وحدت میں نظر آنے لگی اور کائنات کی اس وحدت کے اندر اُسے اپنی حقیقت اور انفرادیت کا احساس ہوا۔ نہیں بلکہ اُسے اپنی انفرادیت اور وحدت سے کائنات کی وحدت کا احساس ہوا۔ جب وہ کائنات کی تشکیل کے اندر مختلف تخلیقی مراحل کو دیکھتا تو ان کو اپنے جیسے آزاد ارادہ اور خود شعوری کی صفات سے عاری پاتا۔ ہر مرحلہ تخلیق اپنی اپنی اقدار کے حصول کا پابند تھا۔ مادی مظاہر، طبعی قوانین کی علت و معلول کی زنجیروں میں جکڑے ہوتے، حرکت پر پابند تھے مرحلہ نباتات، اپنی اقدار کی حدود میں زندگی کی ابتدائی مادی حالتوں کو اپنے نئے رجحانات کے تحت از سر نو تنظیم دینے اور اپنی نئی شعوری اقدار کے اندر پھلنے پھولنے پر مجبور تھا۔ حیوان اپنے حواس کی شعوری اقدار کے تحت زندگی کو قائم رکھنے کے لئے جبلتوں کی تسکین کرنے پر پابند تھا۔ انسان جب کائنات کے اندر ان سب تخلیقی مظاہر کو الگ الگ اپنی اقدار میں پابند و محکوم دیکھتا تو اس کو اپنی برتری اور انفرادیت کا احساس ہوتا اب وہ کائنات کی حقیقت کو ٹکڑوں میں بٹی ہوئی نہیں دیکھتا تھا۔ جس کے اندر گویا وہ خود بھی محض ایک ٹکڑا ہو اس کی خود شعوری یا انفرادیت نے اُسے کائنات کی وحدت اور انفرادیت کا احساس دلایا تھا۔ اس احساس نے اُسے خود اپنی اور کائنات کی حقیقت دریافت کرنے پر مجبور کر دیا۔ انسان کے اندر اپنی دریافت کا مطلب یہ تھا کہ شعور اپنے آپ کو پہچاننے لگا۔ اور اس پہچان کا مطلب یہ تھا کہ وہ کائنات کی تخلیق کے پیچھے اپنی طرح کسی ایسی خود شعور ہستی کی موجودگی کو دیکھتا تھا جس کا عمل تمام کائنات میں جاری ہے یہ انسان کے خود شعور

Marfat.com

ہونے کی دلیل تھی۔ تاہم انسان چونکہ خود شعوری کی ابتدائی حالتوں میں تخلیق پا رہا ہے لہذا وہ ابھی پوری طرح خود شعور نہیں ہوا۔ اور نہ ہی شعورِ مطلق کا مکمل عکس اس میں ابھی منعکس ہوا ہے البتہ انسان کی خود شعوری کی زبردست خواہش یہی ہے کہ وہ اپنی خود شعوری کو مکمل کرے خود شعوری کو مکمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شعورِ مطلق کے راز کو دریافت کرے جب تک انسان اس مقصد کو پا نہیں لیتا اس کی جدوجہد جاری رہے گی اس مقصد تک پہنچنے کے لئے وہ خالق کائنات کو اپنے تصورات میں تلاش کرتا ہے انسان کی تخلیق سے قبل، سابقہ تخلیقی مراحل میں زندگی، خالق کے لئے فطری کشش کے علاوہ، جو کہ تخلیق کے اندر خالق کے لئے شعوری یا لاشعوری طور پر ہونا لازمی تھی، سے زیادہ نہیں تھی لہذا وہ اس فطری محبت کو عارضی طور پر مطمئن کرنے کے لئے ہر نئے تخلیقی مرحلہ پر آغاز کرنے سے اپنے آپ کو طالب و مطلوب کے دو رشتوں میں بانٹ کر اس محبت کو مطمئن کر لیتی تھی۔ لیکن انسان کے اندر اب خالق کائنات کا دھندلا سا عکس پیدا ہو جانے سے وہ مطلوب کو براہِ راست اپنے تصورات میں تلاش کرنے لگتا ہے لیکن چونکہ اس کی خود شعوری ابھی اپنے ابتدائی مرحلہ میں ہے لہذا خالق کا صحیح تصور کرنے میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے تاہم چونکہ انسان کی زندگی اور اس کا مقصد شعورِ مطلق کی کشش اور اس کی تلاش ہے لہذا جب تک وہ اس مقصد کو پا نہیں لیتا انسانی مرحلۂ تخلیق پر اس کی جدوجہد جاری رہے گی۔ انسان کی تاریخ انہیں تصورات کی تاریخ ہے اور ان تصورات کے پیچھے جو قوت کام کر رہی ہے وہ انسان کی خود شعوری کی خالق سے زبردست کشش و محبت ہے انسان اگرچہ اپنی خود شعوری کی اس محبت کو اکثر غلط تصورات یا خواہشات کی طرف منتقل کر دیتا ہے لیکن ایسا اس کی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے چنانچہ خالق، انسان کی اس کوتاہی کے پیش نظر انسان کی راہنمائی کے لئے انسانوں کے اندر ایسے اشخاص پیدا کرتا رہا ہے جو انسان کو خالق کی صحیح سمت اور راہ کا پتہ بتاتے رہے ہیں۔ یہ اہتمام صرف انسانی مرحلۂ تخلیق پر ہی نہیں تھا بلکہ خالق کی طرف سے ایسی ہی راہنمائی سابقہ تخلیقی مراحل میں، ان مراحل کی اقدار او رمنصوبہ کے مطابق تخلیق کے

Marfat.com

اندر ہمیشہ بہم پہنچتی رہتا ہے۔ جسے ہم فوری ارتقا کہتے ہیں اس کا مقصد زندگی کا مادی سطح پر صحیح سمت کی تلاش یا اس کی طرف بڑھنا تھا۔ یہاں اس اہم بات کا ذکر ضروری ہے کہ حیوانی مرحلہ تخلیق پر حیوان نے جن حواس کے اندر تکمیل کی تھی، لاشعوری طور پر ان کی دریافت کے پیچھے جو مقصد تھا وہ بھی خالق ہی کی دریافت تھا۔ تاہم چونکہ حیوانی مرحلہ تخلیق تک حیوانی شعور ابھی مادی زندگی کے دائرہ اثر اور اس کے مضبوط طبعی قوانین کی گرفت سے پوری طرح آزاد نہیں ہوا تھا لہٰذا اس کی تمام جدوجہد زندگی کی مادی حالتوں کا راز معلوم کرنے تک محدود تھی دوسرے لفظوں میں ہم اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ گویا نباتی و حیوانی مراحل تخلیق پر زندگی، مادی سمندر کے اندر ڈوبی ہوئی تھی اور وہ مادی سمندر کی اقدار اور اس کے قواعد و ضوابط سے قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے مادی راز سے زیادہ واقف تھی لہٰذا اس نے اپنی شعوری سطح کے مطابق، جس کا مقصد ان مادی حدود و قیود سے باہر نکلنا تھا، بتدریج ایسے راز معلوم کر لئے جن کی وجہ سے بالآخر وہ آہستہ آہستہ اس مادی سمندر کی اوپری سطح کے قریب پہنچ گئی۔ چنانچہ حیوانی حواس کا مقصد زندگی کے مادی راز معلوم کر کے مادی سمندر سے باہر آنا تھا۔ ان حسوں کا تعلق گویا زندگی کی مادی اقدار سے تھا اس کے بعد زندگی یونہی ان حواس کی تکمیل پر، مادی سمندر کی سطح سے باہر جھانکتی ہے تو اس کی نظر اور وسعتوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تو زندگی کی اس منزل سے انسان کی خود شعوری کا آغاز ہوتا ہے۔ کائنات کی تاریخ میں زندگی پہلی بار مادی حدود کو پھاند کر اپنی حقیقت یا مقصد کو سامنے دیکھ رہی تھی لہٰذا اب اس کی نظر مادی زندگی کے اندرونی راز کی طرف نہیں بلکہ اپنے سامنے کی منزل پر لگ گئی تھی اب اسے مادی حسی پیمانوں کی اتنی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ مادی سمندر سے باہر جھانک رہی تھی۔ لہٰذا اس کی نظر اب ایسے نئے پیمانے تلاش کرنے میں لگ جاتی ہے جو اس کو اس کی نئی منزل اور نئی شعوری سطح پر اپنے مقصد کی طرف بڑھنے کی راہنمائی کر سکتے چنانچہ انسان نے ان حسی پیمانوں کی بجائے شعوری پیمانے وضع کرنے کی طرف توجہ لگا دی۔ دوسرے لفظوں میں انسان کی خود شعوری کی سطح پر انسان کو مادی حسی پیمانے نہیں بلکہ شعور مطلق تک پہنچنے کے لئے جن کی

Marfat.com

جھلک اب وہ مادی سمندر کی بالائی سطح سے جھانک کر پا رہا تھا شعوری پیمانوں کی تلاش تھی لہذا اس مقصد کے لئے انسان نے مادی حواس کے اوپر تدریج نئے شعوری پیمانے وضع کئے یہ شعوری پیمانے انسان کے اندر عقل، برھان، تصوّر اور ذہانت کی استعداد تھی۔ جن کی دسترس کائنات کی تمام وسعتوں تک پھیل گئی۔ یاد رہے کہ عقل، برھان، ذہانت وغیرہ کے پیمانوں کو عشق یا محبت نے متعین کیا تھا نہ کہ ان پیمانوں نے جو کہ از خود انسان کی چاہت یا اس کی خالق سے محبت کے احساس کو جاننے سے قاصر ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ کہ عقل محض، عشق و محبت کی اعانت تو کر سکتی ہے لیکن وہ خود محبت یعنی زندگی کی اقدار سے ناواقف ہوتی ہے۔ بہرحال یہ سب نئے پیمانے جن سے انسان مادی سمندر سے باہر کی حقیقت کا پتہ چلانے کی کوشش کرتا ہے اپنی نوعیت میں غیر مادی یعنی شعوری تھے حیوانی مرحلہ تخلیق پر جو حیوانی شعوری اقدار یعنی حواس کا تعلق مادی تھا۔ جن کا مقصد مادی راز معلوم کرنا تھا یا دوسرے لفظوں میں زندگی کے مادی حالتوں میں حجابات کا پتہ چلانا تھا اور ان کا دائرہ اثر محض مادی ٹکڑوں تک محدود تھا۔ لیکن انسانی شعوری حسوں کا تعلق براہ راست شعور مطلق سے ہونے کی وجہ سے یہ حسیں بھی جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے شعوری نوعیت کی تھیں۔ لیکن یہاں یہ نہ بھولئے کہ انسان اگرچہ مادی سمندر سے اپنے مطلوب کی طرف باہر جھانک رہا ہے۔ لیکن اس کا جسم ابھی مادی سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔ جسم گویا اس کی تمام سابقہ جدوجہد کا حاصل یا اس کی تخلیق کی داستان کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اور اس کی خود شعوری کی بنیاد کے طور پر اس کے ساتھ ہے اگر وہ ضائع ہو جاتا ہے تو گویا وہ اپنی تمام سابقہ جدوجہد سے کٹ کر خلا میں رہ جاتا ہے۔ لہذا جب تک وہ اپنے باقی جسم کو نہایت ہوشیاری اور مادی حسی راز کی دریافت کے ذریعے، سمندر سے باہر نہیں نکال لیتا وہ مادی سمندر کے اثر و نفوذ سے بچ نہیں سکتا۔ دوسری طرف سمندر کی سطح سے باہر اس کی نظر اپنے محبوب کی منزل کو سامنے دیکھتی ہے اور اس تک پہنچنا ہی اس کی نئی زندگی کی شرط ہے۔ لہذا وہ اس سے کسی صورت بھی منہ نہیں پھیر سکتی۔ ایسی صورت میں انسان کو حیوانی حسوں کی مدد کی بھی سخت ضرورت ہے تاکہ وہ مادی راز

Marfat.com

کو مزید دریافت کر کے مادی سمندر میں اپنے باقی ماندہ پھنسے ہوئے جسم کو مکمل طور پر آزاد کر سکے اس مقصد کے لئے انسان حیوانی حسوں کو محض حیوان کی طرح اپنی حفاظت کے لئے استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو اپنی حقیقت کی تلاش کے جذبہ کے تحت کائنات کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے بطور آلہ تحقیق استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کی تمام ایسی کاوشیں جنہیں وہ علم طبعیات یا دوسرے علوم کا نام دیتا ہے۔ ان کا زیادہ تر مقصد زندگی کی مادی حالتوں اور ان کے راز سے پردہ اٹھا کر اپنی اور کائنات کی حقیقت کو زیادہ سے زیادہ معلوم کرنا ہے۔ اور دوسری طرف اس کی ان تمام کاوشوں کو، جو براہِ راست شعور مطلق کی محبت و کشش کی وجہ سے ہیں اور جنہیں ہم انسان کے تصورات کے تحت اخلاقیات کا نام دیتے ہیں ان کا مقصد خالق کائنات کی محبت کو مطمئن کرنا ہے انسان کے یہ دونوں عمل ساتھ ساتھ چلتے ہیں جن پر عمل کرنے سے وہ خالقِ کائنات کی محبت کو مطمئن کرتا ہے

آگے بڑھنے سے پہلے مندرجہ بالا تخلیقی مراحل کا سرسری ذکر ضروری تھا کیونکہ ہم انہیں مراحل کی روشنی میں تخلیق انسانی پر صحیح طرح سے غور کر سکیں گے یہاں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ علم جدید بھی کائنات کو ایک وحدت کی شکل میں دیکھتا ہے اور اس کی حقیقت کو دریافت کرنے کے لئے اسے تین بڑے ارتقائی مراحل میں تقسیم کرتا ہے۔ اس طرح علم جدید کے بھی تین طبقات ہیں۔ مثلاً پہلے طبقے کو علم الطبعیات کا نام دیا گیا ہے۔ جو کاسمک شعاؤں سے لے کر زمین پر طبعی قوانین کی تکمیل تک کے مرحلہ پر مبنی ہے۔ علم کا دوسرا طبقہ علم حیات سے تعلق رکھتا ہے اور یہ نباتات اور حیوانات کی زندگی کے علوم پر مشتمل ہے۔ اور اس کے بعد تیسرا اور آخری طبقہ علم النفسیات کہلاتا ہے۔ اس علم کی رو سے انسانی زندگی اور اس کے رجحانات کا مطالعہ کیا جاتا ہے انسانی مرحلہ تخلیق چونکہ ابھی جاری ہے۔ لہذا جب تک انسان اپنی زندگی کے مقصد سے اچھی طرح آگاہ نہیں ہو جاتا اور اپنی حیوانی زندگی یعنی نفسی خواہشات پر کنٹرول

Marfat.com

کر کے اپنی پوری توجہ اپنے مطلوب کی طرف نہیں لگا دیتا تب تک وہ طرح طرح کی نفسیاتی الجھنوں کا شکار رہے گا۔ اس لحاظ سے انسانی مرحلۂ تخلیق کے علم کو علم نفسیات کا نام دینا نہایت موزوں ہے۔ انسان کا اپنی اس نفسیاتی الجھن سے چھٹکارا پانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنے باقی ماندہ جسم کو جو ابھی سمندر کی بالائی سطح میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کو مادی سمندر سے مکمل طور پر باہر نکال لائے تاکہ اس کی پوری توجہ یکسوئی کے ساتھ اپنے خالق کی طرف ہو، جس کو وہ پہلے ہی مادی سمندر کی سطح سے باہر جھانک کر دیکھ رہا ہے۔ یہی اس کے سکون پانے کی راہ ہے۔ بہرکیف انسان کی خود شعوری اس بات کی شہادت ہے کہ وہ اپنے مطلوب کو دیکھ رہا ہے اگرچہ اس کے اردگرد کی فضا کو مادی سمندر کی خواہشات نے دھندلکے میں چھپا رکھا ہے۔ لیکن بالآخر اس کا اپنے مطلوب کو پالینا اس کا مقدر بن چکا ہے۔

انسان کے اندر یہ سوال بار بار اٹھتا ہے کہ زندگی کیا چیز ہے اور کہاں سے آئی ہے اور اس کی منزل کیا ہے لیکن وہ اس کے خاطر خواہ جواب سے قاصر رہتا ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے۔ کہ انسان اگرچہ خود شعور ہو کر جان چکا ہے کہ کائنات کے پیچھے اس کی طرح کوئی خود شعور ہستی موجود ہے تاہم اس ہستی یا خالق سے اچھی طرح واقف نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی زندگی اور اس کی منزل کو کائنات کے اندر ہی ڈھونڈتا ہے حالانکہ کائنات تو خود اس کی اپنی زندگی ہے جو اس کی پیدائش اور بچپن کے ابتدائی تعمیری مراحل کے علاوہ کچھ نہیں لہٰذا جب وہ زمین کی پہنائیوں اور آسمان کی بلندیوں پر سورج تاروں کے جھرمٹ کو گھور کر دیکھتا ہے تو اس کی نگاہیں مایوسی اور یقین کے ملے جلے جذبات کے ساتھ واپس لوٹ آتی ہیں۔ مایوسی اس لئے کہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ باوجود ان روشن، تابناک اور طاقتور اجسام کے وہ انسان کی طرح زندگی یا شعور کی لذتِ عشق و محبت سے بے بہرہ ہیں۔ وہ ان سب کو ایک اصول کے تحت زنجیر میں جکڑے عمل پیرا دیکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ انسان کے رازِ دروں کو جاننے یا اسے جواب دینے سے قاصر ہیں۔ البتہ

Marfat.com

انسان کی نگاہ کے مایوس لوٹنے کے اندر ایک یقین کی روشنی بھی شامل ہوتی ہے۔ جو خود بخود اس کے اندر سے ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ اس کی طرح کوئی باشعور ہستی ضرور ہے جس نے ان روشن کروں اور بھاری بھرکم اجسام کو آسمانوں میں معلق کر رکھا ہے۔ اس حیرت اور یقین کا نام انسان کی زندگی ہے۔ وہ کہاں سے آیا اور اس کا مقصد کیا ہے۔ اس کا جواب بھی اسے اس یقین میں ملتا ہے یعنی یہ کہ جس کی صفات وہ کائنات اور پھر اپنی خودشعوری کے اندر دیکھتا ہے وہی اس کی زندگی کا محور اور سرچشمہ ہے اور اس تک پہنچنا اس کی زندگی کا مقصد اور مقدر ہے۔ انسان کائنات اور خالق کے درمیان کھڑا ہے گویا اگرچہ وہ کائنات کے آخری مرحلہ میں اس کے اندر کھڑا ہے تاہم وہ اس سے باہر نکل کر اپنے خالق کو جھانکتا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ وہ مکمل ہو کر یعنی اپنے خالق کی صفات سے جلد از جلد متصف ہو کر کائنات سے باہر قدم رکھے اور اپنے خالق سے مل کر ابدی مسرت حاصل کرے۔ خالق اور انسان دونوں کا مقصد ایک ہی ہے خالق اپنے آپ کا مشاہدہ انسان میں کرنا چاہتا ہے اور انسان اپنی حقیقت اور منزل کو خالق میں ڈھونڈتا ہے۔ اور یہ دونوں ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔

Marfat.com

باب نمبر ۶

وجود و زندگی

کائنات کے اندر جن تخلیقی مراحل کا ذکر کیا گیا ہے اگر ان کو غور سے دیکھا جائے۔ تو زندگی بتدریج ادنیٰ شعوری حالتوں سے اٹھتے ہوئے بالآخر انسانی مرحلہ تخلیق میں اس کی خود شعوری کے اندر ظاہر ہوتی ہے۔ گویا کائنات کے یہ تخلیقی مراحل انسان ہی کی تعمیر کے تخلیقی مراحل تھے یہ مراحل اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں کہ گویا ہر مرحلہ اپنے آنے والے مرحلہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ مثلاً نورانی مرحلہ تخلیق کا مقصد یہ تھا کہ اس کی تکمیل پہ کرۂ ارض اور اس کے طبعی قوانین تخلیق پائیں۔ کرۂ ارض کی تکمیل پہ زندگی، نباتاتی مرحلہ تخلیق میں قدم رکھتی ہے اور پھر اس کی تکمیل کے بعد حیواناتی مرحلہ تخلیق شروع ہو جاتا ہے جس کی تکمیل کے بعد وجود و زندگی انسان کے مرحلہ تخلیق پہ پہنچ جاتی ہے۔ گویا ان زینہ بہ زینہ تخلیقی مراحل میں مقصد ایک تھا اور وہ انسان کی تعمیر ہے۔

اب انہیں مراحل کو اگر سطحی نظر سے دیکھا جائے تو وہ ایک دوسرے سے بالکل کٹے ہوئے بھی نظر آتے ہیں مثلاً ایک مرحلہ کی تکمیل کے بعد جب اس پہ دوسرا تخلیقی مرحلہ شروع ہوتا ہے تو پہلے مرحلہ کی تکمیل کے فوراً بعد اس کے اندر مزید تخلیق رک جاتی ہے اور خالق کی پوری توجہ دوسرے مرحلہ پہ لگ جاتی ہے۔ اور اسی طرح دوسرے مرحلہ کی تکمیل پر اس مرحلہ کی مزید تخلیق رک جاتی ہے اور اور خالق کی توجہ نئے مرحلہ کی تخلیق پہ لگ جاتی ہے ایک مرحلہ پہ تخلیق کے رک جانے کا مطلب یہ

Marfat.com

ہے کہ اس کے اندر دوسرے مرحلۂ تخلیق کے شروع ہونے سے پہلے جو تخلیق ہو سکتی ہے۔ بس وہ وہیں تک رہتی ہے۔ اس سے آگے بڑھنے کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس میں اب نئی نئی انواع واقسام ظہور میں نہیں آسکتیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی مرحلہ پہ تخلیق کی تکمیل تبھی ہوتی ہے۔ جبکہ وہ اپنے مرحلہ کی اسکیم کے مطابق ہر گوشے کی انتہائی حدوں کو چھو لیتی ہے ورنہ اگر اس کے اور بڑھنے کا ذرا بھی امکان ہو تو تخلیق اس کو حاصل کئے بغیر اپنی تکمیل نہیں کرتی البتہ تکمیل کے بعد خالق کی توجہ اگلے مرحلہ کی طرف لگ جاتی ہے۔ اس طرح یہ مختلف مراحل آپس میں ایسے کٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق ہی نہیں مثلاً انسانی مرحلہ تخلیق سے پہلے حیوانی مرحلۂ تخلیق ہے۔ اگر انسان چاہے کہ وہ واپس لوٹ کر حیوان بن جائے تو یہ ناممکن ہے اور اسی طرح اگر حیوان چاہے کہ وہ چھلانگ لگا کر انسانی مرحلۂ تخلیق میں داخل ہو سکے تو یہ بھی ناممکن ہے۔ گویا ہر مرحلۂ تخلیق کے دروازے دوسرے مرحلۂ تخلیق کے لئے بند ہیں۔ البتہ سابقہ مراحل جس حد تک کہ وہ نئے مرحلہ کے لئے ایک پلیٹ فارم کے طور پہ ممد ومعاون ہو سکتے ہیں، قائم رہتے ہیں یا اگر وہ نئے مرحلہ کے لئے اپنی افادیت کھو بیٹھیں تو آہستہ آہستہ مٹ جاتے ہیں۔ ہر مرحلہ پہ زندگی کی شعوری حالتیں بھی ایک دوسرے سے الگ ہیں گویا ہر مرحلہ پہ زندگی کی شعوری حالت اس مرحلہ کی نوعیت یا اقدار کے مطابق تکمیل حاصل کرتی ہے۔ اور پھر جیسے جیسے اوپر کے مراحل سے گزرتی ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ زندگی کی اعلیٰ سطح پر قدم رکھتی جاتی ہے۔ یہاں بھی ایک مرحلہ کی زندگی اگر دوسرے مرحلہ میں جانا چاہے تو ممکن نہیں۔ مثلاً اگر پودا چاہے کہ وہ حیوان کی طرح با شعور ہو جائے تو ناممکن ہے اور اسی طرح اگر حیوان چاہے کہ وہ انسان کی طرح خود شعور ہو جائے تو یہ بھی ناممکن ہے۔ اس طرح ہر مرحلۂ تخلیق میں زندگی زینہ بہ زینہ نئے وجود اور زندگی کے روپ میں ادنیٰ سے اعلیٰ اقدار کی طرف بڑھتی ہے اور ان مراحل کے اندر جو غور طلب بات ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرحلہ کی تکمیل کے بعد جب تخلیق دوسرے یعنی نئے مرحلہ میں قدم رکھتی

Marfat.com

ہے تو وہ اس نئے مرحلہ پر ایک ناقابلِ ذکر یعنی برائے نام وجود کے ساتھ آغاز کرتی ہے اور پھر اس نئے مرحلہ پر اس نئے مرحلہ کی اقدار کے مطابق جب پروان چڑھتی ہوئی تکمیل کو پہنچتی ہے۔ تو اس تکمیل کے ختم ہوتے ہی پھر اگلے مرحلہ پر نہایت ہی ابتدائی حالت سے آغاز کرتی ہے۔ گویا سابقہ مرحلہ کی تکمیل اگلے مرحلہ کے لئے آغاز بنتی ہے اور وہ آغاز از سر نو نہایت ہی ناقابلِ ذکر وجود سے اپنے نئے مرحلہ کی ابتدا کرتا ہے۔ مثلاً زمین کی طبعی قوانین کے اندر تکمیل پر جب زندگی نے نباتاتی مرحلہ تخلیق میں قدم رکھا تو اس نے اپنا آغاز ایک نہایت ہی ناقابل ذکر خلیہ کے وجود سے کیا اور پھر اس مرحلہ کی اقدار کے مطابق بڑھتے بڑھتے زمین کو درخت، پودوں اور سبزہ سے ڈھانپ دیا۔ اس مرحلہ کے تکمیل پر پہنچنے کے ساتھ ہی جب مزید انواعِ نباتات کے پیدا ہونے کے دروازے بند ہو گئے تو تخلیق نے حیوانی مرحلہ میں قدم رکھا۔ یہاں پر بھی نباتات کے مقابل جواب جنگلات اور انواع و اقسام کے درخت اور پودوں کی صورت میں کرہ ارض پر پھیل گئی تھیں۔ حیوانی مرحلہ کا آغاز ایک خوردبینی جاندار یعنی ایمیبا کے وجود سے ہوا اور پھر اس مرحلہ کی نئی اقدار کے مطابق جب حیوان بڑھتے بڑھتے ہر طرف زمین پر پھیل گئے تو اس مرحلہ کی تکمیل کے ساتھ ہی مزید انواع و اقسام کے جانداروں کے پیدا ہونے کے دروازے بند ہو گئے اور تخلیق نے موجودہ انسانی مرحلہ تخلیق میں قدم رکھا اس مرحلہ پر زندگی نے حیوانی نہیں بلکہ ذہن انسانی یا تصورات کے ایک ناقابل بیان شعوری جسم میں آغاز کیا۔ جو کہ غیر مادی نوعیت کا تھا یہاں یہ واضح کر دینا نہایت اہم ہے کہ انسان کا جسم حیوانی نہیں بلکہ وہ اپنے تصوراتی یا ذہنی جسم میں رہتا ہے اور اس کی زندگی خود شعوری کا احساس ہے۔ انسانی مرحلہ تخلیق میں قدم رکھتے ہی اس کا ذہنی جسم اور زندگی یعنی خود شعوری نہایت ہی ابتدائی حالت سے آغاز کرتی ہے۔ مثلاً شروع شروع میں انسانی ذہن کے اندر زندگی اسی حد تک خود شعور ہوئی کہ زمین پر وہ کوئی ایک الگ حقیقت ہے اور یہ کہ اس سے کوئی اعلےٰ چیز موجود ہے۔ جس کی اسے تلاش ہے

Marfat.com

مندرجہ بالا تشریح سے اس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود تھا کہ کائنات کے ان زینہ بہ زینہ اور بظاہر کٹے ہوئے تخلیقی مراحل میں جب ایک مرحلہ کی تکمیل کے بعد زندگی دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتی ہے تو وہ نئے مرحلہ کا آغاز ایک نہایت ہی ناقابل ذکر جسم اور اس کے ساتھ اس نئے مرحلہ پر زندگی کی شعوری اقدار کی نسبت نہایت ہی ادنےٰ شعوری اقدار سے شروع کرتی ہے۔ مثلاً اگر کرہ ارض کے تخلیقی مرحلہ سے پہلے کے، نورانی مرحلہ تخلیق کا اندازہ لگائیں تو اس کی وسعتیں پوری کائنات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے مقابل کرہ ارض کے تخلیقی مرحلہ پر، زمین کی ابتدا محض گیس کی اولین حالت تھی، جو کائنات کے سابقہ تخلیقی مظاہر یعنی نظامہائے شمسی وغیرہ کی تشکیل کے مقابل محض ایک ذرہ کی حیثیت رکھتی تھی اور پھر زمین کی تکمیل کے بعد نباتات کا محض ایک حیاتیاتی خلیہ کی صورت میں آغاز اور پھر نباتات کے روئے زمین پر چھا جانے کے مقابل ہی منزل پر حیوان کا ایک خوردبینی جاندار یعنی ایمیبا کے جسم میں آغاز، حتیٰ کہ انسانی مرحلہ تخلیق پر انسان کا مادی جسم کے بجائے ذہنی جسم میں آغاز بتاتا ہے کہ زندگی کے ساتھ جسم کی حالتیں بھی بدلتی رہیں اور یہ کہ ان کا ہر مرحلہ تکمیل کے بعد نئے مرحلہ میں نہایت ہی ناقابلِ ذکر جسم اور زندگی سے آغاز کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے اور پھر یہ کہ جسم سے کیا مراد ہے اور زندگی کیا ہے۔ یہ تینوں اہم سوال ہیں۔ ان کا جواب تلاش کرنے سے پہلے ہم تھوڑی دیر یہاں رکیں گے۔ ہم نے کہا ہے کہ کائنات کا جسم بھی ایک اکائی ہے اور زندگی بھی ایک اکائی ہے۔ لیکن ان تخلیقی مراحل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو آپس میں ایک دوسرے سے بالکل اس طرح الگ تھلگ ہیں کہ جیسے کٹے ہوئے ہوں گویا ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ آپس میں اجنبی ہیں کائنات کے اندر نظامہائے شمسی ایک الگ وجود کے ساتھ کائنات پر پھیلے ہوئے ہیں پھر زمین اپنی ساخت اور طبعی قوانین کی بالادستی سے باقی کائنات کی نسبت الگ تھلگ شان و شوکت کی مالک ہے۔ نباتات اپنی انواع و اقسام اور رنگ و بو سے ایک الگ دنیا رکھتی ہے۔ اسی طرح حیوان الگ تھلگ چوکڑیاں بھرتے پھرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور کسی

Marfat.com

چیز کا وجود قابل ذکر نہیں۔ اور انسان ہے کہ ان سب چیزوں کو حیرت سے دیکھتا ہے اور پھر گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے گویا اسے ان سب چیزوں کی ماہیت کا احساس ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ کو معلوم کرنے کے درپے ہے اور تمام کائنات میں اپنے آپ کو ایک الگ دنیا میں پاتا ہے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرحلہ تخلیق میں جسم اور زندگی کی حالتیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں اور اس طرح کٹی ہوئی ہیں کہ گویا ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں مگر ایسا نہیں۔ ان مراحل کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے اور یہ تعلق ہونا لازمی ہے ورنہ تخلیق آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی ایک اکائی ہے۔ اگر یہ سابقہ زندگی سے کٹ جائے تو یہ محض خلا میں معلق ہو کر رہ جائے۔ یعنی اس کے سابقہ حاصلات کا اس کے اندر بطور یادداشت ہونا لازمی ہے تاکہ نئے مرحلہ کو سمجھنے اور اس پر آگے بڑھنے کے قابل ہو۔ اگر سابقہ یادداشت بالکل ختم ہو جائے تو وہ آگے کیسے بڑھ سکے گی۔ مثلاً اگر کوئی بچہ پہلی جماعت میں حروف تہجی پڑھنے کے بعد دوسری کلاس میں جاتا ہے تو اگر وہ پہلی کلاس کے حاصل کئے ہوئے اسباق کو بالکل بھول جائے تو وہ دوسری جماعت جس کے مضامین کی ابتداء وہ از سر نو نہایت ابتدائی حالت سے کرتا ہے آگے نہیں بڑھ سکتا لہٰذا ایک مرحلہ کی تکمیل کے بعد دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتے ہی اگرچہ تخلیق اپنی تمام تر توجہ نئے مرحلہ کی طرف، جو کہ اس کے شعوری درجہ کو فی الفور اونچے مقام پر لے آتی ہے، لگا دیتی ہے تاہم اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس منزل پر داخل ہونے کے ساتھ ساتھ ان سابقہ حاصلات کو اپنے ذہن یا جسم میں محفوظ رکھے کیونکہ سابقہ مراحل کے اندر جو اسے زندگی اور شعور حاصل ہوا ہے اگر وہ اس کو بھول جائے تو اس کے موجودہ منزل پر بڑھنے کے امکان باقی نہیں رہتے یہ سابقہ منزل ہی تھی کہ جس نے اسے اگلی منزل کے قابل بنایا اور جو اس کے نئے مرحلہ پر اس کے نیچے بطور بنیاد کے قائم ہے۔ لہٰذا تخلیق کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذہنی طور پر سابقہ منزل سے رابطہ اس طرح قائم رکھے کہ وہ سابقہ منزل سے باہر بھی رہے تاکہ وہ اپنی نئی منزل پر آزادانہ بڑھ سکے اور اس

Marfat.com

کے ساتھ ساتھ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سابقہ منزل سے بالکل کٹ بھی نہیں ورنہ نئی منزل پر بڑھنے کے قابل نہ رہے گی۔ دوسرے لفظوں میں اس تعلق کی نوعیت ایسی ہونی چاہیئے کہ جس سے تخلیق کی پوری توجہ نئی منزل کو جاننے اور اس کی اقدار کے مطابق تگ و دو کرنے کے لئے وقف ہو سکے ورنہ اگر وہ سابقہ منزل کے حاصلات کو ہی نئی منزل پر اخذ کرنے میں تمام توجہ صرف کر دے تو اس کا نئی منزل پر قدم رکھنا بے معنی ہو جاتا ہے یہاں پر اس اہم بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ایک دفعہ سابقہ تخلیقی مرحلہ کے دروازے بند ہو جانے اور نئے مرحلہ پر تخلیق کے داخل ہو جانے سے نئے مرحلہ پر تخلیق کے اندر اس نئے مرحلہ کے لئے جو کشش ہوتی ہے۔ وہ سابقہ زندگی یا کشش سے کہیں زیادہ ہوتی ہے بلکہ وہ زندگی کی نئی روشنی میں سمٹ جاتی ہے لہذا یہ نئی کشش ہی اس کے نئے مرحلہ پر زندگی ہوتی ہے اور وہ تخلیق کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اس اعلےٰ زندگی کی اقدار کو زیادہ سے زیادہ دریافت کرے اگر تخلیق ایسا نہیں کرتی تو اس کے لئے کوئی اور راہ باقی نہیں رہتی۔ سابقہ مرحلہ میں تو وہ اب داخل نہیں ہو سکتی اور نئے مرحلہ پر اسے جو نئی روشنی یا زندگی میسر آئی ہے وہی اس کی متاع ہے لہذا اس کی کشش زندگی کو اس کی زیادہ سے زیادہ اقدار حاصل کرنے کے لئے حرکت پر مجبور کرتی ہے۔ گویا زندگی جس مرحلہ میں ہے وہ وہاں سے اِدھر اُدھر بھاگ نہیں سکتی۔ لہذا ہر نئے مرحلہ پر تخلیق سابقہ حاصلات کو ایسے عمل سے حاصل کرتی ہے جس سے خود بخود اور لاشعوری طور پر وہ سابقہ حاصلات کو اپنے اندر دھراتی رہے اور اس طرح سابقہ مراحل سے لاشعوری رابطہ قائم رکھ کر بذاتِ خود نئی منزل پر پوری توجہ اور جدوجہد کر سکے۔ نئے مرحلہ پر مندرجہ بالا شرائط کے علاوہ ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ وہ نئی منزل پر چونکہ ایک الگ تھلگ مرحلہ کی حیثیت سے آغاز کرتی ہے اور اس مرحلہ کی مجموعی اقدار کے مطابق زندگی کو ایک مسلسل اور لامحدود جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ جدوجہد کسی مرحلہ کی اقدار کی نوعیت متعین کرتی ہے۔ لہذا زندگی کی جدوجہد کی طبعی عمر اس بات پر منحصر

Marfat.com

ہوتی ہے کہ وہ زندگی کس حد تک مادی گرفت سے آزاد رہ کر عمل کر سکتی ہے دوسرے یہ کہ اس کی منزل کی نئی اقدار یا شعوری وسعت کتنی ہے جن کو کہ خالق کے منصوبہ کے مطابق زندگی کو اس مرحلہ پر حاصل کرنا ہے بہرحال چونکہ زندگی مادی اثرات (مادی اثرات یا مادی زندگی سے مراد سابقہ مراحل کی ادنٰے شعوری اقدار سے ہے) سے پوری طرح آزاد نہیں ہوتی اور چونکہ وہ اپنی نئی اقدار کے تحت ایک محدود عرصہ تک مادی جمود کو توڑنے اور نئی اقدار حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر سکتی۔ اس لئے زندگی کے ہر مرحلہ کا دارومدار اس مرحلہ کی اقدار اور زندگی کے سابقہ مرحلہ یا مراحل کے مادی اثرات پر برتری پر منحصر ہوتا ہے۔ زندگی بہرحال اپنی اقدار کو حاصل کرنے اور مادی اثرات کی پابندی کی وجہ سے طبعی عمر کی قید کے نقصان کو پورا کرنے کے لئے اپنے آپ کو متعدد جسمانی یونٹوں میں منتقل کرتی رہتی ہے زندگی کا کسی مرحلہ پر متعدد یونٹوں میں منتقل ہوتے رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر مرحلہ پر جو شعوری اقدار حاصل کرنا ہوتی ہیں وہ لاانتہا اور متنوع ہوتی ہیں لہذا زندگی اپنے آپ کو ان متعدد اجسام میں پھیلا کر بہتر اور آسان طریقے سے ان اقدار کی تکمیل حاصل کر لیتی ہے۔ لہذا زندگی کو نئے مرحلہ پر جاری رہنے کے لئے اپنے سلسلۂ بقا کو بذریعہ نسل جاری رکھنا پڑتا ہے اور اس غرض کے لئے زندگی خود اپنی زندگی پر عمل کرتی ہے یعنی نئے مرحلہ پر زندگی کے ظاہر ہوتے ہی چونکہ کائنات میں سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ یا منفرد حقیقت وہ خود ہی ہوتی ہے اور اس نئے مرحلہ پر اس کے اندر خالق کی کشش و محبت کی جو نئی روشنی میسر آتی ہے اس کی ابھی کھل کر نمود نہیں ہوتی لہذا وہ اپنی حیات کو ہر صورت ضائع ہونے سے بچانا چاہتی ہے اور اس غرض کے لئے وہ اپنے آپ کو روحانی طور پر طالب و مطلوب کی حیثیت سے دو یونٹوں میں تقسیم کر کے اپنے مشاہدہ کے اندر خالق کی فطری محبت کو عارضی طور پر مطلق بھی کر لیتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی کو اپنی روحانی سطح یا تخلیقی مرحلہ پر جاری و ساری بھی رکھتی ہے تاآنکہ وہ اپنے مرحلہ کی تمام شعوری اقدار کو حاصل کر کے اپنی تکمیل حاصل نہیں کر لیتی یہاں مختصراً اس بات کی طرف اشارہ

Marfat.com

کرنا بھی ضروری ہے کہ زندگی کی طبعی عمر کا اطلاق زیادہ تر نباتاتی اور حیوانی مراحل زندگی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ ان مراحل میں زندگی مادی اثرات کے زیر اثر رہتی ہے۔ البتہ انسانی مرحلہ پر زندگی کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ انسان حیوانی جسم میں نہیں رہتا بلکہ وہ اپنی خودشعوری کے مرحلہ پر ذہنی جسم میں رہتا ہے۔ جس طرح خودشعوری کا مطلب "شعور کی" اپنے آپ سے پہچان ہے اسی طرح اس کے ذہنی جسم کا مطلب مادہ کو مادی حیثیت سے نہیں، بلکہ اس کو تصورات میں ڈھال کر، شعور میں منتقل کرتے رہنے کا نام ہے۔ انسانی ذہنی جسم مادی نہیں بلکہ شعوری اقدار کا حامل ہوتا ہے۔ جس کی تشکیل اس کے خیالات اور تصورات کرتے ہیں۔ لہٰذا انسان کے ذہنی جسم کا حیوانی جسم سے تعلق محض حیوانی مرحلہ تخلیق سے تعلق قائم رکھنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ جس طرح نباتاتی مرحلہ پر زندگی اپنی سوتیں زمین کے اندر رکھنے کے باوجود اپنے مرحلہ کی اقدار میں اپنی الگ دنیا کی تکمیل حاصل کرتی رہی ہے اور بالآخر وہ حیوانی مرحلہ پر زمین کی قید سے اپنے آپ کو آزاد کر لیتی ہے اسی طرح انسان کا ذہنی جسم، اگرچہ حیوانی جسم کے اندر اپنی سوتیں رکھتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود اپنی خودشعوری کی الگ دنیا میں رہتے ہوئے اس کی اقدار کی تکمیل حاصل کرنے میں مصروف رہتا ہے اور اس کی خودشعوری کی زبردست خواہش کائنات کی ان مادی حالتوں سے اپنے آپ کو آزاد کرنا ہے نباتاتی مرحلہ پر زندگی مادی اثرات میں دبی ہوئی تھی اور اگرچہ اس نے ایک لمبی جدوجہد کے بعد اپنے آپ کو زمین سے الگ کر لیا تھا اور حیوانی مرحلہ میں پہنچ کر مادی اثرات سے کافی حد تک آزادی حاصل کر لی تھی تاہم حیوانی مرحلہ تخلیق پر بھی زندگی مادی سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ طبعی قوانین، مادہ کی تنظیمات میں جکڑے ہوئے تھے تو حیوان اپنی جبلتوں کی قید میں پڑا ہوا تھا گویا حیوانی مرحلہ پر بھی زندگی مادی پردے سے باہر نہیں آ سکی تھی۔ البتہ انسانی مرحلہ پر زندگی کی نوعیت، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے، بالکل بدل جاتی ہے۔ انسان خودشعوری کے مرحلہ میں قدم رکھتے

Marfat.com

ہی تمام مادی زنجیروں کو توڑ دیتا ہے۔ اور براہ راست کائنات کو ایک وحدت میں بندھے اصولوں پر بر سر عمل رہنے کے سوا اور کچھ نہیں پاتا۔ اس حقیقت کے ساتھ اسے کائنات کے پیچھے ایک خود شعور ہستی کا پہلی دفعہ ادراک ہوتا ہے انسان کے اندر شعوری یا غیر شعوری طور پر شعور مطلق کی ہستی کا احساس ہو جانا اسے شعوری طور پر یکدم اس مادی کائنات سے باہر لے آتا ہے اور جس طرح نباتاتی مرحلہ تخلیق پر نباتاتی زندگی کی زبردست خواہش زمین کی گرفت سے اپنے آپ کو آزاد کرنا تھی۔ اسی طرح انسان کی خود شعوری کی زبردست خواہش اپنے آپ کو مادی کائنات سے باہر نکالنا ہے۔ انسان زندگی کے دوراہے پر کھڑا ہے ایک طرف تو اس کی خود شعوری اسے خالق کی تلاش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور دوسری طرف چونکہ وہ مادی کائنات کے اثرات سے بالکل آزاد نہیں ہوا لہٰذا وہ مادی حقیقت کو زیادہ سے زیادہ پہچان کر اپنی حقیقت کو پہچاننا چاہتا ہے انسان کے موجودہ مرحلہ تخلیق میں اگرچہ انسانی جسم یعنی ذہن، اپنی شعوری اقدار اور مرحلہ کی نوعیت کے اعتبار سے حیوانی مرحلۂ سے بالکل الگ تھلگ ہے مگر انسان کا ذہنی جسم چونکہ فوری طور پر حیوانی جسم کے اوپر اٹھتا ہے یعنی جیسے نباتاتی مرحلۂ تخلیق میں نباتات اپنی سوتیں زمین کے اندر رکھتی تھی۔ اسی طرح انسان کا ذہنی جسم اپنی سوتیں حیوانی جسم کے اندر رکھتا ہے لہٰذا انسانی ذہنی جسم کا حیوانی جسم پر اور حیوانی جسم کا انسانی ذہنی جسم پر گہرا اثر پڑتا ہے اور یہ دونوں اپنی اپنی اقدار کے اندر رہتے ہوتے ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ حیوانی جسم یا نفس کی خواہش اپنی جبلتوں کی تشفی اور تسکین ہے اور انسانی خود شعوری کی خواہش جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ اپنی خود شعوری کی تکمیل ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنی خود شعوری کے جذبہ کو مطمئن کرنے کے لئے نہایت ہوشیاری اور محنت سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ حیوانی طبعی عمر کے دوران اپنے اس جذبہ کو زیادہ سے زیادہ مطمئن کرلے تاہم حیوانی جسم جب اپنی طبعی عمر کو پہنچتا ہے تو انسان ان تمام نئی اقدار سے جو اس کی خود شعوری پر روشن ہوتی رہیں

Marfat.com

اور جنہیں وہ فکر و عمل میں ڈھال کر اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہتا ہے، اگلی کائنات کی تشکیل کرتا ہے۔ انسانی خودشعوری بہرکیف موت سے آشنا نہیں۔ طبعی موت صرف حیوانی نفس یا حیوانی تنظیم کی موت ہوتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ، جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے، یہ ہے کہ زندگی جب ایک دفعہ اگلے مرحلہ پہ قدم رکھ دیتی ہے تو وہ نچلے مرحلہ پر کبھی نہیں آتی اور اگر وہ ایسا کرے گی تو اس سے تخلیق کائنات کے اس بڑے اصول کی نفی ہو جاتی ہے۔ جو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ایک دفعہ زندگی کسی مرحلہ پہ داخل ہو جائے تو پھر وہ اس مرحلہ کی شعوری اقدار سے نیچے نہیں آ سکتی۔ انسانی زندگی چونکہ خودشعوری سے آشنا ہے اور حیوانی نفس کی طرح محض ایک تنظیمی حالت نہیں جو مادی اثرات کے اندر ڈوبی ہوئی ہو، لہٰذا وہ حیوانی جسم کے چھوڑنے کے بعد اپنی الگ تصوّراتی زندگی میں زندہ رہتی ہے اور یہ حالت اس وقت تک طاری رہتی ہے جب تک خودشعوری مکمل طور پہ مادی کائنات میں اپنی حقیقت کو پہچان کر اپنی تکمیل حاصل کر کے اگلے مرحلہ پہ قدم نہیں رکھ دیتی دراصل نباتاتی اور حیوانی مراحل پہ زندگی انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ مرحلہ کی مجموعی حیثیت سے اپنی شعوری اقدار کی حفاظت کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان مراحل میں زندگی مادی سمندر میں ڈوبی رہتی ہے اور اسے اپنے شعور کا پتہ نہیں ہوتا۔ یہ درست ہے کہ ان مراحل میں زندگی مختلف جسمانی تنظیمات میں آگے بڑھتی رہی ہے لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے۔ یہ تنظیمیں خودشعور نہیں تھیں یا دوسرے لفظوں میں شخصیت کی حامل نہیں تھیں بلکہ محض ایک تنظیمی حالت میں تھیں۔ تنظیمی حالت کا مطلب یہ ہے کہ ان مراحل میں شعور ابدی حقیقت سے آشنا نہیں تھا۔ انسانی خودشعوری میں اگر شخصیت قائم ہوتی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کے اندر ابدی حقیقت کی آگہی موجود ہے۔ حقیقت سے آگہی کا نام ہی خودشعوری ہے۔ چونکہ ابدی حقیقت تغیّر پذیر نہیں لہٰذا اس متحرک کائنات میں صرف انسان اس بلندی پہ قدم رکھتا ہے جہاں اس کے ابدی حقیقت سے آگاہ ہونے پہ خود اس کے اندر بھی استحکام پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح انسان ابدی حقائق کا راز داں ہونے کی وجہ

Marfat.com

سے ابدیت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

جسم کیا ہے

اب پھر ہم اپنے مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہم سابقہ صفحات میں اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ نئے مرحلہ پہ داخل ہوتے ہی زندگی کو آگے بڑھنے کے لئے تین بنیادی شرائط کا پورا کرنا لازمی ہے۔ اوّل یہ کہ اس کا سابقہ مرحلۂ سے باہر رہنا اس کی نئی منزل اور اعلٰے زندگی کی روشنی کا تقاضا ہے۔ دوم یہ کہ چونکہ بہرحال زندگی ایک ہے لہذا اس کو اپنی سابقہ شعوری اقدار سے تعلق رکھنا ضروری ہے اور یہ تعلق جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے سابقہ منزل یا مرحلۂ سے باہر رہ کر رکھنا ہوتا ہے اور تیسری شرط یہ ہے کہ زندگی کو نئے مرحلۂ پر مسلسل جدوجہد کی خاطر زندگی کی سطح پر عمل کر کے سلسلۂ نسل جاری رکھنا ہوتا ہے تاکہ وہ اس مرحلۂ کی تمام اقدار کی تکمیل حاصل کر سکے۔ یہ عمل جس چیز کے ذریعہ سرانجام پاتا ہے اس کو ہم جسم کہتے ہیں زندگی ہر نئے مرحلہ پر داخل ہونے کے لئے اپنے آپ کو ایک نئی تنظیم میں ڈھال کر باہر لاتی ہے اس تنظیم میں نہ صرف سابقہ مراحل سے تعلق یا واسطہ قائم رکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے بلکہ نئی منزل پر جدوجہد کرنے اور روحانی طور پر آگے بڑھنے کی کما حقہ استعداد بھی موجود ہوتی ہے۔ اگر تخلیق یہ نیا جسم، نئے مرحلہ پر اپنے ساتھ نہ لائے تو وہ سابقہ مرحلہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ہر نئی منزل پہ تخلیق نہایت ہی نچلے درجہ سے آغاز کرتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس مرحلۂ کی اقدار کو حاصل کرتی ہوئی تکمیل کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر مرحلہ کے منصوبے سابقہ مرحلہ کے منصوبوں سے یکسر الگ اور اعلٰے اقدار پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور یاد رہے کہ یہ فرق ڈگری کا نہیں بلکہ الگ رجحانات اور خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ لہذا نئے مرحلہ پہ پروان چڑھنے کے لئے زندگی نہایت ابتدائی شعوری حالتوں اور ناقابل ذکر جسم سے آغاز کرتی ہے جس کے، ابتدا میں، محض یہ لوازمات ہوتے ہیں کہ وہ سابقہ تخلیقی

Marfat.com

مراحل کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اور نئی منزل پہ داخل ہوتے ہی اس کے اندر لاشعوری طور پر خالق کی محبت جو زندگی کی صورت میں ایک نئی روشنی اور کشش میں ظاہر ہوتی ہے اس کی اقدار کو مزید پروان چڑھانے اور جدوجہد کرنے کی استعداد رکھتی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی بقا یا تحفظ کی خاطر اسے بذریعہ نسل آگے منتقل کرنے کی اہل ہو۔ اب ہر مرحلہ چونکہ نئی اقدار اور نئی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے اور زندگی چونکہ ہمیشہ ایک وحدت میں اٹھتی ہے لہذا جب نئے مرحلہ کا آغاز ہوتا ہے تو زندگی جسم کے ایک یونٹ یا کل میں ابتدا کرتی ہے۔ مثلاً نباتات کا تخلیقی مرحلہ ہو یا حیوانات کا تخلیقی مرحلہ یا پھر انسانی خودشعوری کا مرحلہ تخلیق ہو ان سب مراحل میں چونکہ زندگی کی خصوصیات اور اقدار اپنی نوع اور قسم میں یکسر ایک دوسرے سے مختلف اور اعلےٰ ہیں لہذا زندگی، نباتاتی مرحلہ پہ خلیہ کے ننھے جسم میں اور پھر حیوانی مرحلہ پہ امیبا کے ننھے جاندار میں اور پھر انسانی مرحلہ پر اس کی خودشعوری کے ذہنی تصورات کے اندر جسم کے ایک یونٹ کی حیثیت سے قدم رکھتی ہے پھر جیسا کہ پہلے بار بار بیان کیا گیا ہے چونکہ ہر مرحلہ پہ زندگی کائنات میں سب سے زیادہ قیمتی شے خود ہی ہوتی ہے اور اس زندگی کی روح یا محرک، شعورِ مطلق کی محبت یا اس کی غیر شعوری کشش ہوتی ہے لہذا آگے بڑھنے کے لیے زندگی اپنے جسم کو روحانی طور پہ دو حصوں میں منقسم کر لیتی ہے اور بعدازاں جیسے جیسے وہ اپنے تخلیقی مرحلہ کی اقدار حاصل کرتی جاتی ہے ویسے ہی ویسے جسم کی تشکیل کرتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ حیوانی مرحلہ پہ زندگی اپنے آپ کو جسم کے دو یونٹوں میں مکمل طور پہ الگ کر لیتی ہے اور انسانی مرحلہ تخلیق پہ زندگی، جو ابتدا میں محض اپنی الگ ہستی کے طور پہ اپنے شعوری تصورات یا ذہنی جسم میں آغاز کرتی ہے بتدریج اپنے تصورات کے اندر، خالق اور اپنی خودشعوری کو اپنے ذہنی تصورات میں تقسیم کر کے مطمئن کرتی رہتی ہے اور پھر جیسے جیسے اس کے تصورات خالق کی حقیقت سے آشنا ہوتے جاتے ہیں۔ ویسے ویسے ہی انسان کی خودشعوری خالق کی محبت اور اپنی شخصیت میں طالب و مطلوب کی حیثیت سے الگ الگ یونٹوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے

کا مشاہدہ اور کشش محسوس کرتی رہتی ہے ہمیں ان تخلیقی مراحل کے اندر جس ایک زبردست حقیقت کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ جسم زندگی یا روح کو پیدا نہیں کرتا بلکہ یہ زندگی ہے۔ جو جسم کو اپنے مقصد کے لئے ڈھالتی ہے۔ لہٰذا جسم کی حقیقت محض عارضی ہے جسے شعور یا زندگی اپنی اقدار کے مطابق متعین کرتی ہے۔ لہٰذا یونہی زندگی مرحلہ بہ مرحلہ اپنی اقدار میں زیادہ سے زیادہ خالق کے شعور سے واقف ہوتی جاتی ہے ویسے ہی وہ اپنے جسم کو بھی مادی سے شعوری اقدار میں منتقل کرتی جاتی ہے گویا زندگی مادی مراحل میں مادی پردے یا علامتوں کے اندر اپنے مقصد کی طرف بڑھتی رہی ہے اور پھر بتدریج ہر مرحلہ تخلیق پر اپنے جسم کو کثیف سے لطیف مادی علامات کے اندر تشکیل کرتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان نے اپنے جسم کی تشکیل یا اس کا آغاز اپنے تصورات میں کیا۔ اسے ہم ذہنی جسم بھی کہہ سکتے ہیں انسانی مرحلہ پر گویا ذہنی جسم نے یکسر مادہ کو تصورات کی علامات سے بدل دیا اور اس طرح انسان کی خودشعوری جس جسم کی تشکیل کرتی ہے وہ مادہ سے بالکل پاک اور الگ وجود کی حیثیت سے ابھرتا ہے۔ اس طرح انسان اپنے ذہنی جسم میں کائنات اور اس کے تمام مادی مظاہر کو اپنے تصورات کی شعوری علامات میں سمیٹ لیتا ہے گویا جس طرح حیوان نے مادی خواص یعنی زندگی کی ابتدائی حالتوں کو اپنے حواس میں سمیٹ لیا تھا، انسانی خودشعوری کی سطح پر انسان تمام کائنات اور اس کے مظاہر کو خالق کی حقیقت کے مظہر کے طور پر اپنے تصورات میں سمیٹ لیتا ہے اس ذہنی جسم کی تشکیل ابھی جاری ہے اور اسی طرح انسانی خودشعوری کو ابھی مزید خودشعور ہونا ہے لہٰذا یونہی انسان بحیثیت اپنی نوع خودشعوری کی تکمیل حاصل کر لیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ذہنی جسم کی تشکیل کو مکمل کر لیتا ہے تو وہ مادی یا متحرک کائنات کی قید سے آزاد ہو کر خودشعوری کے اگلے مرحلہ یعنی خالق حقیقی کی روحانی کائنات کے اندر قدم رکھے گا جہاں پہ وہ اگلے مرحلہ کی اعلےٰ روحانی اقدار کے تحت اپنی ذہنی و روحانی زندگی کو از سر نو متعین کرے گا۔

Marfat.com

شعور مطلق اپنے تخلیقی عمل میں اپنے آپ کا اظہار کرتا رہتا ہے یہ اظہار جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں شعور کی فطرت اور اس کی ہستی کی دلیل ہے۔ انسان خالق کے اپنے اظہار کا ایک اعلےٰ نمونہ ہے اور اس کے اندر خالق کے مزید اظہار کا عمل جاری ہے۔ جس طرح شعور مطلق، شعور محض یا زندگی ہے اسی طرح اس کی صفات جلال و جمال بھی زندگی کی اقدار کی حامل ہوتی ہیں۔ خالق کی یہ زندہ صفات مادی مرحلہ تخلیق میں گویا اس کے فرشتے ہیں جو خالق کی چاہت کے مطابق اپنے اپنے عمل میں مصروف رہتے ہیں۔ طبعی قوانین جن کو ہم فطرت کہتے ہیں اور جن پر زندگی کے مختلف تخلیقی مراحل اٹھتے ہیں وہ غیر متبدل اور تخلیق کے لئے ابدی قواعد و ضوابط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان قواعد و ضوابط پر جو تخلیق اٹھتی ہے وہ ان کو توڑتی نہیں بلکہ انہیں قواعد ضوابط کے تحت خالق کی صفات کے اندر تخلیق پروان چڑھتی ہے۔ طبعی قوانین گویا خالق کی عادت ہے۔ جن کو خالق کبھی نہیں بدلتا۔ جب تک کہ وہ خود ایسا کرنا نہ چاہے لہذا اگر انسان چاہے کہ وہ حیوانی جسم کے اندر رہتے ہوئے طبعی قوانین کے دائرے کو توڑ کر کائنات سے باہر نکل سکے تو ایسا ہرگز ممکن نہیں خواہ وہ کتنے ہی زوردار راکٹ استعمال کیوں نہ کرے طبعی قوانین کا دائرہ زندگی کی تمام مادی حالتوں کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ طولاً و عرضاً کم سے کم ایٹم کے ذرہ کی مقدار سے لے کر روشنی کی رفتار کی حدود کے اندر رہتا ہے اور ایک دفعہ ان قوانین کے تکمیل کو پہنچ جانے کے بعد ان میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں۔ انسان اگر ہوا کے دوش پر ہوائی جہاز کی مدد سے ٹنوں وزن اڑا کر لے جاتا ہے تو یہ طبعی قوانین کی نفی نہیں بلکہ وہ انہیں قوانین کا سہارا لے کر ہوائی جہاز کی تعمیر کرتا ہے جس کے جیٹوں میں ہوا سے آکسیجن کو جلا کر وہ فطرت کے اصولوں کے تحت قوت حاصل کرتا ہے یا پھر اگر وہ پانی کی تیز دھار کو بند باندھ کر روک دیتا ہے تو یہ بھی فطری قوانین کی نفی نہیں بلکہ وہ پانی کی قوت کے مطابق بند کی صورت میں قوت کو مزاحمت کے طور پر استعمال کرتا ہے یا پھر اگر وہ کمپیوٹر کی ایجاد سے سمجھتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت طبعی قوانین کی نفی کر کے

Marfat.com

اس مادی کائنات سے باہر نکل سکے گا تو یہ بھی تمام خیالی ہے۔ اس کے کمپیوٹر طبعی قوانین کی نفی نہیں کرتے بلکہ انسان ان کو عین انہیں کی حدود اور اقدار کے تحت تعمیر کرتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ طبعی قوانین ریاضیاتی اصول ہیں تمام مادی حالتیں انہیں ریاضیاتی اصولوں پر ڈھلی ہوئی ہیں۔ انسان جب فطرت سے الگ ہٹ کر محض اپنے ذہن سے تشکیل کی گئی ریاضیاتی قدروں کے ذریعے فطرت پر عمل کر کے دیکھتا ہے تو وہ ان کو فطرت کے عین مطابق پاتا ہے۔ لہٰذا ہر تخلیقی مرحلہ پر تخلیق جب ایک تکمیل حاصل کر لیتی ہے تو وہ اس کو ضائع نہیں کرتی بلکہ اسی پر مزید تخلیقی مراحل پروان چڑھتے ہیں۔ ہر نیا تخلیقی مرحلہ سابقہ مرحلہ کی اقدار کو ایک نئے اچھوتے رنگ میں اس طرح ڈھال کر باہر لاتا ہے کہ جس سے سابقہ مرحلہ پر تکمیل یافتہ اقدار کی نفی بھی نہ ہو اور اس کے ساتھ ہی نئے مرحلہ کی اقدار بھی اپنی اعلیٰ قدروں کے ساتھ پروان چڑھتی رہیں۔ چنانچہ طبعی مرحلہ کی تکمیل کے بعد اگر ہم نباتاتی مرحلہ تخلیق کے اندر زندگی کا ظہور دیکھیں تو ہمیں نباتات کے ایک ایک پودے اور پھول پتے میں اس کی نرمی، نزاکت رنگوں کے اندر حسن واعتدال، پھلوں کے اندر رس اور ذائقہ، سرسبز و شاداب سبزہ اور ان سب کے اندر ایک اعتدال اور موزونیت اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ کہ نباتاتی مرحلہ پر زندگی نے اپنے سابقہ مرحلہ یعنی طبعی قوانین کی نفی نہیں کی بلکہ اُن قوانین کے اندر رہتے ہوئے ان کو اپنی زندگی کی اقدار کے مطابق ایک نئے سانچے میں ڈھال کر باہر لے آئی ہے۔ گویا ہر پودا اور ہر درخت طبعی قوانین کے اندر رہتے ہوئے ایک نئے فارمولے کے ساتھ زندگی کا اظہار کر رہا ہے۔ اور پھر حیوانی مرحلہ تخلیق پر حیوانی شعور نہ صرف طبعی قوانین بلکہ ان کے اوپر اٹھنے والی نباتاتی قدروں کی نفی کئے بغیر ان مراحل پر زندگی کی مادی حالتوں کو اپنی نئی شعوری اقدار یعنی حسوں کے اندر اتار لیتا ہے۔ حیوانی حواس گویا طبعی اور نباتاتی اقدار کو، جن میں شعور اور حسن دونوں شامل ہیں ایک نئے انداز میں شعوری فارمولوں کے اندر ڈھال کر زندگی کو حقیقت کے اور قریب لے آتے ہیں۔ ان حواس کے ذریعے زندگی نہ صرف مادہ کی گرم

Marfat.com

سرد، ٹھوس، مائع حالتوں، فطرت کے اندر حسن و توازن اور پھل پھول کے اندر خوشبو اور رسوں کے ذائقے، زندگی کی مادی حالتوں کے اندر حرکات یا آواز کے اتار چڑھاؤ اور اشیاء کی دوری و نزدیکی یا روشنی کا امتیاز کرتی ہے بلکہ یہ حواس حیوانی مرحلہ پر مادی خواص یا سابقہ زندگی کے مادی رجحانات کو ناپنے اور جاننے کے شعوری پیمانے بھی ہیں ان پیمانوں کے اندر حیوانی نفس کشش اور لذت بھی پاتا ہے ان حسوں سے اخذ کی ہوئی لذتیں یا کشش، حیوان کے اندر جبلتوں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور ان سب کی نوعیت مادی ہوتی ہے

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں مادہ کوئی الگ حقیقت نہیں۔ زندگی نے تخلیقی عمل یا حرکت کے اندر سب سے پہلے جس شکل میں ظہور کیا اسے ہم مادہ کہتے ہیں۔ مادہ گویا زندگی کی حرکت کی عملی شکل ہے اگر ہم ایٹم کو توڑ کر زندگی کو فنا کر دیں تو ایٹم کے اندر فوراً حرکت ختم جائے گی اور اس طرح ایٹم خود اپنی مادی شکل کو چھوڑ دے گا۔ گویا نباتات یا حیوان کی طرح مادہ بھی زندگی کی ایک نہایت ابتدائی تنظیم ہے جس طرح باتی یا حیوانی مراحل پر ہم زندگی کو ایک ہی مرحلہ کے اندر مختلف انواع کی تنظیم کی صورت میں دیکھتے ہیں اسی طرح اس مادی مرحلہ پر بھی زندگی نے خود کو مختلف النوع مادی تنظیموں میں ظاہر کیا۔ یہ مادی تنظیمیں وہی ہیں جن کو ہم انرجی یا قوت کے کئی نام دیتے ہیں مثلاً کینیاٹک انرجی، الیکٹرو مگنیٹک انرجی، کیمیکل انرجی، اٹامک انرجی، وغیرہ۔ مادی مرحلہ تخلیق میں زندگی نے لاانتہا فلکی اجسام اور پھر بالآخر نظامہائے شمسی میں انرجی کی ان مختلف النوع تنظیموں کی صورت میں جب تکمیل حاصل کر لی تو زندگی کی اس مرحلہ کے منصوبہ کے اندر مزید جدوجہد ختم ہو جاتی ہے اور زندگی نئے مرحلہ تخلیق یعنی زمین پر طبعی قوانین کے مرحلہ تخلیق کا آغاز کرتی ہے۔

زندگی جب کسی مرحلہ پر ایک دفعہ تکمیل حاصل کر لیتی ہے تو وہ ایک قاعدہ کے طور پر

Marfat.com

ان اقدار کو ہرگز نہیں چھوڑتی۔ اگر وہ ان اقدار کو چھوڑ دے گی تو زندگی گویا اپنی آپ نفی کرے گی لہذا اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ مادہ زندگی کا ابتدائی تجسم ہے اور زندگی جب مادہ کی مختلف شکلوں میں تنظیم حاصل کر کے تکمیل کو پہنچتی ہے تو وہ اپنے جسم اور زندگی کو ہرگز نہیں چھوڑتی البتہ اس پر جو نیا تخلیقی مرحلہ شروع ہوتا ہے وہ اپنی الگ شعوری اقدار کا حامل ہوتا ہے۔ اس تخلیقی اصول کے تحت زندگی کی ابتدائی مادی حالتیں جو نورانی مرحلۂ تخلیق میں انرجی کی مختلف تنظیمات کی شکل میں تکمیل حاصل کر چکی ہیں یا پھر زمین پر طبعی قوانین کے اندر تکمیل پاتی ہیں وہ ہرگز اپنی اقدار یعنی مادی حالتوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتیں زندگی کی ان مادی حالتوں میں اگر کوئی تغیر و تبدل ہوتا ہے تو وہ عمل تخلیق کے تحت ان مراحل پر زندگی کی شعوری اقدار کے اپنے قوانین اور رجحانات کے تحت ہی ہوتا ہے تخلیق کے اس اصول کو ہم جنہیں سائنسدان احتفاظِ قوت کا نام دیتے ہیں۔ ہم ان کو احتفاظِ زندگی کا نام دے سکتے ہیں۔ کیونکہ ہماری فکر کے مطابق قوت کا دوسرا نام زندگی ہے۔ یہ زندگی ہی تو ہے جو کائنات کے اندر مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی اپنی تخلیق پا رہی ہے یہاں یہ اہم بات یاد رکھنے کی ہے کہ کائنات کی تخلیق وحدت کے اندر ایک مقصد کے تحت ہو رہی ہے۔ لہذا کسی مرحلہ کی شعوری اقدار کا تحفظ اس بات پر بھی منحصر ہوتا ہے۔ کہ ان کی افادیت اُن پر اُٹھنے والے مرحلہ یا مراحلِ زندگی کے لئے کس حد تک مقصدِ تخلیق کے لئے ضروری ہے۔ نورانی مرحلۂ تخلیق یا پھر طبیعی قوانین کے مرحلہ کی تکمیل کے بعد جب نباتی یا حیوانی مراحل تخلیق میں زندگی آگے بڑھتی ہے۔ تو وہ اگرچہ اپنی زندگی کی اعلیٰ شعوری اقدار کے تحت اپنے آپ کو اعلیٰ اجسام میں ڈھالتی ہے لیکن ان ابتدائی مراحل میں زندگی چونکہ اپنے مقصد کو براہِ راست نہ جاننے کی وجہ سے مادی حالت میں رہتی تھی لہذا وہ جب تک خود شعوری کے مرحلہ پر نہیں پہنچ جاتی اُسے لامحالہ مادی عناصر پر مشتمل اجسام میں تخلیق پاتے رہنا ہوتا تھا۔ البتہ ان مراحل پر بھی جب زندگی ادنےٰ مادی حالتوں میں قدم رکھتی ہے۔ تو وہ نہ صرف بحیثیت مجموعی شعوری اقدار اپنے سابقہ مراحل سے بالاتر ہوتی ہے بلکہ وہ اپنے ساتھ جس مادی جسم کو منتخب کرتی ہے۔ وہ بھی اُس کی اعلیٰ شعوری اقدار کی نسبت سے

Marfat.com

سابقہ مرحلہ یا مراحل پر زندگی کی کثیف مادی حالتوں کی نسبت نہایت لطیف مادی حالتوں پر مبنی ہوتا ہے۔ اب جیسا کہ عمل تخلیق سے ظاہر ہے زندگی جب کسی مرحلہ پر اپنی تکمیل حاصل کر لیتی ہے تو وہ اپنی اقدار کو ہرگز نہیں چھوڑتی تاہم نباتی اور حیوانی مراحل پر زندگی چونکہ خود بھی مادی سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی، لہٰذا مادی اثرات سے بالکل آزاد نہیں تھی، یعنی زندگی کے اندر ابھی استحکام پیدا نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو محض مادی علامات میں ڈھال کر ظاہر کر سکتی تھی۔ ایسی صورت میں زندگی اگرچہ ان مادی اجسام میں آگے بڑھتی رہی ہے لیکن وہ مادی عناصر یا زندگی کی علامتی حالتوں کو ایک محدود عرصہ تک اپنی نئی جسمانی تنظیمات میں رکھ سکتی تھی۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جس حد تک جسم میں مادی عناصر یا زندگی کی ادنےٰ اقدار موجود ہوتی ہیں۔ وہ اپنی اصلی قدروں کی طرف واپس لوٹنے پر دباؤ ڈالتی رہتی ہیں۔ اور دوسری طرف، ان ابتدائی مادی مراحل پر نباتی یا حیوانی مراحل میں جو زندگی اُٹھتی ہے اس کی شعوری اقدار ابھی اتنی بلند نہیں ہوتیں کہ وہ یک لخت زندگی کے اس مادی جمود یا جاہل اور ادنےٰ حالتوں کو اپنی اعلیٰ شعوری اقدار کے تحت معدوم کر کے مکمل طور پر آزاد ہو جائیں۔ البتہ ان مراحل پر زندگی اپنے آپ کو مختلف جسمانی وحدتوں میں پھیلا کر آگے بڑھتی رہی ہے اور ان جسمانی وحدتوں کی مدت عمر یا طبعی عمر اس حد تک متعیّن ہوتی ہے جس حد تک کہ کسی مرحلہ پر نئی شعوری اقدار زندگی کی سابقہ مادی حالتوں یعنی اس کے رجحانات کے دباؤ کا مقابلہ کر سکنے کے قابل ہوتی ہیں۔ یہاں اس اہم بات کو ذہن نشین رہنا چاہیے کہ ہر مرحلہ پر زندگی کی ان وحدتوں یا یونٹوں کے طبعی عمر کو پہنچ کر مادی عناصر میں منتشر ہو جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ زندگی کو موت آ جاتی ہے۔ بلکہ زندگی ایک وحدت کے اندر پورے مرحلہ کے یونٹ کی حیثیت سے آگے بڑھتی ہے اور مقصد کائنات ہونے کی وجہ سے اُسے کوئی مادی یا دوسری قوت فنا نہیں کر سکتی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مادی قوتیں خود ایک ہی مقصد کے تحت ظہور میں آئی تھیں۔ دراصل جب سائینسدان یا مادہ پرست کائنات کی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو وہ زندگی کی اقدار کو مادہ کی جاہل قوت سے

Marfat.com

مقابلہ کر کے دیکھتے ہیں۔ اور اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں۔ کہ کائنات کی تخلیق میں جو چیز اوپر اُٹھ رہی ہے وہ زندگی یا شعور ہے نہ کہ جسم یا جسم کی مادی حالیتں۔ بلکہ جیسے جیسے زندگی اعلیٰ اقدار کی طرف بڑھتی ہے ویسے ہی اس کا جسم بھی مادہ کی کثیف حالتوں کو چھوڑتا ہوا شعوری اقدار کی طرف بڑھتا ہے۔ جیسا کہ انسانی مرحلہ پر انسان اپنے ذہنی یا شعوری جسم کی تشکیل کر رہا ہے۔ سائنسدان جب یہ کہتے ہیں کہ مادہ یا قوت ضائع نہیں ہوتی اور وہ اپنی حالت برقرار رکھتی ہے جسے وہ احتفاظِ قوت کا نام دیتے ہیں۔ تو اس سے تخلیق کے اس بڑے اصول کی صداقت کا پتہ چلتا ہے کہ زندگی جب کسی مرحلہ پر اپنی تکمیل کر لیتی ہے تو وہ اس کو نہیں چھوڑتی لیکن کاش ان حضرات کو یہ علم بھی ہوتا کہ اس کائنات میں جو سب سے زیادہ اعلیٰ قوت ظہور پا رہی ہے وہ زندگی یا شعور ہے اور یہ کہ قدرت اس کی اقدار کو ایسے ہی محفوظ رکھتی ہے جیسے کہ وہ زندگی کی پہلی حالت جو قوت اور مادہ کی مختلف تنظیمات میں ظاہر ہوئی تھی۔ لہٰذا ہر مرحلہ تخلیق پر زندگی جب نئی اقدار کی تکمیل حاصل کر لیتی ہے تو قدرت اُن کی نہایت مضبوطی سے حفاظت کرتی ہے۔ نباتاتی اور حیوانی مراحل تخلیق پر زندگی چونکہ ابھی ادنےٰ حالتوں میں رہتی ہے یعنی وہ اپنے مقصد کو ابھی نہیں پہچانتی لہٰذا ان مراحل پر زندگی اپنی حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اپنی ذات کو نہیں پہچانتی۔ یہ مراحل گویا زندگی کے پیدائشی مراحل ہیں۔ جن سے وہ بتدریج مقصد کی طرف بڑھتی ہے۔ زندگی کے ان پیدائشی مراحل کو ہم مادی مراحل کا نام دیتے ہیں یعنی وہ تخلیقی مراحل جن کے اندر اگرچہ زندگی بتدریج اپنے مقصد کی طرف اور اعلیٰ حالتوں کی طرف بڑھتی رہی تاہم وہ پوری طرح اپنے مقصد سے آگاہ نہیں تھی۔ زندگی جب انسانی مرحلہ تخلیق میں داخل ہوتی ہے تو اُس کے اندر پہلی دفعہ حقیقت کی روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی انسان اپنی حقیقت کو پہچاننے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس نئی روشنی میں پھر وہ کائنات کی پہنائیوں اور وسعتوں کو گھور گھور کر دیکھتا ہے کہ یہ سب کچھ کیا ہے لیکن اس کا جواب اُسے باہر سے نہیں بلکہ اُس کے اندر سے ملتا ہے اور وہ یہ کہ وہ خود ایک عظیم حقیقت

Marfat.com

ہے ۔ اور یہ کہ یقیناً اس سے بڑی عظیم تر حقیقت موجود ہے ۔ جو اس کائنات اور خود اس کی خالق ہے ۔ اس کے برخلاف سائینسدان جو حقائق کو ٹکڑوں میں دیکھنے کا عادی ہے ۔ جب آسمانوں کی بلندیوں کی طرف بڑے بڑے شیشے لگا کر کائنات کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کے اندر ہر سو پھیلے ہوئے بڑے بڑے اور تابناک فلکی اجسام کو دیکھتا ہے تو اپنی حقیقت کو بھول جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مادہ ہی کائنات کی حقیقت ہے ۔ اور وہی اس کا خالق ہے ۔ حالانکہ اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے ۔ کہ ان اجسام کی بہ نسبت زمین پر رینگنے والا وہ ادنیٰ جاندار جو اپنی سمت خود اپنی مرضی سے بدل سکتا ہے ۔ ان مادی اجسام سے ، جن کے اندر یہ قوت بھی نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا رخ ہی تبدیل کر سکیں ، کہیں زیادہ طاقتور اور اعلیٰ منزل پر فائز ہے ۔

زندگی ہر نئے مرحلہ تخلیق پر ایک نئے منصوبہ کے تحت اٹھتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ زندگی تو ایک ہی مقصد کے اندر لگاتار عمل ہے لہٰذا نئے مرحلۂ تخلیق پر خواہ کتنی ہی اعلیٰ اقدار ہوں وہ بہرکیف سابقہ مرحلہ کی تکمیل پر اٹھتی ہیں ۔ اور پھر سابقہ مرحلہ کی شعوری اقدار یا اس مرحلہ پر زندگی کے رجحانات کو چھوئے بغیر انہیں اپنے مرحلہ کی اعلیٰ اقدار کی نئی روشنی میں معلوم کرنے کی کوشش کرتی ہیں بگر ایسا کیوں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی ایک ہی مقصد رکھتی ہے اور کل کی حیثیت سے آگے بڑھتی ہے لہٰذا نئے مرحلہ پر زندگی اگرچہ اپنی نئی شعوری اقدار میں سابقہ مراحل سے اعلیٰ مقام پر ہوتی ہے تاہم زندگی کا مقصد ایک ہی ہونے کی وجہ سے اس کا اس نئے مرحلہ پر اپنی شعوری اقدار کو متعین کرنا ضروری ہے تاکہ اسے اپنے مقام اور حقیقت کے سمجھنے میں مدد مل سکے ۔ اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ وہ سابقہ مراحل زندگی کے حقائق کو اپنے ذہن میں رکھے ۔ یا ان سے واقف رہے لہٰذا ہر نئے مرحلہ پر زندگی داخل ہوتے ہی سابقہ مراحل سے رابطہ قائم کر کے ان مراحل پر زندگی کے رجحانات کو اپنی نئی شعوری اقدار کے تحت معلوم کر کے اپنے حقائق کا پتہ چلاتی ہے ۔ نئے مرحلہ پر زندگی سابقہ مراحل سے

Marfat.com

یہ تعلق کس طرح قائم کرتی ہے ۔ اس کا ہم تفصیل سے ذکر اگلے باب میں کریں گے ۔ یہاں یہ بتانا کافی ہے کہ ہر نئے مرحلے پر زندگی یہ عمل نہایت پیچیدہ طریقہ سے سرانجام دیتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نئے مرحلہ پر زندگی کا سابقہ مرحلہ پہ زندگی کی جاہل حالت سے براہِ راست رابطہ قائم کرنا ممکن نہیں ۔ کیونکہ سابقہ مرحلہ پر زندگی شعوری لحاظ سے جاہلیت کے درجہ پر ہوتی ہے لہٰذا وہ اعلیٰ زندگی سے مزاحمت کی خاطر اپنی پوری طاقت داؤ پہ لگا دے گی ۔ مثلاً اگر ہم کسی سرکش گھوڑے کو قابو کرنا چاہیں تو ہمیں ایسا کرنے کے لئے اس کی زندگی کے رجحانات کو معلوم کرنا ہوگا ۔ یا پھر اگر ہم آسمانوں پر کمندیں ڈالنا چاہتے ہیں ۔ تو ہمیں زندگی کے مادی رجحانات اور طبعی حقائق کا علم ہونا چاہیئے ۔ نباتی اور حیوانی مراحل تخلیق پر زندگی چونکہ ادنےٰ حالتوں میں تھی اس لئے ان مراحل میں زندگی براہِ راست زندگی کی مادی حالتوں اور ان کے رجحانات سے واقف تھی ۔ لہٰذا زندگی براہِ راست زندگی پر محض چھونے سے اور تاریکی کے اندر عمل کرتی تھی ۔ ان مراحل پر زندگی کی اس استعداد کو برگسان جبلّت کا نام دیتا ہے ۔ مگر انسانی مرحلہ تخلیق پر انسان کائنات کی ہر شے کے حقائق اور اس کے رجحانات کو کائنات کی ایک وحدت کے اندر تلاش کرتا ہے لہٰذا ہر مرحلہ پر زندگی کا عمل اس مرحلہ کی شعوری اقدار کے مطابق ہوتا ہے ۔

ہر نیا مرحلہ جو اپنی اعلیٰ شعوری اقدار کے ساتھ اٹھتا ہے وہ شروع میں نہایت ہی ابتدائی بلکہ ناقابلِ ذکر جسم اور زندگی سے ابتدا کرتا ہے ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر نیا مرحلہ ایک نئے منصوبہ کا حامل ہوتا ہے ۔ جیسا کہ عملِ تخلیق کا طریقہ ہے ۔ ہر منصوبہ اپنی اقدار کو نہایت ابتدائی حالتوں سے شروع کرتا ہے ۔ اور پھر خالق اس کی پرورش اور آبیاری کرتا ہوا اسے منصوبہ کی اقدار کے مطابق اوپر اٹھاتا ہے ۔ ہر نیا مرحلہ چونکہ سابقہ مرحلہ کی نسبت نہ صرف شعوری اقدار میں بلکہ اپنی نوع میں بھی الگ اقدار کا حامل ہوتا ہے اس لئے لامحالہ اسے سابقہ مرحلہ سے الگ تھلگ رہ کر پروان چڑھنا ہوتا ہے لہٰذا ہر نئے مرحلہ پر زندگی جب ابتدا کرتی ہے تو ایسا وہ ماں کے بطن کی طرح کائنات

Marfat.com

کے اندر اپنی منفرد حیثیت کو قائم رکھتے ہوئے کسی غلاف یا پردے کے اندر رہ کر کرتی ہے مثلاً مادی مرحلہ تخلیق پر زندگی کا نظامہائے شمسی کے اندر ارتقا کی مختلف النوع تنظیمات کی تکمیل پر جب دوسرا تخلیقی مرحلہ یعنی طبعی قوانین کی تخلیق کا مرحلہ اٹھتا ہے تو زمین اپنے اردگرد فضائی کرہ کا دائرہ تعمیر کرتی ہے اور پھر اس کے اندر وہ اپنی تشکیل کے دوران ایک لمبی مدت اور جدوجہد کے بعد طبعی قوانین کی تکمیل کرتی ہے۔ اس کے بعد جب نباتاتی مرحلہ تخلیق پر زندگی قدم رکھتی ہے۔ تو اس کا خلیہ بھی اپنے اردگرد پلاسٹک نما جھلی کو لپیٹ لیتا ہے اور پھر حیوانی مرحلہ تخلیق پر بھی زندگی اپنے مرحلہ کی اقدار کے مطابق جس خلیہ یعنی امیبیا کے وجود میں ظاہر ہوتی ہے، وہ بھی پردے کے اندر ایک تنظیم میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح زندگی کی ابتدائی تشکیل بھی مادہ کے پردے میں ہوتی ہے۔ زندگی یا شعور مادی چیز نہیں کہ اس کو دیکھا جائے لہذا ایٹم کو ہم حرکت کا پوئنٹ کہہ سکتے ہیں اور اس کی مادی شکل حرکت کی وجہ سے ہے۔ لیکن حرکت کا باعث زندگی یا شعور ہے جو غیر مادی ہونے کی وجہ سے دیکھی نہیں جا سکتی۔ یہی حال انسانی زندگی یا شعور کا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو محض زندگی کے رجحانات، برتاؤ، حرکات وغیرہ سے پہچانتے ہیں لیکن آج تک کسی انسان نے انسان کی زندگی یا اس کی خود شعوری کو نہیں دیکھا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ شعور مادی چیز نہیں۔ ہم جن اشیاء یا مادی تنظیمات کو دیکھتے ہیں وہ محض شعور یا زندگی کے رجحانات یا اس کی شعوری اقدار کی تشبیہات ہوتی ہیں۔ جو مادی حالتوں میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ لہذا انسانی مرحلہ تخلیق پر شعور پہلی مرتبہ مادی تشبیہات سے نکل کر ذہنی یا تصوراتی تشبیہات میں اپنے رجحانات کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی ادنیٰ مثال ہم زبان سے دے سکتے ہیں جس کے اندر انسان محض آواز کی حرکات میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے، اور پھر خیالات کی حقیقت پر غور کیا جائے۔ تو وہ بھی غیر مادی نوعیت رکھتے ہیں۔ بہرحال شعور یا زندگی کی حقیقت غیر مادی ہوتی ہے۔ اور مادہ بذاتِ خود کوئی حقیقت نہیں، مادہ زندگی کی ایک نہایت ابتدائی تنظیمی حالت ہے جو مثبت منفی ہیجانوں میں جب تنظیم حاصل

Marfat.com

کرتی ہے۔ تو مادہ کے پردے یا صورت میں نظر آتی ہے۔ حالانکہ حقیقتاً وہ زندگی کے اندر مثبت و منفی کشش یا حرکت کا محض بیرونی عمل ہوتا ہے۔ ایٹم کی صورت میں زندگی ایک مدت تک جدوجہد کے دوران ، سالمات کے اندر مزید تنظیم حاصل کرتی ہے۔ سالمات کی ان تنظیموں کو ہم انرجی کی مختلف تنظیمیں بھی کہہ سکتے ہیں۔ زندگی کی ایٹم کے ایک یونٹ کے اندر منفی و مثبت ہیجانوں میں تقسیم محض زندگی کی واحد حقیقت کے دو رخ ہیں۔ زندگی کے یہ دونوں رخ حسن و محبت کی محض ابتدائی کشش کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے ایٹم زندگی کے یونٹ کی حیثیت سے زندہ ہے اور ایٹم کے قطبین کی متضاد کشش زندگی کے جذب و کشش کے اندر اس کے عمل یا برتاؤ کو ظاہر کرتی ہے۔

مندرجہ بالا تشریح سے ہم ، جن نتائج کو اخذ کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ یہ ہیں کہ مادہ زندگی کی ایک ابتدائی تنظیم یا اس کا جسم ہے جو تنظیم میں آنے پر مادہ کے پردے میں دکھائی دیتا ہے۔ اور حقیقتاً یہ مثبت و منفی کشش کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ زندگی جب ایک مرحلہ کی تکمیل حاصل کر لیتی ہے تو وہ اپنی اقدار کے ساتھ چمٹی رہتی ہے۔ لیکن وہ اقدار جب تکمیل کو پہنچ جاتی ہیں تو وہ حقیقت بن کر قائم و دائم رہتی ہیں ۔ البتہ ان پر جب دوسرا تخلیقی مرحلہ اُٹھتا ہے تو وہ اپنی اعلیٰ اقدار اور زندگی کی نئی روشنی میں سابقہ مرحلہ کی منجمد زندگی کو نئی اور اعلیٰ شعوری اقدار میں آگے لے کر بڑھتا ہے اور اس طرح زندگی مرحلہ بہ مرحلہ گویا ایک بطن سے نکل کر دوسرے بطن اور پھر دوسرے بطن سے تیسرے بطن میں منازل طے کرتی ہوئی اپنی حقیقت یا اصل کی طرف بڑھتی ہے۔

Marfat.com

باب نمبر ۷

نئے مرحلہ تخلیق پر زندگی کا سابقہ مراحل کائنات سے تعلق

ہم نے سابقہ صفحات میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر مرحلہ پر نئی اقدار کے تحت جب زندگی آغاز کرتی ہے تو وہ اپنے مرحلہ کے منصوبہ یا شعوری اقدار کے مطابق اپنے ساتھ جسم کو بھی لاتی ہے اور جیسا کہ اوپر متعدد بار ذکر آچکا ہے نئے مرحلہ پر اس جسم کا مقصد ایک تو سابقہ مراحل سے باہر رہتے ہوئے اُن سے تعلق قائم رکھنا ہوتا ہے۔ اور دوسرے نئے مرحلہ پر زندگی کی نئی اقدار کے لئے جدوجہد کرنے کے علاوہ زندگی کو تدریج بذریعہ نسل آگے منتقل کرتے رہنا ہوتا ہے اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ نئے مرحلہ پر زندگی کے داخل ہو جانے پر وہ سابقہ مراحل سے کیسے تعلق قائم رکھتی ہے خاص کر جبکہ وہ سابقہ مراحل سے کٹ جاتی ہے جب ہم ان تخلیقی مراحل پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرحلہ پر داخل ہوتے ہی زندگی یہ تعلق جس چیز سے پیدا کرتی ہے وہ وہی ہے جسکو ہم خوراک کہتے ہیں گویا نئے مرحلہ پر داخل ہوتے ہوئے زندگی جس جسم کو ساتھ لاتی ہے وہ سابقہ مراحل کی اقدار کو خوراک کی صورت میں اپنے جسم میں ضم کرتی رہتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ابتداء ہی سے جسم کے اندر اس فعل کو لاشعوری طور پر انجام دینے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ خوراک کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ نئے مرحلہ پر زندگی سابقہ اقدار کو اپنے خود کار نظام جسم کے اندر اس طرح ضم کرتی رہے کہ جس سے وہ سابقہ مراحل سے باہر بھی رہے اور نظام خوراک کے ذریعہ لاشعوری تعلق بھی قائم رکھے۔ لاشعوری سطح پر تعلق رکھنے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ نئے مرحلہ پر زندگی اپنی نئی اقدار

Marfat.com

کے مطابق شعوری سطح پر پوری توجہ دے سکے۔ چنانچہ ہر نئے مرحلے کی ابتداء پر اگرچہ زندگی معہ اُس وجود کے جو وہ ساتھ لاتی ہے۔ نئے مرحلہ کی اقدار کا ایک نہایت ادنےٰ حالت سے آغاز کرتی ہے۔ تاہم جیسے جیسے زندگی اپنے مرحلہ کے منصوبہ کے مطابق اُوپر اُٹھتی جاتی ہے ویسے ہی وہ اپنے جسم کو بھی حالات کے مطابق ڈھالتی جاتی ہے۔ اب مثلاً اگر ہم نباتاتی مرحلۂ تخلیق کو لیں تو اس مرحلہ پر زندگی ایک نہایت ہی ناقابل ذکر نباتاتی خلیہ کے جسم میں آغاز کرتی ہے لیکن اس خلیہ میں ابتداء ہی سے اپنے سابقہ مراحل یعنی زمین اور طبیعی قوانین سے سورج کی گرمی ہوا اور نمکیات کے جوہر بطور خوراک اخذ کرنے کی صلاحیت تھی، جس کی وجہ سے وہ سابقہ مراحل سے غیر شعوری طور پر تعلق قائم کر لیتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مرحلہ کی نئی روشنی یا زندگی کی اقدار حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرتی رہی ہے۔ تا آنکہ جیسے جیسے نباتات نا مادی طبیعی زندگی کو اپنی نئی روشنی کے تحت تجزیہ کر کے اُس کے راز سے زیادہ سے زیادہ آگاہ ہوتی گئی۔ ویسے ہی وہ سابقہ مراحل سے خوراک حاصل کرنے کے لئے اپنی جسمانی تشکیل نہایت نفاست اور عمدگی سے کرتی رہی۔ اسی طرح نباتاتی مرحلہ کی تکمیل پر جب زندگی حیوانی مرحلہ تخلیق میں داخل ہوتی ہے تو یہاں بھی وہ از سر نو امیبا کے ایک نہایت ہی ادنےٰ جسم سے اپنا آغاز کرتی ہے جس کا ابتداء میں نظام ہضم و تنفس محض برائے نام تھا مثلاً وہ ابتداء میں پانی کے قطرے کے اندر سے ہی آکسیجن نشاستہ وغیرہ کو اپنی خوراک بناتا تھا اور بعد ازاں جیسے جیسے وہ اپنی زندگی کی اعلیٰ اقدار کی جانب بڑھتا گیا۔ ویسے ہی اُس نے حیوانی جسم میں مکمل نظام ہضم اور تنفس کو خود کار طریقہ سے تشکیل کر لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر تخلیقی مرحلہ کی تکمیل پر جب زندگی نئے مرحلے پر از سر نو نہایت ہی ادنےٰ جسم و جان سے آغاز کرتی ہے۔ تو وہ اپنے نئے مرحلے کی اقدار کے ساتھ آ ملنے کی بدرجہ اتم صلاحیت رکھتی ہے۔ گویا یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرحلہ ایک بطن کی طرح ہے جہاں زندگی نہایت ہی ادنےٰ جسم و جان یعنی جرثومہ کی حالت سے اُس

Marfat.com

بطن کے منصوبہ کے مطابق، تبدریج شعوری اقدار کی تکمیل حاصل کرتی ہے۔ اور پھر اگلے بطن میں ایک ادنیٰ مگر نئے جسمانی ماڈل یا جرثومہ کی صورت میں داخل ہوتی ہے اور اس طرح نئے بطن میں رہتے ہوئے وہ سابقہ مراحل سے غیر شعوری طور پر غذا بھی حاصل کرتی رہتی ہے یعنی اُس سے تعلق بھی قائم رکھتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نئے بطن میں نئی اقدار کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالتی بھی رہتی ہے حتیٰ کہ تکمیل حاصل کرنے پر وہ پھر اگلے بطن یا مرحلہ میں ادنیٰ مگر اعلیٰ وجود و زندگی کے ساتھ داخل ہو جاتی ہے۔ جب کوئی تخلیقی مرحلہ اپنی تکمیل کرتا ہے۔ تو وہ اپنی اقدار کے ساتھ چمٹا رہتا ہے کیونکہ وہی اقدار اُس کی زندگی اور سرمایہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں زندگی جب اپنے مقصد کے لئے آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ تو اُسے نئی اقدار کے حصول کے لئے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک تو سابقہ مراحل سے تعلق رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ وہ باقی مراحل کائنات سے بھی کٹے نہیں، اور دوسرے نئے مرحلہ پر تخلیق کو جو نئی شعوری روشنی ملتی ہے۔ اس کی اقدار حاصل کرنے کے لئے اُس پر ہر وقت اندرونی دباؤ رہتا ہے اس طرح نئے مرحلہ پر زندگی ایک سخت کشمکش میں رہتی ہے۔ سابقہ مرحلہ، اپنی تکمیل پر اپنے اوپر مزید اقدار حاصل کرنے کے تمام دروازے بند کر لیتا ہے۔ اور نئے مرحلہ کی نئی شعوری اقدار ابھی کھل کر سامنے نہیں آتیں۔ ایسی صورت میں تخلیق کا آگے بڑھنے سے رُک جانا یا غلط روشنی پر چل نکلنے سے بھٹک جانے کا امکان ہر وقت رہتا ہے۔ لہٰذا خالق تخلیق کو اس کے رحم و کرم پر کبھی نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اُس کی شعوری اقدار کی مناسبت سے اُس کے اپنے اندر سے نوری رہنمائی کرتا ہے اور اس طرح زندگی آہستہ آہستہ سابقہ مرحلہ کی اقدار کو ایک نئے رنگ اور نئی روشنی میں معلوم کرکے اس مرحلہ کی مخالفت کو توڑتی رہتی ہے اور اسکے ساتھ ہی وہ اپنی نئی منزل پر نئی اقدار کے حصول میں لگی رہتی ہے گویا ہر نئے تخلیقی مرحلہ پر زندگی کو سخت جد و جہد کرنا پڑتی ہے اور بہت سی مخالفتوں کا نہایت ہوشیاری اور ثابت قدمی کیساتھ مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔

Marfat.com

مندرجہ بالا سطور سے ہمیں خوراک کی اہمیت اور اسکی حقیقت کا پتہ چلتا ہے اگر ہم غور سے دیکھیں تو تخلیق کے اندر خوراک کا عمل نہ صرف زندگی کے تسلسل کو ظاہر کرتا ہے بلکہ ہر نئے مرحلہ پر زندگی کیلئے اُسکے مقام اور اسکی حقیقت کو متعین کرنے کا ذریعہ بھی ہے دراصل خوراک ایک ذریعہ ہے جس کے واسطے سے نئے مرحلہ پر زندگی سابقہ زندگی سے رابطہ قائم کرتی ہے زندگی کا تمام مرحلہ سے بذریعہ خوراک تعلق قائم رکھنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ زندگی کے اعلےٰ مرحلہ پر قدم رکھ دینے سے وہ اعلیٰ شعوری قدار کی حامل ہو جاتی ہے لہذا اُسکے سابقہ مراحل سے میل جول یا تعلقات خود بخود کٹ جاتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں چونکہ سابقہ مراحل سے تعلق بھی ضروری ہوتا ہے لہذا ہر نیا مرحلہ یہ تعلق شعوری سطح سے استوار نہیں کر سکتا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ سابقہ مراحل، زندگی یا شعور کی ابتدائی حالتوں میں تھے، لہذا وہ ایک دوسرے سے محض شعوری رابطہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ بلکہ یہ رابطہ علامات کے طور پر ہی رکھ سکتے تھے۔ دوسرے ہر نئے مرحلہ پر زندگی کی شعوری سطح اعلیٰ ہونے کی وجہ سے وہ سابقہ مراحل سے اپنی سطح پر کسی قسم کا اظہار نہ کر سکتی تھی، لہذا اب اس تعلق کو قائم کرنے کے لئے ایک ہی ذریعہ رہ جاتا ہے۔ کہ وہ سابقہ مراحل سے چھپ چھپا کر عمل کرے کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔ اگر وہ براہِ راست سابقہ مراحل سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گی۔ تو اُسے ان مراحل سے جو اپنی اقدار کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں۔ اور اعلیٰ مرحلہ کی نسبت شعوری طور پر جاہل ہوتے ہیں۔ سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہذا ان حالات سے بچتے اور اس کے ساتھ سابقہ مراحل سے تعلق استوار کرنے کے لیے ہر نیا مرحلہ سابقہ مراحل کی اقدار کو اپنے اندر ضم کرتا رہتا ہے اسی کو ہم خوراک کہتے ہیں۔ گویا خوراک ادنیٰ شعوری حالتوں پر زندگی کے رجحانات کی ایسی سسٹم یا علامات ہیں۔ جن کے اندر سے اعلیٰ مرحلہ سابقہ مرحلہ کی ادنیٰ شعوری اقدار یا اُس کے رجحانات کو اپنی سطح پر معلوم کرتا ہے۔ یہاں ایک اہم بات کا ذکر ضروری ہے کہ مادی حالتوں پر زندگی کو چونکہ اپنی ذات کا علم نہیں ہوتا۔ لہذا نہ ہی سوچ اور یادداشت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ان مراحل پر زندگی کو سابقہ مراحل سے تعلق کی خاطر غذا یا خوراک کے عمل کو بدستور دھرانے رہنا

Marfat.com

ضروری ہے۔ زندگی کی ان مادی حالتوں میں یہ عمل جبلی طور پر جاری رہتا ہے۔

اب اگر حیوانی مرحلہ تخلیق کو لیں۔ تو حیوان ایک نہایت ہی نچلے درجہ کے جسم یعنی امیبا میں حیوانی مرحلہ تخلیق کا آغاز کرتا ہے۔ اس نئے وسیع تخلیقی مرحلہ پر اس ننھے جاندار پر مندوں بوجھ تھا۔ ایک تو اس کو اپنے جسم میں پروٹین وغیرہ بطور خوراک داخل کرتے رہنے سے اپنی منزل پر سابقہ مراحل سے تعلق قائم رکھنا تھا۔ پھر نئی منزل پر قدم رکھ دینے سے اگرچہ شعوری طور پر اُسے نئی اور اعلیٰ روشنی مل جاتی ہے۔ تاہم مجموعی طور پر اپنے مرحلہ کی اقدار سے فی الفور واقف نہ ہونے کی وجہ سے گویا اُس کے سامنے ایک جانکاہ کاوش اور پہاڑ ایسے دل گردہ اور ثابت قدمی کی ضرورت تھی۔ تاکہ وہ ان اقدار کو تدریج حاصل کر سکے۔ اور تیسرے اُس کے ارد گرد جو ناموافق اور جاہل حالات اُس کی زندگی کے لئے ہر دم خطرہ اور مزاحمت کا باعث تھے، زندگی کو ان خطرات سے بچانے اور اپنے آپ کو نئے مرحلہ پر جاری رکھنے کے لئے اپنے آپ کو دو ٹوٹوں کے اندر بذریعہ جنس تقسیم کر کے اپنا سلسلہ جاری رکھنا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے جسم کو خوراک مہیا کرنے کیلئے سخت جدوجہد کی ضرورت تھی چنانچہ جب ہم حیوانی مرحلہ پر زندگی کی جدوجہد کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے اُسے ایک سخت آزمائش سے گذرنا پڑا جیسے جیسے زندگی آگے بڑھتی گئی اُس نے باقاعدہ نر اور مادہ کی دو وحدتوں میں بٹ کر اپنے اجسام کو مستقل طور پر الگ کر لیا اور اس کے ساتھ ہی اپنے نظامِ ہضم و تنفس کو مکمل کر کے اور اپنی حسوں کی شعوری اقدار کو ایک اعتدال کے اندر حاصل کر کے اپنے مرحلہ کی تکمیل کر لی۔

حیوانی مرحلہ تخلیق کی تکمیل پر زندگی انسانی مرحلہ تخلیق پر خود شعوری کی منزل میں داخل ہوتی ہے۔ انسانی مرحلہ تخلیق پر انسانی جسم اور اس کی خوراک اُس کی خود شعور زندگی کی اعلیٰ اقدار کے مطابق، حیوانی نفس اور اُس کی حسی زندگی کے مقابل یکسر بدل جاتے ہیں۔ لہذا انسانی مرحلہ

Marfat.com

پر خوراک اور اس کے ذریعہ کائنات کے سابقہ مراحل سے رابطہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں یہاں رک کر چند چیزوں کو ذہن میں رکھنا ہوگا پہلی بات جو ذہن نشین کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ زندگی خود شعوری کے مرحلہ میں داخل ہوئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ زندگی اس مرحلہ پر داخل ہوتے ہی خود شعور ہو گئی تھی۔ کیونکہ اگر وہ ابتداء ہی سے خود شعور ہوتی تو انسانی خود شعوری کو اس موجودہ مرحلہ تخلیق کی ضرورت باقی نہ رہتی اور نہ ہی انسان خود شعور ہونے پر کائنات کی مادی وحیوانی زندگی کے اندر رہ سکتا تھا۔ لہٰذا جب ہم یہ کہتے ہیں کہ زندگی خود شعوری کے مرحلہ میں داخل ہوئی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی خود شعور ہونے کی نہایت ہی ادنیٰ یا ناقابلِ ذکر شعوری حالت میں آغاز کرتی ہے۔ اور بعد ازاں جیسے جیسے خود شعوری کے مرحلہ پر پروان چڑھتی جاتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ خود شعور ہوتی جاتی ہے۔ دوسری اہم بات جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ انسانی خود شعوری کا مرحلہ اس کے سابقہ مرحلہ کی تکمیل یعنی حیوان کے نفسانی جسم پر اٹھتا ہے اور اس طرح خود شعوری کے مرحلہ پر کائنات کے سابقہ تخلیقی مراحل سے تعلق رکھنے کے لئے اُسے حیوانی حواس بطور خوراک خود بخود میسّر آ جاتے ہیں لیکن چونکہ انسانی مرحلۂ تخلیق اور حیوانی مرحلہ تخلیق ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہوتے رہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انسانی خود شعوری کو اپنے مرحلہ کی اقدار حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حیوانی جسم کی نفسانی خواہشات اور اس کے باقی تخلیقی شئون سے بذریعہ خوراک تعلق قائم رکھنے کی ذمہ داری بھی ہے۔ یہ کیفیت کسی قدر ایسی ہے۔ جیسی کہ طبیعی مرحلہ قوانین کی تکمیل پر نباتی زندگی کی تھی، نباتات بھی اپنے مرحلہ کا آغاز زمین اور اس کے طبیعی قوانین سے پیوستہ رہ کر کرتی ہے۔ اور بالآخر نباتی مرحلہ کی تکمیل پر اپنے آپ کو مکمل طور پر زمین سے الگ کر کے آزاد کر لیتی ہے۔ یہاں بھی اگرچہ نباتی مرحلہ پر زندگی "زمین" کے مرحلہ تخلیق سے اپنی اعلیٰ اور الگ اقدار رکھتی ہے، تاہم حیوانی اور انسانی مراحل کی طرح، زمین اور طبیعی قوانین کا اثر نباتاتی زندگی پر اور نباتات کا اثر زمین اور فضا پر پڑتا تھا۔ لہٰذا جب

Marfat.com

ہم انسانی مرحلۂ تخلیق پر غور کریں گے۔ تو ہمیں ان باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ان تخلیقی مراحل کے اندر خوراک کے ذریعہ ایک دوسرے سے تعلق رکھنے کا جو بڑا اصول ہے۔ اس اصول کی اہمیت محض یہ نہیں کہ نیا تخلیقی مرحلہ سابقہ مرحلہ کی اقدار کو بطور خوراک اسی حالت میں اپنے مرحلہ پر قبول کر لیتا ہے بلکہ وہ اس خوراک سے جو کہ سابقہ مراحل سے ملانے کا ایک لازمی ذریعہ ہے، سابقہ شعوری اقدار کو موجودہ مرحلہ کی اعلیٰ اقدار کی روشنی میں تجزیہ کر کے معلوم کرتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ زندگی جب اگلے یا اعلیٰ مرحلہ میں آغاز کرتی ہے تو وہ سابقہ مرحلہ سے شعوری طور پر یکسر بلند ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے مرحلہ سے کبھی نیچے نہیں گر سکتی۔ اس طرح نیا مرحلہ سابقہ مرحلہ سے بطور خوراک جو تعلق قائم کرتا ہے وہ خوراک کو اپنی شعوری اقدار کے تحت پرکھتا ہے۔ زمین اور نباتات کی پیوستگی کے مراحل وہ تھے جب زندگی پہلی دفعہ طبعی قوانین کے مرحلہ سے اٹھتی ہے اور پھر اپنی تکمیل پاتے ہی حیوانی مرحلہ میں امیبا کے خلیہ میں اپنے آپ کو زمین اور اس کے مادی قوانین سے آزاد کر لیتی ہے۔ تاہم زندگی کے یہ سابقہ مراحل مادی کائنات کے اندر ہی ڈوبے ہوئے تھے لیکن حیوانی مرحلۂ تخلیق اور انسانی مرحلۂ تخلیق پر ان دونوں مراحل کی پیوستگی ایک ایسی سطح پر آتی ہے جبکہ انسانی خود شعوری اپنی تکمیل مادی سطح پر نہیں بلکہ اس سے ماوراء اپنی شعوری سطح پر کرے گی دوسرے لفظوں میں کائنات کی تخلیق کا مقصد چونکہ انسانی خود شعوری کی تکمیل ہے لہٰذا زندگی مختلف تخلیقی مراحل سے گذرتی ہوئی جب انسانی مرحلہ تخلیق میں پہنچتی ہے تو اس کے اندر شعور مطلق کا احساس ابھرتا ہے اور اس طرح زندگی کے اندر براہ راست خالق کا روحانی جذبہ پیدا ہو جانے سے زندگی سابقہ مادی حالتوں سے نکل کر شعور کی اعلیٰ روحانی سطح پر اپنا آغاز کرتی ہے۔ انسانی مرحلہ پر بہر حال خود شعوری کی تکمیل کا مقصد خالق کائنات کا براہ راست مشاہدہ ہے۔

مندرجہ بالا سطور کی روشنی میں جب ہم انسانی مرحلۂ تخلیق پر غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خود شعوری کی منزل پر داخل ہوتے ہی زندگی اپنے آپ کو نہایت ہی ناقابل

Marfat.com

ذکر ذہنی یا تصوراتی جسم میں خود شعوری کی نہایت ہی ابتدائی حالتوں میں آغاز کرتی ہے مثلاً جیسا کہ پہلے بھی کئی بار ذکر آچکا ہے، انسان اپنی خود شعوری کی منزل کو محض اس احساس سے شروع کرتا ہے کہ وہ زمین پر کوئی الگ ہستی ہے یہ گویا انسانی مرحلۂ تخلیق پر خود شعوری کا آغاز تھا مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود شعور زندگی نے یہ اپنی ابتدا کس جسم میں کی یعنی خود شعوری کے مرحلہ پر کس ادنےٰ جسم کو اپنے ساتھ لے کر آئی، جیسا کہ زندگی کے ہر نئے مرحلہ پر ابتدا کرنے کا طریقہ ہے۔ ظاہر ہے کہ حیوانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی جسے ہم محض حیوان کی نفسی زندگی کہہ سکتے ہیں، کے تکمیل حاصل کرتے ہی اس مرحلہ کے مزید دروازے بند ہو جاتے ہیں اور اس پر خود شعوری کا مرحلہ، خود شعوری کی نئی اقدار سے ابتدا کرتا ہے مگر یہ ابتدا کس جسم میں کرتا ہے؟ ضروری ہے کہ جس جسم میں بھی خود شعوری نے آغاز کیا ہو اس میں سابقہ مراحل کی اقدار کو بطور خوراک ضم کرنے کی استعداد ہونی چاہیئے لیکن یہاں صورت یہ ہے کہ سابقہ مرحلہ کی اقدار تو نفسِ حیوانی کی صورت میں خود شعوری کے مرحلہ کے ساتھ پیوستہ ہیں اس لئے وہ تو خود شعوری کے مرحلہ پر زندگی کو خود بخود میسر آجاتی ہیں۔ لہٰذا نفسِ حیوانی کے اوپر خود شعوری اپنی زندگی کی اقدار کے مطابق جو جسم لاتی ہے وہ تصوراتی جسم ہے خود شعوری کے مرحلہ پر زندگی اپنی ابتدا محض اپنی ہستی کے الگ ہونے کے احساس سے کرتی ہے یعنی انسانی ذات یا شخصیت کا احساس پہلی دفعہ اُبھرتا ہے اور یہ احساس اپنی نوعیت میں مادی نہیں بلکہ شعوری ہے جو زندگی کو خود شعوری کے مرحلہ پر حاصل ہوا ہے۔ مادی نہیں، بلکہ شعوری ہے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی مرحلۂ تخلیق، نباتی یا حیوانی مراحلِ تخلیق کی طرح زندگی کی مادی حالتوں میں نہیں بلکہ بسیط شعور کا حامل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خود شعوری چونکہ خود وحدت میں اپنی ہستی کا احساس کرتی ہے لہٰذا وہ حیوانی حواس کو جن سے وہ کائنات کے سابقہ تخلیقی مراحل سے تعلق پیدا کرتی ہے، اپنی اعلےٰ اقدار کے تحت استعمال کرتی ہے، خود شعوری کی اعلےٰ اقدار کا مطلب یہ ہے کہ خود شعوری کی اپنی شخصیت یا ذات کی اعلیٰ سے اعلیٰ

Marfat.com

پہچان، یعنی وہ ان حواس سے اشیاء کی گرم، سرد، ٹھوس، مائع حالتوں یا آواز کے اتار چڑھاؤ یا رنگ روشنی کے امتیازات اور فطرت کے مظاہر وغیرہ کو اپنی خود شعوری یا اپنی ہستی کی واحدت کے اندر مجموعی طور پر ایک تصوّر میں ڈھالتی ہے اور اس طرح وہ کائنات کی حقیقت کو اپنے تصوّر کی واحدت میں ایک یونٹ کی حیثیت سے پہچاننے کی کوشش کرتی ہے۔ مادی کائنات کو تصورات کی غیر مادی علامات میں ڈھالنے کا عمل جس جگہ ہوتا ہے اس کو ہم ذہنی جسم کہہ سکتے ہیں اور یہ وجود مادی نہیں بلکہ تصوراتی ہوتا ہے کیونکہ وہ تمام کائنات اور اُس کے مادی مظاہر کو اپنے ذہن میں تصوّرات کے اندر ڈھال کر معلوم کرتا ہے اب اگر غور سے دیکھیں تو خود شعوری اِس تصوراتی جسم کے لئے جو خوراک حاصل کرتی ہے وہ حیوانی حواس ہیں۔ اب حیوانی سطح پر تو یہ حواس حیوان کو محض سردی، گرمی، نرم، ٹھوس، دوری، نزدیکی، آواز، روشنی یا مختلف ذائقوں کا علم بہم پہنچاتے ہیں۔ حیوانی نفسی تنظیم کے اندر یہ حواس گویا محدود مادی خصوصیات کا علم ہوتے ہیں لیکن انسانی خود شعوری کی منزل پر انسان جب سرد یا گرم چیز کو چھوتا ہے تو فوراً اُس کے ذہن میں اُس سردی یا گرمی کی ماہیت معلوم کرنے کا احساس پیدا ہوتا ہے گویا وہ حِسوں کو محض خام مال کے طور پر قبول نہیں کرتا بلکہ ان حِسوں کی خصوصیات کے ساتھ ان پر انسانی ذہن کا عمل بھی ہوتا ہے اگرچہ یہ حِس انسانی خود شعوری کے مرحلہ کیساتھ حیوانی جسم کی پیوستگی کی وجہ سے بغیر کسی محنت کے حیوان اور پھر حیوان کے ذریعہ کائنات کے تمام سابقہ مراحل سے خود بخود رابطہ پیدا کر دیتی ہیں لیکن یہاں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ حِسیں جب انسانی خود شعوری میں بطور خوراک داخل ہوتی ہیں تو جیسا کہ اُوپر کہا گیا ہے ان میں خود شعوری کا رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے یعنی خود شعوری اپنی شعوری زندگی کی نئی روشنی کے مطابق اِن حِسوں سے جب اشیاء کا مزید تجزیہ کرتی ہے تو اس کے اندر سوچ یا خیال کی کرنٹ (رَو) پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سوچ کے ظہور کا مقصد انسان کی خود شعوری کا اپنے ارد گرد ماحول کو معلوم کرنا ہوتا ہے اور پھر اُس سے کائنات کی حقیقت کو دریافت کر کے اپنے

Marfat.com

مقام یا حقیقت کو جاننا ہوتا ہے۔ خود شعوری کے مرحلۂ تخلیق سے پہلے نورانی، نباتاتی اور حیوانی مراحل تخلیق پر زندگی چونکہ اپنے ابتدائی مراحل میں تھی اور وہ ابھی اپنے آپ سے واقف نہیں تھی لہٰذا اس کی سوچ اس کا فوری عمل ہی ہوتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں چونکہ ان مراحل پر زندگی اپنے آپ یعنی اپنی ذات سے آگاہ نہیں تھی لہٰذا وہ سوچ کی خصوصیت سے عاری تھی۔ البتہ زندگی اُن مراحل میں اپنی شعوری اقدار کے مطابق اپنے آپ کو مادی علامات کے اندر مختلف تنظیمی حالتوں میں ڈھالتی رہی اور پھر ان تنظیمات یا اجسام کے ذریعہ وہ سابق مراحل سے بذریعہ خوراک تعلق قائم کر کے اپنی شعوری سطح پر اس کا تجربہ کرتی اور اُس سے اپنے مقام اور اپنی شعوری زندگی کو متعین کرتی، مثلاً اگر ہم حیوانی مرحلۂ تخلیق کو لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس مرحلہ پر زندگی محض حیوانی جسم کی تنظیم کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یہ تنظیم اپنے مرحلہ کی شعوری اقدار کے مطابق ایک مرکزے کے تحت تشکیل پاتی ہے جہاں مرکزے کا تعلق تنظیمی اقدار سے اور تنظیمی اقدار کا تعلق مرکزے سے ایک ہی مقصد کے تحت یعنی زندگی کا اپنے آپ کو دریافت کرنا اور پھر اس کی حفاظت کرنا تھا۔ ابتدائی زندگی کے ان مراحل کو جن میں زندگی ابھی اپنے شعور کو پہچاننے سے محروم تھی، ہم زندگی کے تنظیمی مراحل بھی کہہ سکتے ہیں۔ ان تنظیمی مراحل میں زندگی اس طرح عمل کرتی ہے کہ گویا وہ اپنے فرائض کو جانتی ہے اور اُسے اس مرحلہ کے مطابق زندگی کے راز کا گہرا علم ہے لیکن سوچ نہیں، سوچ اس لئے نہیں کہ زندگی ان مراحل میں اپنی ذات اور ہستی سے بے خبر تھی۔ دوسرے لفظوں میں زندگی کا ان مراحل میں عمل وجدانی ہوتا تھا جو بعد ازاں جبلی اقدار میں بدل گیا۔ برگساں نے ان مراحل پر زندگی کے ارتقائی عمل کو صحیح بیان کیا ہے لیکن یاد رہے کہ اس کے باوجود وہ زندگی کی بنیادی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر تھا، اس لئے اُس کے نتائج بھی ادھورے اور مقصد سے دُور رہے مثلاً اُس کی سب سے بڑی اور بنیادی غلطی یہی تھی کہ وہ مادہ اور شعور کو دو مختلف وحدتوں میں دیکھتا تھا، لہٰذا جب بنیاد ہی غلط ہو تو اُس پر جو عمارت اُٹھے گی وہ پائیدار نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

بہر حال برگساں نے زندگی کی اِن ابتدائی حالتوں کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے کہ "زندگی یا شعور کی ایک بڑی کرنٹ مادہ میں داخل ہو گئی تھی۔ ابتدا میں شعور کو انتہا درجہ کی مزاحمت سے پالا پڑا اور اس کے نتیجہ میں وہ اپنی متعدد خصوصیات اور رجحانات کے باوجود مادہ میں بکھر بٹ کر پھیل گیا اور مادہ کے اندر مختلف تنظیموں یا جانداروں کی صورت زندگی کو اجاگر کیا بعد ازاں کچھ جاندار تو بے عملی کی نیند سوتے گئے اور اس کے برخلاف کچھ جاندار بالکل جاگ اٹھے اور اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ایک کا جمود دوسرے کے لئے عمل کا ذریعہ بن گیا۔ زندگی یا شعور کے اس طرح مادہ پر عمل کرنے سے یا تو اُس نے اپنی توجہ اپنی حرکت پر لگا دی تھی یا اُس مادہ پر جس کے اندر سے وہ گذر رہا تھا۔ اور اس طرح یا تو شعور وجدان میں بدل گیا یا ذہن میں۔ بظاہر شعور کے ذہن کی بجائے وجدان میں بدلنے کے زیادہ امکان ہیں کیونکہ اس میں زندگی اور شعور ایک ساتھ رہتے ہیں لیکن جانداروں کے ارتقا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجدان کا سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکا۔ کیونکہ وجدان کے عمل کے اندر شعور اپنے آپ کو گھٹا پاتا تھا۔ لہٰذا بعد ازاں شعور نے وجدان کی بجائے اپنے لئے جبلت کی راہ اختیار کی۔ جبلت کا مطلب ہے کہ شعور زندگی کے محض تھوڑے سے حصّہ کو جس میں اُسے دلچسپی ہوتی ہے اُس کو حاصل کرتا ہے اور یہ عمل بھی وہ اندھیرے میں اندر دیکھنے کی بجائے محض چھونے سے کرتا ہے۔ اس کے بعد برگساں کا خیال ہے کہ جبلت بھی بہر حال زیادہ دُور تک نہیں جا سکی اور جلد ہی شعوری عمل کا یہ طریقہ بدل گیا۔ جبلت کی بجائے شعور اپنے آپ کو ذہن کی طرف ڈھالنے لگا۔" ظاہر ہے کہ جب ابتدا ہی سے حقیقت کی غلط تعبیر ہو تو اس پر جو بھی خیالات اُٹھیں گے وہ محض اندازوں سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتے، تاہم ہمیں مندرجہ بالا سطور سے یہ سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ شعور جب تک اپنے ابتدائی مراحل میں خود شعور نہیں تھا تو وہ سوچ سے محروم تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں زندگی کی سوچ اُس کا محض عمل ہی ہو سکتا ہے اور اس عمل کے لئے زندگی کو زندگی کے ابتدائی رجحانات کا قریبی اور گہرا

Marfat.com

علم ہوگا۔ چنانچہ جب ہم حیوانی مرحلہ تخلیق میں حیوانی جسم یا تنظیم کا سابقہ مراحلِ کائنات سے تعلق بذریعہ خوراک دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حیوان جس جسم کو تنظیم دیتا ہے اس میں اس کا نظامِ ہضم اور نظامِ تنفس اس طرح خودکار عمل انجام دیتے ہیں کہ گویا اُن کو اپنی اپنی جگہ معلوم ہے کہ کیا کرنا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حیوان سابقہ کائنات سے تعلق، زمین سے نباتات اور فضا سے ہوا، پانی، گرمی، روشنی وغیرہ کو بصورت خوراک حاصل کرکے کرتا ہے اور اگر غور سے دیکھیں تو حیوانی جسم کی تنظیم ان تمام اجزا سے محض خون بنانے کا کام کرتی ہے اور یہ خون جب حیوانی جسم کے خلیات کو جاتا ہے اور جسے ہم خلیات کی خوراک کہتے ہیں تو دراصل خلیات خون سے زندگی کی مادی حالتوں یا اقدار کا شعوری تجزیہ کرتے ہیں اور پھر اس تجزیہ کی خبر فی الفور اپنے مرکز یا نفسِ حیوانی کو دیتے ہیں۔ اس طرح گویا حیوانی خلیات پہلے کیمیاوی عمل کرتے ہیں اور خوراک کو حیوانی شعوری اقدار کے مطابق خون میں ڈھالتے ہیں (خون کیا ہے؟ وہ بھی شعوری اقدار پر مشتمل بہت سی زندہ خلیات کا نام ہے) اور پھر جسمانی خلیات اس خون سے اپنی اپنی اقدار اور حدود کے تحت بذریعہ وجدان مادی مراحل پر زندگی کے راز یعنی رجحانات کو حیوان کی شعوری سطح پر حسوں کے اندر ڈھال کر معلوم کرتے ہیں۔ حیوانی تنظیم کے اندر گویا ہر تنظیمی حصہ الگ الگ اقدار کو پرکھنے اور پھر شعوری استعداد کے مطابق اُس کو حس میں بدلنے کے فرائض ادا کرتا ہے۔ حیوانی جسم کی اِن سب تنظیمی حالتوں کو جو چیز تنظیم میں بدلتی ہے اس کو ہم نفسِ حیوانی کہتے ہیں۔ نفس اپنی ان تنظیموں سے بنتا ہے اور تنظیمیں اپنے نفس سے بنتی ہیں اور یہ دونوں مادی سطح پر ایک یونٹ میں رہتی ہیں نفس کے فرائض اپنی تنظیم کا خیال رکھنا ہوتا ہے اور اس کے لئے جسم حیوانی کی تنظیم کے مختلف تنظیمی شعبے حیوانی نفس کو بذریعہ سگنل یا اشاروں کی مدد سے اپنی ضروریات یا اپنے اندر توڑ پھوڑ سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حیوانی خلیات اگر کسی بیماری کے جرم کا شکار ہوں تو فی الفور اپنی اس حقیقت کو بخار کی تکلیف کی صورت میں نفس پر واضح کر دیں گے یا اگر کوئی اندرونی

Marfat.com

یا بیرونی چوٹ ہو تو اس کا سگنل کسی اور تکلیف کی صورت میں نفس کو آگاہ کر دے گا اسی طرح بھوک، پیاس وغیرہ نفس کے لئے جسم کو خوراک وغیرہ بہم پہنچانے کے سگنل ہیں گویا حیوانی مرحلہ تک شعور کی زبان بھی مادی قسم کی ہوتی ہے۔ اگر جسم کی تمام تنظیمی حالتیں اپنی اچھی حالت میں کام کر رہی ہوں تو وہ نفس کو مطمئن رکھتی ہیں۔ اسی طرح ہم حیوانی مرحلہ پر زندگی کی لذتوں اور ذائقوں کو سمجھ سکتے ہیں جو کہ مادی سطح پر اُس کی خوشی یا راحت کا اظہار ہیں حیوانی نفس کیونکہ محض ایک تنظیم کی حیثیت سے رہتا ہے جہاں تنظیم کے اندر مختلف اقدار اپنے آپ کو ایک وحدت میں ڈھال لیتی ہیں اور اُسے اپنی ذات کا شعور نہیں ہوتا لہٰذا وہ اپنی خوشی تکلیف وغیرہ کا اظہار انسان کی طرح نہیں کر سکتا حیوانی نفس کی خوشی اُس کی مادی لذت میں پنہاں ہوتی ہے اور اسی طرح اُس کا دُکھ یا رنج اُس کی مادی جسمانی تکلیف میں ظاہر ہوتا ہے اس کے علاوہ نفس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ لذت یا خوشی یا تکلیف جو اس کا جسمانی جسم بذریعہ سگنل اُس تک پہنچا رہا ہے۔ وہ خود کوئی ایسی ذات یا شخصیت ہے جو اُس سے لطف اندوز ہو رہی ہے یا اُسے تکلیف پہنچ رہی ہے یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ اگر حیوان بھاگ رہا ہو یا چل رہا ہو تو اُسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ خود کوئی ایسی چیز ہے جو چل یا بھاگ رہی ہے۔ اس کے مقابل انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو اُس کو علم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ذات یا شخصیت ہے جو اس عمل کو کر رہی ہے اور اُس کے پیچھے محرک کو جانتی ہے۔ حیوانی مرحلہ پر اُس کے تمام عمل ایک تنظیمی حیثیت سے یعنی جبلتوں کے تحت سرزد ہوتے ہیں اور نفس ان جبلتوں کے ماتحت محض اُس دباؤ کے تحت حرکت یا عمل کرتا ہے۔ حیوانی مرحلہ تخلیق پر زندگی گویا اپنے آپ کو معلوم کرنے اور اپنی زندگی کی حفاظت کرنے والی ایک وسیع المقاصد لیبارٹری ہے جس میں حیوانی سطح پر زندگی اپنے سابقہ مراحل کی شعوری زندگی اور اُس کے رجحانات کو حسوں کی صورت دریافت کرتی ہے اور اس کے ذریعے اپنے مقام اور شعوری اقدار کو متعین کر کے اپنے مرحلہ کی تکمیل کرتی ہے۔ اب یہاں کائنات کے اِن مختلف تخلیقی مراحل سے جس اہم حقیقت کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر مرحلہ پر

Marfat.com

زندگی کی نئی اقدار مرحلہ کی بنیاد بنتی ہیں اور یہ اقدار جسم کو اپنے مقصد کے مطابق ڈھالتی ہیں یعنی تخلیق کائنات میں بنیادی چیز جو ظہور پا رہی ہے وہ زندگی یا شعور ہے نہ کہ اجسام یا اس کی تنظیمیں، زندگی کسی مرحلہ پر اپنے رجحانات یا شعوری اقدار کے مطابق خود اپنے اردگرد اجسام یا تنظیم پیدا کرتی ہے اور اس کا مقصد زندگی کا اپنے آپ کو زینہ بہ زینہ مختلف مراحل کے اندر گزار کر اپنی اقدار کو پہچان کر بالآخر اپنی حقیقت کو پہچاننا ہے لہذا اجسام کی حقیقت زندگی کے اپنے سفر کے دوران محض ایک ایسے آلہ یا دوربین کی سی ہوتی ہے جس سے وہ سابقہ مراحل کے سفر کو اپنے نئے مقام پر حاصل ہونے والی روشنی کی مدد سے دیکھتی ہے یعنی جس شعوری بلندی سے وہ دیکھتی ہے اس کے مطابق وہ اپنے سفر کی سابقہ حالتوں کا از سر نو علم حاصل کرتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مقام یعنی اپنی شعوری زندگی کو متعین کرتی ہے گویا شعور ہر نئے مرحلے پر جب قدم رکھتا ہے تو وہ سابقہ مرحلہ کی خواب کی حالت سے بیداری کی حالت میں آجاتا ہے اور پھر اس بیداری کے تحت وہ اپنے سابقہ مراحل کا تجزیہ کر کے اپنی حقیقت اور اپنے مقام کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے مقام کو پہچاننے کی کوشش گویا اپنی شخصیت یا ذات کو پہچاننے کی کوشش ہوتی ہے اور شخصیت کی پہچان کا مطلب مقصد کی پہچان ہوتا ہے یعنی یہ کہ زندگی کسی مرحلہ پر مقصد سے کتنی دور ہے مآل کار یہ مقصد ہی ہوتا ہے جو کسی چیز کو متعین کرتا ہے لہذا زندگی کے اس دباؤ کے پیچھے جس کے تحت وہ اپنے مقام کو پہچاننا چاہتی ہے دراصل اپنے مقصد کو پہچاننے کا دباؤ ہوتا ہے اور زندگی جیسے جیسے مقصد کو پہچانتی جاتی ہے اس کے اندر ذات یا شخصیت کا احساس بھی ابھرتا جاتا ہے حیوانی مرحلہ تخلیق پر زندگی ابھی اپنی پیدائشی حالت میں تھی یعنی وہ مادی سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی تاہم نفس کی صورت میں اس کی تنظیم یہ ظاہر کرتی ہے کہ زندگی اس مرحلہ پر اپنی شخصیت یا ذات کو حاصل کرنے کی طرف بڑھ رہی تھی لہذا زندگی جس مرحلہ پر بھی کیوں نہ ہو وہ اپنے مقام کو متعین کرتی ہے اور اس کے لئے اسے اپنی زندگی کے سابقہ سفر کو ذہن میں رکھنا پڑتا ہے یہی وجہ

Marfat.com

ہے کہ ہر نئے مرحلہ پر زندگی سابقہ مراحل سے رابطہ قائم کرکے ان مراحل کے اندر زندگی کے رجحانات کو معلوم کرکے اپنی شعوری اقدار کے تحت اپنے مقام کو متعین کرتی ہے ہر مرحلہ پر جیسے جیسے زندگی اپنی شعوری اقدار میں اُوپر اُٹھتی جاتی ہے یا بلندیوں کی طرف بڑھتی ہے ویسے ہی وہ نئے مرحلہ پر نئے جسم یا نئے آلات لے کر آتی ہے اور یہ آلات زندگی کی نئی شعوری اقدار کے مطابق سابقہ مراحل کی نسبت کثیف سے لطیف یعنی زیادہ حسّاس ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ جب زندگی شعور کی چوٹی پر پہنچتی ہے اور اُس کے آگے اور کوئی مرحلہ طے کرنا باقی نہیں ہوتا تو وہ مکمل طور پر بیدار ہو جاتی ہے اور پھر اپنی حقیقت کو پاکر جب اپنے سابقہ سفر کو چوٹی کی اُس بلندی سے نیچے کی طرف دیکھتی ہے تو اُسے اپنی حقیقت اور بلندی کی پہچان ہوتی ہے اور اس پہچان کے ساتھ اُسے اپنے مقصد کی بلندی اور اُس کی شان و شوکت کا علم بھی ہو جاتا ہے ہم اس حقیقت کو اس مثال سے واضح کر سکتے ہیں کہ گویا زندگی ایک نہایت گہرائی یا پستی کے اندھیرے سے ایک ادنیٰ اسپارک یعنی روشنی کے ذرّے سے آغاز کرتی ہے ہم اس سپارک کو حسن و محبّت کی ایسی کرنٹ سے تشبیہہ دے سکتے ہیں جو اپنی نہایت ہی ادنےٰ حالت میں روشن ہوتی ہے۔ زندگی گویا روشنی ہوتی ہے اور ذرّہ اُس کے اظہار کے لئے آلہ یا جسم کے فرض ادا کرتا ہے۔ دراصل اس جسم کی اپنی حقیقت کوئی الگ سے نہیں بلکہ یہ زندگی کے اظہار کی صورت ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ زندگی اندھیروں میں اپنی شمع یعنی شعوری زندگی کی روشنی میں آگے بڑھتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ پر چڑھتی جاتی ہے۔ زندگی یا شعور جس کو ہم نے روشنی کہا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جیسے جیسے یہ اُوپر کی طرف بڑھتی جاتی ہے تیز ہوتی جاتی ہے خاص کر جب ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتی ہے تو معاً اس کی روشنی کی قدریں سابقہ روشنی سے کہیں زیادہ وسعت اور چمک میں ظہور کرتی ہیں۔ اس طرح زندگی جب ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں پہنچتی ہے تو وہ اپنے آپ کو اعلیٰ روشنی میں پاتی ہے اور پھر اس اعلیٰ روشنی کے مطابق وہ اپنے سابقہ سفر کے اندھیروں کا تجزیہ کرتی ہے اور

Marfat.com

اس طرح اپنے مرحلہ کا مقام اور اس کے ساتھ اپنی ہستی کا احساس پیدا کرتی ہے گویا ہر مرحلہ پر زندگی روشنی کے ایک الگ مینار پر قدم رکھتی ہے جو فی الفور اپنے اردگرد ماحول کو سابقہ مرحلہ کی نسبت کہیں زیادہ چکا چوند اور اس کی وسعتوں کو بے پایاں کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ مرحلہ بہ مرحلہ زندگی اندھیاروں کی اس گہرائی کو پاٹتی ہوئی جب سطح کے قریب آخری مرحلہ میں داخل ہوتی ہے تو اس کو سرنگ کے دہانے پر ہر سو روشنی پھیلی ہوئی نظر آتی ہے جو چھن چھن کر سرنگ کے اندر نظر آتی ہے لہذا زندگی تیزی سے اس روشنی کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتی ہے تاہم اس روشنی کو اچھی طرح پہچاننے کے لئے زندگی کو اپنے سابقہ اندھیاروں کے اندر منزل بہ منزل جو روشنی کی اقدار حاصل ہوتی رہی ہیں وہ ان کا نئی روشنی کے تحت تجزیہ کرتی ہے تاکہ وہ اپنے مقام اور روشنی کی ماہیت کا پتہ چلا سکے اور اس طرح اُسے اپنی حقیقت اور مقام کا پتہ لگ جانے سے سابق مراحل کی روشنیاں جن کو وہ سب کچھ سمجھ کر اُن کے ساتھ پیوستہ رہنا اپنی معراج سمجھتی تھی اب وہ ان کو محض ادھوری روشنیاں دکھائی دیتی ہیں جیسے جیسے اُسے ان روشنیوں کی پہچان بڑھتی جاتی ہے وہ اپنی حقیقت کو پہچان کر نئی روشنی کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں یہ اہم حقیقت ذہن نشین رہے کہ اس مثال میں زندگی کے سفر کے اس آخری مرحلہ پر زندگی کا وجود یا اُس کے اپنے آپ کو پہچاننے کا آلہ مادی یا حیاتیاتی آلہ نہیں بلکہ وہ جب آخری مرحلہ پر پہنچ جاتی ہے وہاں سے روشنی خود بخود اپنے آپ کو ظاہر کر رہی ہے اور سرنگ کے مُنہ سے چھن چھن کر اندر آ رہی ہے لہذا اس آخری مرحلہ پر زندگی اپنے مقام اور اپنی ہستی کو اپنی اس منزل کی روشنی کی اقدار کے تحت متعین کرتی ہے۔ مندرجہ بالا مثال کے تحت انسان کی خود شعوری کی یہ وہی منزل ہے، جو وہ مادی سمندر یا سرنگ کو پاٹ کر سطح کے قریب آتی ہے جہاں سے وہ حقیقت کی روشنی کا احساس کر رہا ہے اور اس روشنی کے تحت وہ اپنی سابقہ منازل اور جدو جہد کو متعین کر رہا ہے وہ گویا سابقہ مراحل کی روشنی کو نئی روشنی کی کشش سے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے اور اس طرح وہ ان ادھوری روشنیوں کی کشش سے ہٹ کر حقیقی اور ابدی روشنی جسکی جھلک وہ اپنی اس نوجود

سطح پر اپنے اندر پا رہا ہے کی طرف بڑھنے کے لئے بے تاب ہے۔ مندرجہ بالا سطور سے ہمیں تخلیق کے اندر ایک اور بڑے اصول کا پتہ لگتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر مرحلہ کی تکمیل پر زندگی کو نئے مرحلہ پر قدم رکھتے ہی جو روشنی میسر آتی ہے اس کے تحت اُسے اپنے سابقہ مراحل کے اندر زندگی کا تجزیہ کرنا نہایت ضروری بلکہ اپنے آپ اور اپنی منزل کو سمجھنے کے لئے ایک اہم شرط ہے گویا زندگی کو ہر نئی منزل پر پہنچتے ہی اپنی تمام سابقہ زندگی کا حساب کتاب کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنی منزل کی حقیقت کو سمجھ سکے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان اپنے اس موجودہ تخلیقی مرحلہ کی تکمیل کرتے ہوئے جب اگلے مرحلہ میں قدم رکھے گا تو اپنے خالق کی شان و شوکت اور اس کی حیثیت سے آشنا ہونے کے لئے اس کی خود شعوری کے اندر نہ صرف تمام مادی کائنات کے اندر اُس کے سفر کے حقائق موجود ہوں گے، بلکہ اُس کی ذہنی سطح پر اُس کے تصورات، خیالات اور فکر و عمل کی داستان بھی اس کے ساتھ ہو گی جس کے نتیجہ میں وہ اگلی کائنات کے اندر اپنی کامیابی یا ناکامی کو متعین کر سکے گا۔

دراصل جب ہم تخلیق کائنات کے اندر ان مختلف مراحل پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرحلہ جو سابقہ مرحلہ پر اٹھتا ہے وہ یکسر زندگی کی اعلیٰ اقدار اور روشنی لے کر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کائنات کو مختلف مراحل میں تخلیق کرنے کا کوئی مقصد نہ رہتا۔ لہٰذا زندگی جب نئے مرحلہ پر قدم رکھتی ہے تو بنیادی طور پر اپنے سابقہ مرحلہ سے قریبی تعلق ہونے کی وجہ سے اپنی نئی روشنی کے تحت ان کو از سر نو متعین کرتی ہے۔ مگر جیسا کہ ان مراحل کی تخلیق کے اصولوں سے پتہ چلتا ہے، نئے مرحلہ پر زندگی اپنی اعلیٰ اقدار کے مطابق براہ راست سابقہ مراحل کی زندگی پر عمل نہیں کرتی کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گی تو سابقہ مراحل پر زندگی اپنی پوری قوت سے کسی قسم کی تبدیلی کی سخت مزاحمت کریگی اور اس کے مقابل نئے مرحلہ پر زندگی کے لئے خواہ وہ اعلیٰ اقدار کی حامل ہوتی ہے اس مزاحمت سے براہ راست نبٹنا ممکن نہیں، خاص کر اس حالت میں جبکہ

Marfat.com

وہ اپنے نئے مرحلہ پر ایک نہایت ہی ناقابلِ ذکر شعوری حالت سے زندگی کی اعلیٰ اقدار کا آغاز کرتی ہے لہٰذا وہ سابقہ مراحل کی اقدار کو چھپ چھپا کر اپنے نئے جسم کی مدد سے اُسے اپنی اقدار کے پیمانوں پر پرکھتی ہے۔ اس مقصد کے لئے زندگی جس ذریعہ سے عمل کرتی ہے اُسے ہم خوراک کا عمل کہتے ہیں گویا نئے مرحلہ پر زندگی داخل ہوتے ہی جس جسم کی تشکیل کرتی ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ سابقہ مرحلہ کی زد سے باہر بھی رہے اور اس میں سابقہ مرحلہ کی اقدار کو ضم کر کے اپنی زندگی کی نئی اقدار کے مطابق ڈھالتی یا عمل بھی کرتی رہے۔ چنانچہ نباتاتی مرحلہ تخلیق پر نباتات کی اعلیٰ زندگی کی اقدار طبعی قوانین کو اپنے شعوری پیمانوں کے مطابق ایک نئے ریاضیاتی تناسب اور توازن کے تحت باہر لاتی ہیں مثلاً نباتات زمین اور فضا سے نمکیات، پانی، روشنی، حرارت وغیرہ اخذ کر کے ان کو اپنی زندگی کی اقدار کے مطابق ڈھالتی جاتی ہے اس کے بعد حیوانی مرحلہ تخلیق پر حیوانی زندگی کی اعلیٰ اقدار حسوں کی تکمیل تھی لہٰذا حیوان نہ صرف نباتات بلکہ فضا، پانی ہوا، روشنی وغیرہ کو اپنے اندر بطور خوراک ضم کرتا رہتا ہے تاآنکہ وہ اپنے مرحلہ کی اقدار کے مطابق کائنات کی مادی حالتوں کا علم اپنی حسوں میں ڈھال لیتا ہے۔ حیوانی مرحلہ پر حسیں شعور یا زندگی کی اعلیٰ اقدار کو ظاہر کرتی ہیں۔ لہٰذا اگر حیوان نے پھلوں کے ذائقے یا مادہ کی ٹھوس، نرم وغیرہ حالتوں کو دریافت کیا ہے تو یہ دریافت حیوانی مرحلہ پر زندگی کے اعلیٰ شعوری اقدار کے حامل ہونے کی وجہ سے تھی جن کے اندر ابتدا ہی سے یہ صلاحیت رکھ دی گئی تھی نہ کہ اس وجہ سے کہ زندگی کے محض بیرونی دنیا سے جوکہ اس کے سابقہ مرحلہ پر اُسے ظہور میں لاتی ہے سے خود بخود کچھ حاصل کرتی ہے۔ اسی طرح انسانی مرحلہ تخلیق پر زندگی خود شعوری کی صلاحیت لے کر آغاز کرتی ہے اور پھر وہ سابقہ مراحل سے جن اقدار کو جذب کرتی ہے ان کو وہ اپنی شعوری اقدار کے تحت پرکھتی اور اپنے مقصد کے تحت نئے معانی اخذ کرتی ہے۔ مثلاً انسانی مرحلہ تخلیق پر انسان سابقہ مراحل سے تعلق بذریعہ حیوانی حواس اور پھر نباتات سے بذریعہ حیوانی خوراک اور پھر نباتات اپنی جگہ زمین اور اُس کے طبعی قوانین سے تعلق قائم کرتی ہے اور

Marfat.com

اس طرح یہ تمام مراحل باقی کائنات یعنی اولین نورانی مرحلۂ تخلیق کے تمام مظاہر سے بذریعہ کشش رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا انسان نہ صرف حیوانی حسوں سے رابطہ قائم رکھتا ہے بلکہ وہ حیوان کے ذریعہ تمام کائنات سے تعلق رکھتا ہے اور اس طرح وہ ان ذرائع رابطہ کو اپنی خود شعوری کی اقدار یا پیمانہ پر پرکھتا ہے۔ خود شعوری کیونکہ کائنات کے اندر اپنی ایک الگ ہستی یا ذات کی وحدت میں اُبھرتی ہے اور کائنات کو ایک وحدت میں دیکھتی ہے لہٰذا انسان کی خود شعوری ان سب اقدار کے اندر وحدت کو تلاش کرتی ہے وہ حسوں سے اشیائ کا علم دریافت کرتی ہے اور کائنات کے مظاہر اور فطرت کے حسین نقوش کو دیکھتی ہے تو وہ ان سب کو محض مادی یا حیاتیاتی ٹکڑوں کی حیثیت سے نہیں دیکھتی بلکہ ان کو اپنی خود شعوری کی اقدار کے تحت ایک وحدت میں دیکھتی ہے۔ خود شعوری خود وحدت ہے لہٰذا وہ کائنات یا اُس کے مظاہر کو ایک وحدت کے تصور ہی میں دیکھ سکتی ہے۔ خود شعوری یا زندگی جو انسانی سطح پر ظاہر ہوئی ہے اپنے آپ کو سمجھنے کے لئے اب تک کائنات کی اپنے تصور میں کئی تفسیریں کر چکی ہے لیکن پھر بھی اپنی ہستی کو پہچاننے سے قاصر ہے کیونکہ یہ ابھی اپنے منتہا سے بہت دُور ہے تاہم خالق جو ہر لحظہ تخلیق کو پروان چڑھا رہا ہے وہ تخلیق کو اس کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑتا بلکہ وہ ہر آن اپنی تخلیق کی شعوری سطح کے مطابق جب بھی ضرورت پیش آتی رہی راہنمائی کرتا رہا ہے زندگی کے اولین مراحل میں زندگی کی شعوری اقدار کم تھیں لہٰذا خالق کی رہنمائی ہر آن اور ہر فارم پر ساتھ تھی لیکن جیسے جیسے زندگی اپنے تخلیقی مراحل طے کرتی گئی ویسے ہی خالق اِن تخلیقی مراحل پر زندگی کی شعوری اقدار کے مطابق رہنمائی کرتا رہا ہے چنانچہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر بھی خالق کی طرف سے یہ راہنمائی بتدریج برگزیدہ انسانوں کے ذریعہ انسان کو ملتی رہی ہے۔ خالق یہ راہنمائی خود تخلیق کے اندر سے اس کی شعوری اقدار کے مطابق مہیا کرتا رہا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ زندگی خالق کی کشش یا جذبۂ محبت کا نام ہے اور یہ ایک مسلسل فعل

Marfat.com

ہے۔زندگی ایک ہی مقصد کے تحت مختلف تخلیقی مراحل سے گذرتی ہے اور جیسے جیسے اس کے اندر خالق کی زیادہ سے زیادہ پہچان بڑھتی جاتی ہے ویسے ہی اُس کے اندر اس کے پانے کی زیادہ سے زیادہ تڑپ پیدا ہوتی جاتی ہے زندگی تخلیق کے اندر خالق کی اسی زبردست محبت کا نام ہے حیوانی مرحلۂ تخلیق تک یہ محبت غیر شعوری طور پر تخلیق پاتی ہے کیونکہ زندگی ان مراحل تک محض اپنی ابتدائی حالتوں میں تھی اور اس کے اندر اپنے خالق کا شعور یا احساس نہیں اُبھرا تھا انسانی تخلیق کے ان مراحل کو ہم مادی زندگی یا شعور کی مادی حالتوں کا نام دیتے ہیں لیکن انسانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی کے قدم رکھتے ہی اُسے اپنی ہستی اور وحدت کا احساس ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی خالق کی وحدانیت کا احساس اُبھرتا ہے خالق کے اسی احساس اور محبت کا نام روح ہے اور انسان اپنے موجودہ مرحلۂ تخلیق میں خود شعوری کے جس بطن میں تخلیق پا رہا ہے یہی مرحلہ ہے جہاں اُس کی شعوری زندگی جیسے جیسے خالق کے تصورات میں آگہی حاصل کر رہی ہے ویسے ہی خالق کی روح اس میں داخل ہوتی جا رہی ہے۔حتیٰ کہ اس تخلیقی مرحلہ پہ جب بنی نوع انسان اگلے مرحلہ میں اپنی پیدائش پر قدم رکھے گی تو اُس کے ساتھ ہی خالق کائنات کی روح یا زندگی اس میں پوری طرح موجزن ہو چکی ہو گی۔یاد رہے کہ بنی نوع انسان کا وجود تصوراتی یا ذہنی کل میں تکمیل حاصل کر رہا ہے اور اس تصوراتی وجود کی تکمیل پر وہ حقیقت کائنات کو معلوم کر لیگا اور اسکے ساتھ ہی خالق کی روح مکمل طور پر آجانے کیوجہ سے وہ اپنی پیدائش کا آغاز خالق کے ابتدائی مشاہدہ سے شروع کرے گی۔انسانی خود شعوری کے موجودہ مرحلہ میں افراد اپنے تصوراتی ذہن میں تکمیل پا رہے ہیں اور چونکہ انسانی زندگی ایک دفعہ اپنی ہستی سے آگاہ ہو چکی ہے اور اس کے ساتھ ہی اُس کے اندر خالق کا شعوری احساس پیدا ہو چکا ہے لہذا انسان حیوانی نفس کی موت سے مرتا نہیں۔اس کے شعور میں ایک دفعہ حقیقی روشنی کے آجانے سے وہ حقیقت کا راز داں بن کر ابدیت سے ہمکنار ہو جاتا ہے بتمام افراد اپنی اپنی وحدت میں اپنے خالق کے تصورات کے اندر تخلیق کے اس موجودہ بطن میں ایک ہی مقصد کی طرف بڑھ رہے ہیں اس

Marfat.com

بطن کے اندر اس مرحلہ کی پلین کے مطابق وہ خالق کائنات کے ایک ہی تصور یا ذہنی وجود کی تشکیل کر رہے ہیں اس تصوراتی یا ذہنی وجود میں افراد کے تصورات گویا ایسے ہی ہیں جیسے کہ مادی مراحل تخلیق میں حیوانی جسم کے اندر زندہ خلیات کی حیثیت ہوتی ہے۔ انسان کی خود شعوری تخلیق کے موجودہ بطن میں ادنیٰ روحانی زندگی اور ادنیٰ خود شعوری کی حیثیت سے داخل ہوتی ہے اور پھر تصورات میں روحانی طور پر بٹتی ہوئی جیسے جیسے تصورات کے ایک واحد جسم کی صورت تشکیل پاتی ہے ویسے ہی اُس کے اندر خالق کی روح پرورش پاتی رہتی ہے حتیٰ کہ اس روح اور تصوراتی یا ذہنی جسم کے تکمیل ہونے پر زندگی جب اگلی منزل پر اپنے خالق کا مشاہدہ کرے گی تو اس مشاہدہ میں ہر فرد جو کہ خالقِ کائنات کے ایک واحد تصور کی صورت اس تصوراتی جسم میں خود شعوری کے خلیے کی حیثیت سے ہوگا۔ اپنی ذہنی ترقی یا علم کے مطابق حقیقتِ کائنات کا مشاہدہ کر سکے گا۔ وہ افراد جو خود شعوری کی اعلےٰ سطح پر ہوں گے وہ یقیناً روحانی طور پر خالق کے زیادہ قریب ہوں گے۔ بہرحال اس تصوراتی جسم کی تشکیل کے اندر تمام نبی نوع انسان اپنی ذہنی حالتوں کے مطابق اپنی دنیا تشکیل کریں گے اور اسی کے مطابق خالق کائنات کے مشاہدہ کے قریب یا دُور ہوں گے یہاں اس مادی دنیا میں بھی افراد کی یہی حالت ہے۔ ہر فرد اپنے تصوّرات میں رہتا ہے اور اُسی کے مطابق اچھی یا بُری دنیا کی تعمیر کرتا ہے کچھ افراد زندگی کی اعلےٰ اقدار کے حامل ہیں اور علمی طور پر وہ دوسرے افراد کی نسبت نہایت بلندی پر زندگی بسر کرتے ہیں اور کچھ افراد اپنی حقیقت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے جاہلیت کی زندگی بسر کرتے ہیں دوسرے لفظوں میں ایسے افراد اپنی حقیقت سے بے بہرہ ہونے یا دوری کی وجہ سے اپنی زندگی کو ماتحتہ زندگی کی ادنیٰ اقدار یعنی نفسی خواہشات کی تکمیل کرتے رہنے ہی کو اپنی زندگی یا خود شعوری کا مقصد بنا کر حیوانی طبعی زندگی تک کو ضائع کر دیتے ہیں بہرکیف اس دنیا میں انسان کی خود شعوری کے مرحلے پر بھی جب کہ انسان ایک ہی بطن میں ایک ہی مقصد کے تحت پرورش پا رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں ہر فرد آزادانہ اپنی الگ

Marfat.com

تصوراتی دنیا میں رہتا ہے وہ بنی نوع انسان کا ایک مکمل جزو بھی ہے اور خود شعوری کے اندر اپنی الگ ذات یا تصوراتی زندگی کا مالک بھی۔ کوئی روحانی اور علمی مقام پر کھڑا حقیقی خوشی کو حاصل کر رہا ہے تو کوئی اپنی کم علمی اور جاہلیت کے تحت اپنی خود شعوری کے روحانی جذبہ کو سابقہ زندگی کی حیوانی نفسانی خواہشات کی طرف مبذول کر کے اُس کو غلط طریقہ سے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا ہے مندرجہ بالا حقائق سے ہم بنی نوع انسان کے اگلے مرحلہ پر داخل ہونیکی تصویر دیکھ سکتے ہیں ہاں پر یہ روحانی زندگی اگرچہ بنی نوع انسان کے تصوراتی یا ذہنی جسم کے کل کے طور پر ظاہر ہوگی جہاں افراد اپنے تصورات کے اندر گویا ایک خلیہ کی حیثیت سے اپنی الگ دنیا کے مالک ہوں گے تاہم اس نئے مرحلہ پر بھی زندگی اپنا آغاز نہایت ادنیٰ روحانی زندگی اور تصوراتی ذہنی جسم کے ایک کل یا وحدت میں کریگی گویا شروع میں بنی نوع انسان کی روحانی زندگی خالق کے اگرچہ قریب آجائیگی مگر وہ اسکی پوری جھلک یا پہچان فی الفور حاصل نہیں کر سکے گی بلکہ بتدریج وہاں پر بھی وہ اپنے سابقہ مراحل یعنی جن مراحل میں تشکیل پا چکی ہے ان کا اپنی نئی روحانی روشنی کے تحت اندازہ لگائے گی اور پھر اس طرح ان اندازوں کے اندر اپنی پہچان اور اپنی پہچان کے ساتھ خالق کی پہچان کرتی جائے گی۔ دوسرے لفظوں میں انسانی روح جب مادی کائنات کے تمام تخلیقی مراحل جنکے اندر وہ تخلیق پاتی رہی ہے اور جنسے گذرنے کے بعد بالآخر خود شعوری کی منزل پر پہنچ کر براہ راست اپنے خالق کا روحانی احساس کرنے کے قابل ہو گئی تھی، کا اندازہ لگائے گی اور اس طرح جب اسے مادی کائنات کی شان و شوکت، اُس کی طاقت اور وسعتوں کا پتہ چلے گا کہ وہ سب محض اس کی تعمیر و تخلیق کے علاوہ کچھ وجود نہیں رکھتی تو انسانی روح کو اپنی عظمت، جو کہ مادی کائنات کے اندر اُس کے خالق کی صفات و کمالات کے ظہور کے سوا کچھ نہیں، کا پتہ چلے گا، اپنی روح کی اس عظمت کے اندر اُسے اپنے خالق کی عظمت اور شان کا پتہ چلے گا۔ اس طرح انسانی روح جو کہ خالق کی اپنی روح کی عکاسی کے علاوہ اور کچھ نہیں اپنے اندر خالق کے فطری جذبۂ محبت کو زیادہ سے زیادہ پا کر اپنے خالق کے قریب آتی جائے گی۔ اس قرب کے ساتھ ساتھ انسانی روح خالق کے حسن و جمال کی زیادہ سے زیادہ عکاسی

Marfat.com

کرتی ہوئی خالق کی روحانی روشنی کے ساتھ ساتھ اپنی وسعتوں میں پھیلتی جائے گی بہرحال اگلے مرحلہ پر یہی نوع انسان کے داخل ہونے پر خالقِ کائنات کے جلووں کی روشنی انسان کو میسر آئے گی تو وہ ان جلووں کی اقدار کے مطابق اپنی سابقہ زندگی یا اپنے اعمال کی پہچان کرے گا اور اس پہچان کے ساتھ اپنے مقام اور خالقِ کائنات کے قرب کو متعین کریگا۔ بعض افراد اس قرب کو زیادہ قریب پاکر ابدی خوشی کے حامل ہوں گے اور بعض اس سے دوری کی بنا پر گویا جہنم کے گڑھے میں ہوں گے اس کو ہم مکافاتِ عمل بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کا مقصد انسان کو سزا دینا نہیں بلکہ انسان کو بلندی کی طرف لے جانے کے لئے یہ ایک اہم اصول ہے۔

دراصل تخلیق کے اندر ایک مقصد ہے اور یہ مقصد ایک زبردست لاشعوری قوت ہے لاشعوری قوت کا مطلب ہے کہ خالق کی قوت ارادی ہر وقت اپنی تخلیق کے اندر اپنے مقصد کے حصول کے لئے دباؤ ڈالتی رہتی ہے لہٰذا یہی قوت جس حد تک تخلیق کے اندر مقصد کو حاصل کرتی رہی ہے وہ زندگی یا شعور بنکر ابھرتی رہی ہے اور جس حد تک خالق کی قوتِ ارادی کا مقصد اپنی تکمیل چاہتا ہے وہ تخلیق کے اندر ایک زبردست اندرونی دباؤ پیدا کئے رکھتا ہے کائنات کا مقصد کیونکہ ایک ہے لہٰذا تخلیق کے اندر خواہ وہ کسی مرحلہ میں کیوں نہ ہو ایک ہی آغاز اور ایک ہی تکمیل ہوتی ہے مختلف تخلیقی مراحل میں تخلیق جس حد تک اس مقصد کو حاصل کر لیتی ہے اسی حد تک وہ زندگی یا شعور کی اعلےٰ اقدار پر ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ آخری مقصد کے مقابل ادھوری زندگی اور ادھوری تکمیل ہوتی ہے لہٰذا زندگی جس مرحلہ پر بھی کیوں نہ ہو وہ اپنی زیادہ سے زیادہ تکمیل چاہتی ہے اور اس تکمیل سے وہ اپنے آپ کو اور اپنے مقصد کو جاننا چاہتی ہے اور یہی مقصد خالق کا مقصد ہے۔ ابتدائی تخلیقی مراحل میں زندگی اپنی ادنیٰ شعوری حالتوں میں تھی لہٰذا اس کی زندگی یا شعور اپنے آپ سے اور اپنے مقصد سے کم واقف تھا لہٰذا جیسے جیسے تخلیق ادنیٰ سے اعلیٰ شعوری حالتوں کی طرف بڑھتی رہی اسی نسبت سے اسے اپنے آپ اور

Marfat.com

اس کے ذریعہ اپنے مقصد کو معلوم کرنے کی زیادہ سے زیادہ تڑپ پیدا ہوتی۔ اس تڑپ کے پیچھے چاہل خالق کی قوتِ ارادی اور اس قوت کے اندر چھپا ہوا مقصدِ تخلیق کی شعوری زندگی کے اندر لاشعوری حالت میں بالقوہ موجود ہوتا اور اس پر دباؤ ڈالتا رہتا، اسی لئے زندگی خواہ کسی مرحلہ پر بھی کیوں نہ ہوتی اسکے وقت میں رہتے ہوئے بھی اسکے اندر اپنے نامکمل ہونے کا احساس رہتا۔ گویا خالق کی قوت ارادی جس حد تک اپنے مقصد کو تخلیق میں پالیتی ہے تخلیق کے اندر وہ زندگی بنکر ابھرتی ہے اور جس حد تک مقصد ابھی حاصل کرنا باقی ہوتا ہے یعنی جس کا باطن سے ابھی ظہور ہونا باقی ہوتا ہے وہ تخلیق کی شعوری زندگی میں لاشعوری دباؤ ڈالے رکھتا ہے گویا تخلیق جو زندگی حاصل کر چکی اور جو لاشعوری زندگی ابھی حاصل کرنا باقی ہوتی ہے وہ دونوں مل کر مکمل زندگی یا مکمل خود شعوری یا خالق کے مقصد کی تکمیل بنتی ہے۔ تخلیق کی حاصل شدہ زندگی کے پیچھے باقی زندگی جو تخلیق کے اندر ابھی ظہور میں آنا باقی ہے اس کو لاشعوری زندگی یا لاشعوری دباؤ کہہ سکتے ہیں۔ یہ لاشعوری دباؤ تخلیق کے ہر مرحلہ پر جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ زندگی جب اس مرحلہ کی تمام اقدار کو حاصل کر لیتی ہے اور مزید لاشعوری دباؤ اس مرحلہ کے آگے بڑھنے کے لئے نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتا تو لاشعوری زندگی یا خالق کی قوت ارادی جس کا اظہار ہونا باقی ہوتا ہے اپنی اگلی پلین کے مطابق تخلیق کو جاری رکھتی ہے سابقہ تخلیقی مراحل جس حد تک زندگی کی قدروں سے آگاہ ہو چکے ہوتے ہیں وہ انہیں اقدار کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں لہٰذا لاشعور اپنا تمام دباؤ نئے تخلیقی مرحلہ پر جو زندگی نمودار ہوتی ہے اس پر لگا دیتا ہے اس طرح مرحلہ بہ مرحلہ اور جیسے جیسے زندگی اعلےٰ شعور کی حامل ہوتی جاتی ہے ویسے ہی اس پر لاشعوری دباؤ کم ہوتا جاتا ہے۔ دراصل اعلیٰ مرحلہ پر زندگی مقصد کے زیادہ قریب ہوتی ہے اور خالق کی صفات سے واقف ہونے کی وجہ سے خود بھی خالق کی قوت ارادی جو اُس کی لاشعور زندگی میں رہتی ہے سے زیادہ سے زیادہ تعاون کرتی ہے اور اس طرح وہ خالق کی گویا نیابت کی حقدار بنتی جاتی ہے۔ انسانی مرحلہ تخلیق زندگی کی اس منزل پر ہے، جہاں زندگی تخلیق کائنات کے اندر مختلف مراحل سے گذرنے اور بتدریج شعور کی منازل کو طے کرنے

Marfat.com

کے بعد خالق کے مقصد سے زیادہ قریب ہے اور اُس کے اندر خالق کی جھلک اور عکس نمودار ہو چکا ہے بہر حال ابھی انسان کو خالق کے مقصد کی تکمیل کرنا باقی ہے اور انسانی زندگی کا یہ مرحلہ ابھی جاری ہے۔ یہ حقیقت کہ کائنات ایک مقصد کے تحت پروان چڑھ رہی ہے اس کی شہادت ہمیں تخلیق کے اندر ہر قدم پر ملتی ہے۔ اگلے صفحات میں ہم تخلیق کائنات کے اندر مقصدیت کے پہلو پر غور کریں گے۔

Marfat.com

باب نمبر ۸

مقصد اور تخلیق

تخلیق کائنات کے جن مراحل کا اب تک ہم نے ذکر کیا ہے بظاہر اُن کی نوعیت کچھ اس طرح ہے کہ ہر تخلیقی مرحلہ کی تکمیل پر جو نیا مرحلہ اٹھتا ہے وہ شعوری لحاظ سے اعلےٰ اقدار کا حامل ہوتا ہے گویا ادنےٰ سے اعلےٰ حالت پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات کچھ عجیب معلوم ہوتی ہے کیونکہ ادنی شعوری حالت اعلےٰ شعوری حالت کو خود بخود پیدا نہیں کر سکتی۔ تاہم عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ ارتقاء ہمیشہ نچلے مراحل سے اُوپر کی طرف اٹھتا ہے اور اس سلسلہ میں جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ سابقہ مراحل نئے مرحلہ کے بڑھنے پھولنے کے لئے سازگار فضا یا ماحول پیدا کرتے ہیں۔ اگر سابقہ مراحل نئے مرحلہ کے لئے سازگار فضا مہیا نہ کریں تو نئے مرحلہ کا پروان چڑھنا ناممکن ہو جائے۔ مثلاً نباتات کے تخلیقی مرحلہ کو لیں تو نباتات کے بڑھنے پھولنے کے لئے طبعی قوانین اور زمین سازگار فضا مہیا کرتے ہیں اسی طرح حیوانی مرحلہ پر حیوان کے بڑھنے پھولنے کے لئے نباتات اور طبعی قوانین فضا مہیا کرتے ہیں حتےٰ کہ انسانی خود شعوری کے مرحلہ پر انسان جن حواس سے زندگی کی مادی حالتوں کا علم حاصل کرتا ہے وہ نچلے مراحل یعنی حیوان، نباتات اور فضا کے بغیر ممکن نہیں تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ نچلے مراحل اعلیٰ مرحلہ کو پیدا کرتے ہیں یہ بہت اہم سوال ہے لہذا اس پر ہمیں تفصیلاً غور کرنا ہوگا۔

تخلیق کائنات کے ان مراحل پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ دلیل صحیح

Marfat.com

نہیں بلکہ اس کے برعکس جس حقیقت کی نشان دہی ہوتی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کائنات کے تخلیقی مراحل نہیں جو ایک دوسرے کو پیدا کرتے ہیں بلکہ ان کے پیچھے کسی مقصد یا ہستی کا ہاتھ ہے جو تخلیق کو کسی خاص مقصد کی طرف لئے جا رہا ہے۔ اب اگر ہم کائنات سے مراد انسان کی تخلیق اور اس کا مقصد انسان کی خود شعوری کی تکمیل کو لیں تو ہمیں ان مراحل میں جس چیز کا بتدریج نمایاں ظہور نظر آتا ہے وہ شعور کی اعلیٰ اقدار ہیں جو بالآخر انسانی مرحلہ تخلیق پر پہنچ کر خود شعوری میں ظہور پاتی ہیں۔ مزید برآں کائنات کے ان شعوری مراحل میں جب کسی ایک مرحلہ پر شعور یا زندگی اس مرحلہ کی تمام اقدار کو حاصل کر لیتی ہے اور اس کے آگے بڑھنے کے تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں تو زندگی ایک جست لے کر دوسرے مرحلہ میں قدم رکھتی ہے اور اس کے ساتھ ہی سابقہ مراحل پر زندگی کے مزید انواع میں پھلنے پھولنے کے دروازے بند ہو جاتے ہیں لہٰذا وہ انہیں سابقہ شعوری اقدار کے ساتھ چمٹی رہتی ہے جنہیں کہ اس نے اپنے مرحلہ کی جدوجہد کے دوران حاصل کیا تھا۔ گویا نئے مرحلہ پر زندگی کی اعلیٰ شعوری اقدار کے مقابل سابقہ مرحلہ پر زندگی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ اس طرح سابقہ مراحل کا اپنی سطح پر زندگی سے چمٹے رہنے کی وجہ سے وہ نئے مرحلہ کے بڑھنے پھولنے یا اس کے لئے سازگار فضا مہیا کرنے کی بجائے الٹا سخت مزاحمت کا باعث بنتے ہیں۔ نئے مراحل کو اس مشکل کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے اردگرد ماحول یعنی سابقہ مراحل پر زندگی کی تمام ادنے شعوری اقدار سے ایک نہ ختم ہونے والی سخت جانکاہ جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ نئے مرحلہ میں داخل ہوتے ہی زندگی کو اپنے مقام یا اپنی ذات کو متعین کرنے کے لئے سابقہ مراحل پر زندگی کے رجحانات کو معلوم کرنا ضروری ہے اس کیلئے وہ سابقہ مراحل سے بذریعہ خوراک تعلق قائم کرتی ہے اور پھر خوراک سے حاصل کردہ علامات کے ذریعہ وہ اپنے سابقہ سفر کو متعین کرتی ہے اس طرح نئے مرحلہ پر زندگی سے جو ان مشکلات کے

Marfat.com

پیشِ نظر اپنا یا سفر نہایت ہی نا قابلِ ذکر جسمانی اور شعوری حالت سے شروع کرتی ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ ادنےٰ مراحل اپنے اوپر اٹھنے والے مرحلہ زندگی کو نہ تو پیدا کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے پنپنے کے لئے فضا یا اعلیٰ شعوری اقدار کا باعث ہوتے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ زندگی اگلے مرحلہ پر قدم ہی تب رکھتی ہے۔ جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ سابقہ مرحلہ میں اس مرحلہ کی پلین کے مطابق تخلیق کے اندر مزید بڑھنے یا جد وجہد کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں ادنےٰ یا سابقہ تخلیقی مراحل سے جس میں مادہ کی تمام اشکال اور زندگی کی شعوری حالتیں شامل ہیں کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اعلیٰ مرحلہ کو پیدا کرتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ مرحلہ پر زندگی سابقہ مگر جاہل زندگی سے شعوری اقدار حاصل کرتی ہو گی۔ جاہل ہمیشہ جاہل ہی ہوتا ہے اور عالم کو کچھ نہیں دے سکتا۔ لہٰذا یہ حقیقت کہ زندگی اور اس کی مادی صورتیں مرحلہ بہ مرحلہ ادنےٰ سے اعلیٰ شعوری حالتوں کی طرف خود بخود بڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، اس بات کی شہادت ہے کہ کائنات ایک تخلیق ہے جس کے اندر خالق کا مقصد کام کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تخلیق کے دوران یونہی کسی مرحلہ پر جب زندگی کے آگے بڑھنے کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں یا وہ اپنے مرحلہ کی شعوری اقدار کے مطابق تکمیل حاصل کر لیتی ہے تو یہ مقصد ہی ہوتا ہے جو زندگی کو ایک فوری جست کے ساتھ اگلے مرحلۂ تخلیق میں داخل کر دیتا ہے۔ اس طرح اگلے مرحلہ پر جب زندگی آغاز کرتی ہے تو وہ سابقہ مرحلہ کی شعوری اقدار کے مقابل یکسر اعلیٰ شعوری اقدار کی حامل ہوتی ہے۔

تخلیقِ کائنات کو سمجھنے کے لئے عام طور پر انسان نے جو غلطی کھائی ہے وہ یہی ہے کہ وہ تخلیق کو اس کی ابتدائی حالتوں سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے

Marfat.com

خلاف بلکہ الٹ ہے۔ تخلیق ہمیشہ مقصد کے تحت اٹھتی ہے اور مقصد شعور یا ذات کا ہوتا ہے۔ جس طرح شعور یا ذات وحدت یا کُل میں رہتی ہے اسی طرح اس کا مقصد بھی وحدت یا کُل میں رہتا ہے۔ لہٰذا مقصد کے اندر اس کی ابتدا اور انتہا ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے۔ دوسرے لفظوں میں یہ مقصد ہے جو اپنے آپ کو نیچے سے شروع کرتا ہے نہ کہ یہ نچلی حالتیں ہیں جو خود مقصد کو متعین کرتی ہیں۔ نچلی حالتیں خود بخود اپنے آپ کو مقصد کی طرف نہیں لے جا سکتیں۔ اگر یہ حالتیں کسی مقصد کی طرف بڑھتی نظر آتی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ مقصد ان حالتوں کے اندر خود عمل پیرا ہے اس حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے انسان جب کائنات کے تخلیقی مراحل کو اوپر اٹھتے دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ تخلیق کی یہ حالتیں یا ان کے اندر جو شعوری اقدار اسے بڑھتی نظر آتی ہیں وہ خود ہی اپنی اقدار کو متعین کر رہی ہیں۔ یہ اسی سوچ کا نتیجہ ہے کہ مادہ پرست زندگی کے نہایت ابتدائی یعنی بنیادی اور نچلے مرحلہ کو جس میں زندگی نے طبعی قوانین کی صورت میں پہلی دفعہ مادی اشکال میں اپنی تنظیم مکمل کی تھی اس کو اس کائنات کی حقیقت سمجھتے ہیں اور پھر اس پر دوسرے تخلیقی مراحل جو بتدریج اپنے اندر اعلیٰ شعوری اقدار لیے ہوتے اٹھتے ہیں ان کی تشریح بڑے عجیب و غریب طریقے سے کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ شعور کی ایک بڑی کرسنٹ مادہ میں داخل ہو گئی تھی اور پھر مادہ سے گھتم گھتا ہو کر کچھ تو ڈوب کر سو گئی اور کچھ بتدریج آگے بڑھتی گئی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شعور بہرحال شعور ہی رہتا ہے وہ نہ تو سو کر دب سکتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے شعور یا ذات کی خود ہی نفی کر کے ادنےٰ حالت میں جا سکتا ہے اسی طرح دوسرے حکما نے زندگی کو مادہ کا ارتقا کہا ہے اور اس سلسلہ میں عجیب و غریب تھیوریاں لکھ ڈالی ہیں۔ کوئی زندگی کے ارتقا کو قدرتی چناؤ کا نام دیتا ہے تو کوئی اس کو مادہ کی ترقی یافتہ شکل سمجھتا ہے جو کچھ عرصہ حیوانی

Marfat.com

یا انسانی مرحلہ پر کھانے پینے کی خاطر زندہ رہنے یا عملِ جنس سے لطف اندوز ہونے کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے مطابق مادہ یا اس کے طبعی قوانین ہی حقیقت ہیں حالانکہ طبعی قوانین تخلیقِ کائنات کے محض بنیادی اصول ہیں جن کے اوپر کائنات کے تعمیری مراحل اٹھتے ہیں۔

کائنات ایک وحدت ہے اور ایک ہی مقصد کے تحت تخلیق پا رہی ہے۔ لہٰذا ہم وحدت یا مقصد کو ٹکڑوں میں بانٹ کر اس کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتے طبعی قوانین کیونکہ کائنات کا ہی حصہ ہیں اور کائنات کی تخلیق سے مراد انسان کی خود شعوری کی تکمیل ہے۔ لہٰذا ہم طبعی قوانین کو اس کے مقصد یعنی خود شعوری سے الگ نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح جس طرح کہ ہم کسی زبان کی گرامر جو زباندانی کے مقصد کے تحت قواعد و ضوابط کو ترتیب دیتی ہے اس کو زبان کی افادیت یا اس کے مقصد سے الگ نہیں کر سکتے۔ حقیقت میں زبان کے ہی بنیادی قواعد و ضوابط زبان سے الگ تھلگ رہتے ہوئے زبان کی تمام وسعتوں تک پھیلتے چلے جاتے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ زبان اپنی وسعتوں میں جیسے جیسے پھیلتی جاتی ہے وہ اپنے حسنِ اظہار کے لئے بذاتِ خود ان قواعد و ضوابط کی پابندی کرتی ہے یہی حقیقت طبعی قوانین یا اسکی مادی حالتوں کی ہے تخلیقِ کائنات یا خود شعوری کی تخلیق کے اندر طبعی قوانین کی مادی حالتیں اگرچہ بظاہر شعوری اقدار یعنی زندگی سے الگ تھلگ نظر آتی ہیں تاہم وہ شعور سے الگ نہیں ہیں۔ وہ اپنی مادی حالتوں کے باوجود نہ صرف شعور اور زندگی کی حامل ہیں بلکہ جوں جوں اگلے مراحل میں شعور پروان چڑھتا جاتا ہے۔ وہ ان شعوری اقدار اور زندگی کی وسعتوں کے ساتھ مادی سے شعوری یا تجریدی حالتوں میں ظہور کرتی جاتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں خود شعوری خواہ کتنی ہی بلند اقدار تک کیوں

Marfat.com

نہ پہنچ جائے وہ اپنی وسعت یا شعوری اقدار کی مناسبت سے کائنات کے ان بنیادی قوانین سے اپنے مقصد کے مطابق معانی اخذ کرتی رہے گی اور اس کی یہی وجہ ہے کہ یہ بنیادی قوانین مقصد سے الگ نہیں بلکہ خود ان کو مقصد ہی نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ترتیب دیا ہوتا ہے مثلاً انسان جو کہ تخلیق کائنات کے مقصد کی حیثیت سے خودشعوری کی اعلیٰ منزل پر کھڑا ہے جب وہ خودشعوری کی اس بلندی اور وسعتوں کے مطابق کائنات کے سابقہ تخلیقی مراحل خصوصاً نورانی یا طبعی مراحل جو انسانی خودشعوری کی بنیاد بنتے ہیں کو اپنی خودشعوری کی اس اعلیٰ سطح پر پرکھتا ہے تو وہ ان کے اندر سے ایک زبردست قوت کو آشکار دیکھتا ہے یا وہ کائنات کی تخلیق کے اندر ان قوانین کی وجہ سے نظم وضبط دیکھتا ہے تو اس سے اسے کسی بڑے اصول یا مقصد کا پتہ چلتا ہے۔ یا پھر کائنات کے اندر ان قوانین کی ہم آہنگی کا جائزہ لیتا ہے تو اسے کائنات کے اندر ایک وحدت نظر آتی ہے اور اس وحدت کے پیچھے کسی خودشعور ہستی کے وجود کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح طبعی قوانین کے اندر جب وہ غیر متبدل اور مستقل اقدار پر مبنی اصول وضوابط کو دیکھتا ہے تو اس سے اسے اپنے مقصد کی ابدیت اور اس کی مستقل بالذات صفات کا پتہ چلتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ انسان کی خود شعوری یہ جو نئی قدریں دریافت کرتی ہے وہ مادی طبعی قوانین میں اگر ان قوانین کو مقصد سے الگ کر کے دیکھتے ہیں، تو موجود نہیں تھیں، مگر یہ کیسے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قدریں انسانی خودشعوری اپنی شعوری اقدار اور بلندی کے لحاظ سے اخذ کرتی ہے۔ اگر انسانی خودشعوری کا وجود نہ ہوتا تو یہ اقدار کبھی دریافت نہ ہو سکتیں۔ لیکن دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو یہ اقدار پہلے سے موجود بھی تھیں، مگر یہ کیوں۔ یہ اس لئے کہ مقصد کے تحت جو چیز تخلیق پاتی ہے اس کی

Marfat.com

ابتدا اور انتہا الگ الگ ٹکڑوں میں نہیں بانٹی جا سکتی بلکہ وہ ایک ہی وحدت اور ایک ہی جسم کی مانند تخلیق پاتی ہے۔ لہٰذا ایک طرح سے تو مادی طبعی قوانین میں یہ اقدار پہلے سے موجود نہیں تھیں اور اگر وہ موجود بھی تھیں تو ان کو دیکھنے والی کوئی آنکھ موجود نہ تھی لہٰذا ان کا شعوری سطح پر اظہار صرف اس وقت ممکن ہوا جب زندگی یا شعور اپنی وسعتوں میں پھیل کر انسانی مرحلۂ تخلیق پر اپنے مقصد کے قریب پہنچا اور پھر اپنی خود شعوری کی اس بلندی سے کائنات اور اس کی تخلیق کے اندر سے خود اپنی حقیقت کو کو تلاش کرنے لگا۔ مندرجہ بالا سطور سے ہمیں کائنات کی وحدت اور اس کے اندر ایک ہی مقصد یعنی انسان کی تخلیق کا مزید ثبوت ملتا ہے۔

یہی کیفیت طبعی قوانین کے اوپر فوری اٹھنے والے اگلے دوسرے مراحل یعنی نباتاتی اور حیوانی مراحلِ تخلیق کی ہے۔ جہاں شعور اپنی نئی اقدار کے مطابق یعنی جس حد تک کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان مراحل پر زندگی کے مقصد کے قریب تھا وہ اپنے ارد گرد کے ماحول یعنی طبعی قوانین کے دائرہ عمل سے جو معانی اخذ کرتا ہے وہ ایک ہی مقصد کے تحت اپنے اپنے مرحلہ کے اندر زندگی کی نئی روشنی یا شعوری اقدار کے مطابق ان کو متعین کرتا رہا ہے۔ مثلاً جب ہم نباتاتی مرحلہ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس مرحلہ پر شعور کی نئی اقدار نے زمین اور طبعی قوانین کے اندر سے پھل پھول، درخت پودوں اور انواعِ نباتات کو دریافت کر کے ان کو ایک نئے رنگ اور ضابطہ میں ڈھالا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مرحلہ پر شعور کے اندر مقصد کے پہچان کی جو نئی شعوری اقدار پیدا ہوئی تھیں۔ وہ ان اقدار کی نئی روشنی میں مادی طبعی قوانین کو نئے شعوری معانی دے رہا تھا گویا اگر ہم تخلیق کو مقصد سے ہٹ کر دیکھتے ہیں تو یقیناً یہ اقدار یا سوچ ان قوانین

Marfat.com

میں پہلے سے موجود نہیں تھیں۔ اِن اقدار کی موجودگی نباتاتی مرحلہ پر شعور اپنی نئی قدروں کے اندر دیکھتا ہے اگر اِن اقدار کو پرکھنے والی یہ آنکھ ظہور ہی نہ پاتی تو نباتاتی مرحلہ پر شعور کی وہ قدریں جو زمین کو گل و گلزار بنا دیتی ہیں کبھی ظہور نہ پا سکتیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اِن اقدار کا تعلق زندگی کی نئی روشنی سے ہوتا ہے۔ جنہیں زندگی اپنے نئے شعوری رجحانات کے اندر خود متعین کرتی ہے۔ یاد رہے اور یہ بات بہت اہم ہے کہ جہاں تک اِن نئی شعوری اقدار یا رجحانات کا تعلق ہے جو نئے مرحلہ پر ظہور پاتی ہیں انہیں زندگی خود متعین نہیں کرتی بلکہ ان کو مقصد متعین کرتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم مقصد کے اندر رہ کر ان اقدار کو دیکھتے ہیں تو یہ نئی قدریں جو ہر نئی زندگی نئے مرحلہ پر داخل ہوتے ہوئے حاصل کرتی ہے ان کی جھلک زندگی کی سابقہ مادی حالتوں میں بھی موجود ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ تمام کائنات کی تخلیق کا مقصد ایک ہے لہٰذا زندگی کی اقدار الگ الگ ٹکڑوں میں بٹ کر نہیں رہ سکتیں۔

یاد رہے کہ نباتاتی مرحلہ تخلیق پر زندگی شعوری طور پر مقصد کے اتنا قریب نہیں تھی جتنی کہ اس کے اوپر اٹھنے والے حیوانی یا انسانی مراحلِ تخلیق میں تھی۔ لہٰذا اس مرحلہ پر شعور اپنے خالق یا مقصد کی صفات کو جن شعوری اقدار میں اخذ کرتا ہے وہ ان کا اظہار نباتات کی مادی اشکال میں ڈھال کر کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس مرحلہ پر شعور کی نئی اقدار اتنی بلند نہیں تھیں کہ وہ اپنے خالق کی صفات جن نظروں سے دیکھتی تھیں ان کا اظہار مادی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں کر سکتیں۔ اس طرح نباتاتی مرحلہ پر ہر پودا اور درخت گویا اس مرحلہ کی شعوری اقدار کا آئینہ دار ہے۔ وہ ایک ایسا کیریکٹر ہے جس کے اندر شعور نے اپنی قدروں

کو مادی صورت میں ڈھال رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمین اپنے اوپر طرح طرح کے پھل پھول پودوں اور ان کی سرسبزی و شادابی سے باغ و بہار کا جو منظر پیش کرتی ہے وہ زندگی یا شعور کی نباتی مرحلۂ تخلیق پر اپنے خالق کی شان و شوکت کا مادی زبان میں اظہار ہے۔

اگلے مرحلہ یعنی حیوانی مرحلۂ تخلیق پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں شعوری اقدار مقصد کے اور قریب آجانے کی وجہ سے اور بلند ہو جاتی ہیں۔ اس مرحلہ پر شعور کے اندر اپنے مقصد کی پہچان کی ادنےٰ سی حس پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اسی روشنی کے تحت جب وہ اپنے اردگرد کے ماحول یعنی نباتاتی اور مادی طبعی حالتوں کو پرکھتا ہے تو وہ ان کے اندر سے اپنی نئی شعوری اقدار کے مطابق اپنے خالق کی صفات کو نئے انداز اور نئے معانی میں اخذ کرتا ہے۔ شعور کا یہ نیا انداز یا نئی قدریں وہی ہیں جن کو ہم حواس کہتے ہیں۔ گویا اس مرحلہ پر شعور اپنے خالق یا مقصد کو جس زبان میں سمجھنے یا پہچاننے کی کوشش کرتا ہے وہ مادی زبان سے ذرا ہٹ کر جسی زبان کو اختیار کرتا ہے۔ جس میں گویا ایسے شعوری پیمانے ہیں جن کے اندر حیوان سابقہ مراحل پر زندگی کی مادی اور طبعی حالتوں، ان کے رجحانات اور میلانات کو اپنی نئی شعوری اقدار کے تحت از سرِ نو متعین کرتا ہے مثلاً مادہ کی گرم سرد حالتیں، پھلوں پودوں کے اندر مختلف ذائقے، مادی حرکات کے اندر آواز کے اتار چڑھاؤ، روشنی کے اندر مادہ کی ظاہری اشکال رنگوں کے اندر امتیازات، فاصلہ کی دوری، نزدیکی وغیرہ کا احساس ایسی نئی شعوری اقدار ہیں۔ جن کو حیوانی مرحلۂ تخلیق پر شعور کی نئی اقدار اپنی نئی شعوری روشنی میں متعین کرتی ہیں۔ گویا حیوانی مرحلہ پر شعوری اقدار بذاتِ خود ہی حسیں

Marfat.com

تھیں جو اپنے مقصد کے اور قریب آجانے سے اس کے اندر پہچان کی نئی شعوری اقدار بن کر ظہور میں آتی ہیں۔ یہاں مادہ پرست، جن کی آنکھیں زندگی کے حقائق معلوم کرنے سے قاصر ہیں کہیں گے کہ حیوانی حواس جن قدروں کو دریافت کرتے ہیں وہ تو پہلے سے ہی مادہ میں موجود تھیں لہٰذا مادہ ہی زندگی کو ترتیب دیتا ہے۔ مثلاً اگر حیوانی حواس گرمی یا حرارت کو محسوس کرتے ہیں تو یہ خصوصیت تو مادہ میں پہلے ہی موجود تھی یا اگر وہ مادہ کی ٹھوس مائع حالتوں کو معلوم کرتی ہیں یا روشنی اندھیرے میں امتیاز پیدا کرتی ہیں تو یہ قدریں تو بہر حال مادہ میں پہلے موجود تھیں لہٰذا زندگی کی حقیقت مادہ ہی تو ہے۔ سابقہ سطور میں جو کچھ ہم نے بیان کرنے کی کوشش کی ہے وہ اسی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش تھی۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ تمام زندگی بلکہ کائنات ایک مقصد کے تحت اٹھ رہی ہے لہٰذا تخلیق کے اندر جتنی بھی قدریں ظہور پاتی ہیں ان کو مقصد متعین کرتا ہے اگر ہم ان مراحل کو مقصد سے ہٹا کر دیکھیں گے تو نتائج غلط نکلیں گے لہٰذا یہ درست ہے کہ مادہ میں گرمی پہلے سے ہی موجود تھی اور اسی طرح ٹھوس مائع حالتیں یا روشنی وغیرہ کی اقدار بھی مادہ میں پہلے سے موجود تھیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان اقدار کو معانی کون دیتا ہے وہ حیوان کی شعوری اقدار ہی تو ہیں جو ان قدروں کو متعین کرتی ہیں ورنہ حیوانی حواس سے پہلے اگر سورج گرم یا تابناک ہے تو ہوا کرے بلکہ یہ تو عین اس کی فطرت بلکہ زندگی ہے کہ وہ آگ برساتا رہے اور روشنی کا انتشار پیدا کرتا رہے۔ لیکن اگر سورج کی اس روشنی، گرمی تمازت وغیرہ کا احساس حیوانی شعور نے کیا ہے تو یہ احساس مقصد کی عین ترجیحات کے تحت کیا ہے لہٰذا یہ زندگی کی نئی اقدار ہیں جو تخلیق پا رہی ہیں اور ان اقدار کو مقصد متعین کرتا ہے۔ جیسے جیسے زندگی اس مقصد کی طرف بڑھتی ہے ویسے ہی اس پر جو نئے اسرار یا حقیقتیں کھلتی ہیں ان کا تعلق مقصد سے ہی ہوتا ہے۔ اگر

Marfat.com

حیوان اپنے تخلیقی مرحلہ پر زندگی کی یہ نئی قدریں یعنی حواس اپنے ساتھ نہ لاتا تو وہ تمام اقدار جن کو ہم مادی خصوصیات کہتے ہیں وہ کبھی خصوصیات کے اُن معانی کے اندر شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیں جن معانی کو حواس متعین کرتے ہیں۔ مادہ کی ٹھوس مائع حالتیں، سورج کی تمازت، روشنی اور اندھیرے کے پھیلاؤ یہ سب محض اِن کا اپنا عمل یا فطرت ہے جس کو ایک لمبی مدت کی جدوجہد کے بعد طبعی مرحلہ تخلیق پر زندگی نے طبعی قوانین کے اندر مدوّن کیا۔ لہٰذا مادہ بذاتِ خود اپنے اندر روشنی تمازت یا اپنی ٹھوس یا مائع حالتوں کو اُن شعوری اقدار کے تحت دیکھنے یا محسوس کرنے سے قاصر ہے جس طرح کہ حیوان اپنی شعوری اقدار کے تحت ان کو معانی پہناتا ہے۔

اگلے مرحلہ یعنی انسانی مرحلۂ تخلیق پر شعور یا زندگی کی اقدار غیر مادی حالت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یعنی شعور پہلی دفعہ مادہ کی حسی حالتوں سے باہر نکل کر خود شعوری کی منزل پر قدم رکھتا ہے۔ یہاں وہ اپنے مقصد یعنی شعور کائنات کو پہچاننے لگتا ہے اس آگہی کے ساتھ ہی اس کی شعوری اقدار اپنی وسعتوں میں تمام کائنات پر پھیل جاتی ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ تمام کائنات اس کی خود شعوری میں سمٹ آتی ہے اور اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ کائنات کے مقصد کے قریب ہونے کی وجہ سے شعور کی سب سے زیادہ بلند اقدار پر ہوتا ہے۔ مادہ پرست جب کائنات کی حقیقت معلوم کرتے ہیں تو وہ مادہ اور شعور کو دو الگ حقیقتیں سمجھ بیٹھے ہیں حالانکہ مادہ یا شعور ایک ہی حقیقت ہیں ان میں اگر فرق ہے تو محض یہ ہے کہ مادہ شعور کی ابتدائی یا ادنیٰ حالت ہے اسکو ہم کسی خوبصورت پودے یا پھول کے بیج سے بھی تشبیہہ دے سکتے ہیں ایک خوبصورت پودا یا پھول ایک نہایت ہی بھدے اور بظاہر بدنما ناہموار

Marfat.com

بیج سے ابتدا کرتا ہے لیکن جیسے جیسے پودا پروان چڑھتا ہے بیج اپنے آپ کو اپنے مقصد یعنی پودے یا پھول کے اندر ضم کر دیتا ہے۔ یہاں یہ واضح کر دینا نہایت ضروری ہے کہ تخلیق کے اندر خالق کی عکاسی اور تخلیق کے رشتہ کو سمجھنے کے لئے یہ مثالیں ادھوری اور نامکمل ہیں۔ بیج کی حیثیت محض ایک کاربن کاپی یا نقل کی سی ہوتی ہے جو تخلیق کی ابتدائی حالتوں میں عمل تخلیق کو جاری رکھنے کا ایک طریقہ ہے لیکن جہاں تک خالق اور تخلیق کے رشتہ کا تعلق ہے یہ اپنی نوعیت میں بالکل مختلف ہوتا ہے اس رشتہ کا ہم اس کتاب کے آغاز میں ذکر کر چکے ہیں۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہم تخلیق کے کسی مرحلہ کو اس کے مقصد سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے۔ مقصد ہمیشہ ایک وحدت یا یونٹ میں رہتا ہے جس کے اندر اس کے تمام مراحل خواہ وہ ابتدائی ہوں یا اعلیٰ' دورانِ تخلیق اپنی الگ الگ اقدار کے باوجود جیسے جیسے وہ مقصد کے قریب پہنچتے ہیں وہ آپس میں شیر و شکر ہوتے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم کسی ذات یا ہستی کو کاٹ کر الگ الگ نہیں کر سکتے اسی طرح ہم مقصد کو اس کی ابتدا اور انتہا سے الگ نہیں کر سکتے کیونکہ مقصد شعور یا ذات ہی کا ہوتا ہے۔ تخلیقِ کائنات کے اندر ہر مرحلہ بظاہر سابقہ مرحلہ یا مراحل سے پیدا ہوتا دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت میں یہ مقصد ہے جو مختلف مراحل کے اندر اپنی تکمیل کر رہا ہے۔ ہماری اس گفتگو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ادنٰے مرحلہ یا زندگی اعلیٰ مرحلہ یا زندگی کو خود بخود پیدا نہیں کر سکتی لہٰذا ادنٰے مرحلہ پر جب اعلیٰ مرحلہ آغاز کرتا ہے تو اس مرحلہ کے اندر جس نئی روشنی یا شعور کا ظہور ہوتا ہے وہ مقصد کی طرف سے آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ زندگی سابقہ مراحل سے نئے مرحلہ پر

Marfat.com

اعلیٰ شعوری اقدار میں پیدا ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زندگی اوپر سے یعنی مقصد کی طرف سے ظہور میں آتی ہے نیچے سے پیدا نہیں ہوتی ظہور میں آنے اور پیدا ہونے میں یہ بہت بڑا فرق ہے۔ حکما کا اس فرق کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی مرحلہ پر بھی جو زندگی ظہور پا رہی ہوتی ہے یہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی تخلیق کی خود ہی ذمہ دار ہے یعنی وہ خود ہی اپنی خالق ہے اس کے پیچھے یا آگے کوئی مقصد نہیں۔ لہٰذا وہ اندھا دھند اپنی زور آزمائی اور قوت کے ذریعہ مادی طاقتوں سے نبرد آزما رہتی ہے اور اس جنگ میں جو جیت جاتا ہے وہی زندہ رہنے یا آگے بڑھنے کا حق رکھتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی جہاں بھی ہو وہ اپنی شعوری اقدار کے مطابق اپنے آپ کے اظہار کے لئے خود بھی عمل کرتی ہے کیونکہ ہم نے جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا ہے زندگی جہاں بھی ہو مقصد ضرور رکھتی ہے لیکن یاد رہے تخلیق یا زندگی اسی حد تک اپنا اظہار چاہتی ہے جس حد تک اسے خالق سے شعوری یا غیر شعوری طور پر آگہی ہوتی ہے۔ خالق سے آگہی یا اس سے کشش، تخلیق کا مقصد بلکہ اس کی فطرت ہے۔ تخلیق کے اندر زندگی کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ خالق سے اپنی اس فطری محبت میں کس قدر آگاہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ زندہ ہے اور اپنے مرحلۂ تخلیق کے مطابق اپنے خالق کی فطری محبت کا احساس رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کے شعور کی طرح زندگی بھی خواہ وہ کسی مرحلۂ تخلیق پر کیوں نہ ہو خالق کی طرح وحدت اور مقصد رکھتی ہے۔ زندگی کا یہ مقصد خالق کو زیادہ سے زیادہ آشکار دیکھنے کی خواہش ہے۔ تخلیق کے اندر خالق کی آگہی یا کشش جیسے جیسے پروان چڑھتی ہے اسی نسبت سے زندگی اپنی سطح پر عملِ تخلیق کے اندر خالق کی محبت کا اظہار کرتی ہے زندگی یا تخلیق اپنے اعمال کی اسی حد تک ذمہ دار ہوتی ہے جس حد تک کہ وہ کسی مرحلے پر

Marfat.com

خالق سے آگاہ یا اسکے قریب ہوتی ہے اب اگر مجموعی طور پر کائنات کی تخلیق کو دیکھا جائے تو وہ انسان کی زندگی یا اس کی خود شعوری کی تخلیق ہے۔ لہٰذا ہم انسانی خود شعوری سے ماقبل تخلیقی مراحل کے اندر زندگی کو خالق کے اتنا قریب نہیں دیکھ سکتے جتنا کہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی کے خود شعور ہو جانے سے وہ خالق کو اپنے اندر منعکس پا کر خالق کے قریب آجاتی ہے۔ انسانی خود شعوری سے پہلے کی زندگی گویا انسان کی خود شعوری کی ابتدائی حالتیں ہیں۔ جہاں زیادہ تر اس کے اعمال، خالق کی راہنمائی کے تحت سرزد ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں زندگی ابتدائی مراحل میں شعوری طور پر خالق سے اتنی آگاہ نہیں تھی جتنی کہ وہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر خود شعور ہو جانے سے آگاہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا انسان سے پہلے مراحل میں زندگی قدم قدم پر خالق کی راہنمائی کی محتاج تھی۔ اس مختصر تشریح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات کا ہر تخلیقی مرحلہ انسان کی خود شعوری کی تخلیق تھی جس کے اندر انسان ہی کے شعور کی تشکیل ہو رہی تھی اور یہ تمام مراحل بالآخر بڑے مقصد کے تحت اوپر اٹھتے رہے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ اگر حقیقت کو سر کے بل الٹا کر دیا جائے تو اس کے کتنے خوفناک نتائج نکلتے ہیں۔ تخلیق کے سمجھنے کے لئے جب ہم مقصد کو ہی الگ کر دیتے ہیں تو باقی کیا رہ جاتا ہے جس سے اس کی حقیقت کو سمجھا جائے تخلیق سے مقصد کو الگ کرنے کا مطلب ہے کہ ہم خالق کو الگ کر دیتے ہیں۔ کیونکہ مقصد کا وجود خالق کے وجود سے پیدا ہوتا ہے اور اگر خالق نہ ہو تو نہ تو تخلیق کا وجود ہی پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ارتقائی عمل سے گزرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت تھی

Marfat.com

کہ زندگی ایک ہی مقصد کے تحت ایک یونٹ یا وحدت میں تخلیق پاتی ہے۔ مقصد ہمیشہ خالق کا ہوتا ہے لہٰذا خالق جب تخلیق کرتا ہے تو اس تخلیق کا باعث ہی مقصد ہوتا ہے جیسے جیسے خالق اپنے مقصد کا اظہار کرتا جاتا ہے ویسے ہی تخلیق اپنی تکمیل کے مراحل طے کرتی جاتی ہے۔ اس حقیقت کو ہم ایک عام مثال سے بھی واضح کر سکتے ہیں مثلاً اگر مقصد ہو کہ کوئی عمارت تعمیر کرنا ہے تو ہم دیکھیں گے کہ اس کے ابتدائی مراحل میں بنیاد کی کھدائی ہوگی اور پھر اس پر بنیاد تیار ہوگی۔ بنیاد کی تکمیل ہو جانے کے بعد اس پر کمروں کی دیواریں اٹھانے کا جو اگلا مرحلہ شروع ہوگا ہم اس کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ بنیاد اس مرحلہ کے مقصد کو جانتی تھی۔ لہٰذا بنیاد نے دوسرے مرحلہ کو پیدا کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دیواروں کو مقصد اپنی اقدار کے مطابق خود ظہور میں لا رہا ہے اور اس طرح جب ایک مرحلہ کی تکمیل کے بعد دوسرا مرحلہ اور دوسرے کے بعد تیسرا مرحلہ تکمیل پاتا چلا جاتا ہے تو مقصد اپنے آپ کو کھولتا جاتا ہے حتیٰ کہ مکمل تکمیل پر مقصد کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ عمارت کے پہلے یعنی بنیادی مرحلہ کی تکمیل پر اس کے اوپر دیواروں وغیرہ کی تعمیر کا جو دوسرا مرحلہ اٹھتا ہے یہاں بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی تعمیر کا باعث عمارت کا پہلا مرحلہ یعنی اس کی بنیادیں ہیں بلکہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں عمارت کے یہ تعمیری مراحل مقصد کی طرف سے اس کی اقدار کے مطابق تعمیر پاتے ہیں۔ البتہ یہاں جس چیز کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ بنیاد پر دیواروں کی تعمیر کا جو دوسرا مرحلہ اٹھتا ہے اس کو دیواریں پیدا نہیں کرتیں بلکہ ان کی تعمیر کا باعث مقصد ہوتا ہے تاہم ان بنیادوں پر دیواروں کا جو دوسرا مرحلہ تعمیر پائے گا وہ بنیادوں کی حدود و قیود کا پورا پورا خیال رکھے گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو مقصد خود اپنی نفی کرتا ہے۔ اسی طرح جب دیواروں کی

Marfat.com

تکمیل پر چھت ڈالنے کا اگلا مرحلہ شروع ہو گا تو وہ بھی اگرچہ مقصد کی اپنی اقدار کے تحت اٹھے گا۔ لیکن وہ نہ صرف دیواروں کی حدود و قیود کی پابندی کرے گا بلکہ وہ اس کے ساتھ عمارت کے ابتدائی مرحلہ یعنی بنیادوں کی حدود و قیود کی پابندی بھی کرنا ہے اب اگر ہم عمارت کو اس کے معمار سے الگ کر دیں اور عمارت کو خود بخود ابتدائی مراحل سے اوپر منزل بہ منزل اٹھتا دیکھیں تو بظاہر یہ معلوم ہو گا کہ عمارت خود بخود نیچے سے اوپر کی طرف اٹھ رہی ہے۔ ہم تخلیقِ کائنات اور اس کے مختلف مراحل کو بھی عمارت کے ان تعمیری مراحل سے تشبیح دے سکتے ہیں۔ کائنات کی بنیاد اس کے فطری قوانین ہیں۔ اس پر خود شعوری کے جو مراحل اٹھتے ہیں وہ اگرچہ خالق کے مقصد کی طرف سے ظہور پاتے ہیں تاہم وہ فطری قوانین جو خود شعوری کی بنیاد قرار پاتے ہیں اس کی حدود و قیود کو نہیں توڑتے بلکہ انہیں حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے وہ اپنے مقاصد کی طرف بڑھتے ہیں۔ اب چونکہ کائنات کے اندر جو تعمیر ہو رہی ہے وہ شعوری یا ذہنی ہے لہٰذا یہ طبعی قوانین جو انسانی خود شعوری کی بنیاد بنتے ہیں ان کی نوعیت بھی ذہنی یا شعوری ہوتی ہے لہٰذا جیسے جیسے اگلے مراحل پر ذہن ترقی کرتا جاتا ہے ویسے ہی وہ ان سے معانی بھی اخذ کرتا جاتا ہے اس طرح ذہن یا اس کی شعوری اقدار مرحلہ بہ مرحلہ خواہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہوتی جائیں وہ اس بلندی پر بھی اپنی بنیادی شعوری اقدار سے اپنے ذہنی سطح کے مطابق معانی حاصل کرتی رہتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیاد جب تعمیر پاتی ہے تو وہ مقصد کی تمام قدروں کو اپنے اوپر اٹھانے کی پوری استعداد پہلے سے ہی رکھتی ہے۔ تخلیق ہو یا کوئی تعمیر اس کے تخلیقی یا تعمیری مراحل مآلِ کار مقصد کی ایک وحدت کے اندر رہتے ہوئے تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ لہٰذا بنیاد کو ہم مقصد سے الگ نہیں کر

Marfat.com

سکتے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مقصد اپنی اقدار کو حاصل کرنے کے لئے خود بنیاد کی اقدار کو منتخب کرتا ہے، بنیاد گویا ایسی حدود و قیود ہوتی ہیں جو مقصد کو اپنی اقدار کی تکمیل کے لئے اصول وضوابط فراہم کرتی ہیں، جہاں اصول وضوابط یا قوانین نہیں ہوتے وہاں مقصد بھی کوئی نہیں ہوتا اور جہاں مقصد کوئی نہ ہو وہاں کوئی چیز نہ تو تخلیق پا سکتی ہے اور نہ ہی ظہور میں آسکتی ہے۔ کیونکہ مقصد خالق کا ہی ہوتا ہے۔ اگر خالق نہیں ہے تو تخلیق کہاں سے آئے گی۔ چونکہ کائنات کی حقیقت جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں، شعور ہے اور تخلیق کے اندر شعور ہی کی تعمیر ہو رہی ہے لہٰذا اس لحاظ سے طبعی قوانین کی نوعیت بھی شعوری یا ذہنی ہے مادی نہیں۔ مادی اشکال محض شعور کا عمل یا اس کے اظہار کا پتہ بتاتی ہیں۔ اس کتاب کے آغاز ہی میں ہم اس حقیقت کو بیان کر چکے ہیں کہ تخلیق ہمیشہ باطن سے ظہور پاتی ہے اور اس ظہور کا باعث عمل ہوتا ہے۔ زندگی (یا شعور) باطن سے عمل کے ذریعہ اپنا اظہار کرتی ہے۔ گویا زندگی (یا شعور) بذاتِ خود ایک ذات یا حقیقت میں قائم رہتی ہے اس کے اندر کوئی تبدیلی یا تغیر و تبدل نہیں ہوتا جو کچھ تخلیق ہوتا ہے وہ اس کا عمل ہوتا ہے۔ جس کی حرکت کے اندر وہ اپنی صفات و کمالات کا اظہار کرتی ہے۔ حرکت گویا بیرونی دنیا پیدا کرتی ہے اس طرح مادہ یا مادی اشکال حرکت کے اندر شعور کا اظہار ہے۔

کائنات کے اندر طبعی قوانین ایسے بنیادی اصول وضوابط ہیں جن کو خالق نے اپنے مقصد کے لئے خود منتخب کیا ہے لہٰذا خالق ان قوانین کی کبھی نفی نہیں کرتا بلکہ ہم اِن قوانین کو خالق کی عادت یا اس کی سنت بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طبعی قوانین کا دائرہ عمل نہایت مستحکم ہے۔ ان پر جو تخلیقی مراحل اٹھتے ہیں

Marfat.com

وہ ان کو توڑتے نہیں بلکہ ان کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی شعوری اقدار کی تعمیر کرتے ہیں۔ مادہ پرست جب اِن قوانین کی ہمہ گیری اور ان کو سختی سے اپنی اقدار کی پابندی کرتا دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ مادہ ہی سب کچھ ہے، یہی کائنات کی حقیقت ہے! یہ کتنی بے خبری کی حالت ہے ان کا اِن مادی یا طبعی قوانین کو سب کچھ سمجھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے غلط تصوّرات کو پامال ہوتا دیکھتے ہیں یا موت اور زندگی کا کوئی مداوا نہیں کرپاتے اور نظامِ کائنات میں ان قوانین کو شدت سے عمل پیرا دیکھتے ہیں تو وہ ان کا ذمہ دار اِن قوانین فطرت کو اپنی اقدار کے ساتھ سختی سے عمل پیرا ہونے میں پاتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ خواہ کوئی خدا پرست ہو یا بت پرست اگر کوئی زہر کھائے گا تو قانونِ فطرت اس کو موت کی آغوش میں لے جائے گا۔ یا پھر اگر کوئی بغیر کسی مادی سہارے کے دریا میں کودے گا تو دریا کی موجیں اسے بہالے جائیں گی۔ گویا مادہ پرست مادی قوانین کی اس ہمہ گیری اور سخت گرفت سے اتنا خائف ہے کہ وہ مادہ ہی کو حقیقتِ کائنات یا اپنی زندگی اور موت کا خالق سمجھتا ہے۔ ان لوگوں کی حالت، جاہلیت کے زمانے کے لوگوں سے کم نہیں جو مختلف مظاہر فطرت سے خائف ہوکر ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ فرق یہ ہے کہ وہ اگر کسی ایک مظہرِ فطرت مثلاً سورج یا دریا، سانپ یا آگ وغیرہ کو اپنا خالق سمجھ کر پوجتے تھے تو یہ لوگ مٹی کو خالق سمجھ کر پوجتے ہیں حالانکہ انکی خود شعوری ان کے اندر اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ اس کائنات کی حقیقت شعور ہے جو نہ صرف اس کی طرح خود شعور ہے بلکہ وہ اس کا خالق بھی ہے۔

خود شعوری کی تعمیر کے یہ بنیادی قوانین اگر اپنی اقدار کی سختی سے پابندی نہ کریں تو ان پر جو تعمیر اٹھے گی وہ اپنے مقصد کی تکمیل کیسے حاصل کرسکتی ہے۔ بلکہ

Marfat.com

اگر یہ قوانین مستقل اقدار کے حامل نہ ہوتے تو یہ مادہ پرست بذاتِ خود شعوری کے مقام پر کیونکر پہنچ پاتے کیونکہ ایسی حالت میں شعور کی کوئی قدر بھی زندہ نہ رہ سکتی حتےٰ کہ ہم کبھی دو جمع دو کو چار نہ کہہ سکتے۔ اس کے برعکس بعض مغربی حکما جب کائنات کی حقیقت پر اظہار کرتے ہیں تو ان کو کائنات کے اندر محض اندھا دھند قوتیں نظر آتی ہیں جو ہمیشہ آپس میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتی ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق ان قوتوں کے جنگ وجدل کے نتیجہ میں جو قوت کامیابی حاصل کر لیتی ہے صرف وہی آگے بڑھتی ہے گویا ان اصحاب کے مطابق کائنات کے اندر سرے سے کوئی قانون یا مقصد کارفرما ہی نہیں ہے! اب اگر ہم عمارت کی مثال کو سامنے رکھیں تو ہم دیکھیں گے کہ عمارت کی تعمیر کے دوران ہر مرحلہ پر یوں نظر آتا ہے کہ کوئی چیز ڈھب سے نہیں۔ کہیں توڑ پھوڑ ہے تو کہیں کھدائی ہو رہی ہے۔ کہیں اینٹ پتھر کے ڈھیر پڑے ہیں تو کہیں گڑھے کھدے ہیں۔ گویا ہر طرف بظاہر بدنظمی اور انتشار کی حالت نظر آئے گی۔ لیکن اس بدنظمی اور انتشار کے اندر ہر طرف مقصد کام کر رہا ہوتا ہے جو عمارت کا خواہ کوئی بھی مرحلۂ تعمیر کیوں نہ ہو اس کی ہر حرکت اور عمل کے اندر بہہ رہا ہوتا ہے لہٰذا وہ یونہی مرحلہ بہ مرحلہ اپنی تعمیر کے مراحل طے کرتا چلا جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام انتشار اور بدنظمی کے اندر سے ایک وحدت اور تنظیم پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جیسے ہی ایک مرحلہ اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے تو ہم مقصد کو اپنے اگلے مرحلہ میں برسرِ عمل پاتے ہیں جہاں از سرِ نو اس مرحلہ کا آغاز پھر ابتدائی حالتوں سے شروع ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی صاحب تعمیر کے ان مراحل کے درمیان توڑ پھوڑ کے عمل کو اندھا دھند قوتوں سے موسوم کرے اور پھر اس توڑ پھوڑ کے اندر سے جو تعمیر شکل اختیار کر رہی ہے اسے قدرتی چناؤ کا نام دے تو ایسے دانشور کو کیا کہا جائے۔

Marfat.com

دراصل اگر غور سے دیکھا جائے تو کوئی بھی تخلیق ہو خواہ وہ انسانی تخلیق ہو یا شعورِ کائنات کی تخلیق ہو وہ مختلف مراحل میں تکمیل پاتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ ہر مرحلہ پر تخلیق کے دوران خصوصاً اس کی ابتدائی حالتوں میں جو بدنظمی اور غیر قانونیت نظر آتی ہے وہ جیسے جیسے تخلیق آگے بڑھتی ہے نظم و ضبط کی تعمیری حالتوں میں بدلتی جاتی ہے مگر ایسا کیوں۔ اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں اپنے موضوع سے ذرا ہٹ کر تخلیق کے حقائق پر ایک گہری نظر سے غور کرنا ہوگا۔ تخلیق محض کسی چیز کی نقل نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق براہِ راست خالق کی چاہت اور محبت سے ہوتا ہے جو آزادانہ طور پر اپنی چاہت کو تلاش کرتا ہے۔ خالق اگر آزادانہ طور پر اپنی چاہت کو تلاش نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کا اپنا کوئی ارادہ یا خواہش نہیں ہے بلکہ وہ محض کسی چیز کی نقل اتار رہا ہے۔ خواہش یا ارادہ ہمیشہ شعور کا ہوتا ہے کیونکہ شعور جہاں بھی ہوگا وہ ایک کل یا ذات میں رہے گا یہی وجہ ہے کہ خود تخلیق کے اندر بھی شعور خواہ ذرہ کی حالت میں ہو یا پھر نباتاتی مرحلہ پر پودے کی تنظیم میں ہو اور یا پھر حیوانی مرحلہ پر نفس کی تنظیم میں ہو ہمیشہ وحدت یا کل ہی میں رہتا ہے۔ لہٰذا تخلیق کی پہلی حقیقت جو ہمارے ذہن نشین رہنا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ تخلیق شعور کا اپنی چاہت کو حاصل کرنے کے لئے آزادانہ عمل ہوتا ہے جو کسی قسم کی پابندی قبول نہیں کرتا اور اس کا سرچشمہ خود شعور کی ذات ہوتی ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آزادانہ عمل سے کیا مراد ہے آزادانہ عمل یا آزادی کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے راستوں میں سے کسی ایک راستہ کو اپنی چاہت اور محبت کے تحت انتخاب کرنا۔ دوسرے لفظوں میں یہ محبت یا خواہش کی اقدار ہیں جو راستہ کو متعین کرتی ہیں۔ محبت کا قدرتی نقیض نفرت ہوتی ہے۔ لہٰذا خالق جب تخلیق کرتا ہے تو وہ اپنی چاہت یا محبت کو کئی زاویوں یا رویوں میں

Marfat.com

ڈھالتا ہے اور پھر ان رویوں میں سے جو اس کی چاہت کے زیادہ قریب ہوتا ہے اسے چن لیتا ہے۔ اس طرح محبت اس چناؤ کے لئے پسند اور ناپسند کا معیار قائم کرتی ہے۔ پسند اس کی محبت یا چاہت اور ناپسندیدگی اس کی نفرت کو ظاہر کرتی ہے۔ خالق کی فطرت کے مطابق پسند اور ناپسندیدگی یا چواٹس کی صفت ہمیں بذاتِ خود اس کی تخلیق کے اندر بھی نظر آتی ہے۔ یعنی زندگی خواہ کسی تخلیقی مرحلہ پر بھی کیوں نہ ہو خود بھی خالق کی محبت میں تخلیق کرتی ہے اور اپنے شعور و علم کے مطابق اپنی تخلیق کے اندر محبت، نفرت، پسند اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہے۔ مثلاً نورانی مرحلہ تخلیق پر ذرات کے اندر مثبت منفی رجحان اس مرحلہ پر زندگی کی حرکات کو متعین کرتا ہے۔ نباتاتی اور حیوانی مراحل پر زندگی جن جبلتوں پر عمل کرتی ہے وہ بھی پسند اور ناپسندیدگی کی قدروں میں بٹی ہوئی ہوتی ہے۔ انسانی مرحلہ تخلیق پر اس کی پسند اور ناپسندیدگی کا اظہار انسان کی خودشعوری یعنی انسان کے آئیڈیل یا تصور کی اقدار کے تحت ہوتا ہے۔ اخلاقیات کے پیچھے جو محرک ہوتا ہے وہ آئیڈیل کی ہی محبت ہوتی ہے۔ جو قدریں انسان کو اپنے آئیڈیل کے حصول کی طرف لے جاتی ہیں وہ خیر ہیں اور جو اس سے دور لے جاتی ہیں وہ شر ہیں۔ لہٰذا خیر اور شر یا پسندیدگی اور نفرت کا معیار انسان کا آئیڈیل متعین کرتا ہے۔

تخلیق کے مندرجہ بالا اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تخلیق جب تک اپنی تکمیل حاصل نہیں کر لیتی اس کے اندر بدنظمی، انتشار کی کیفیت جو نظر آتی ہے وہ عملِ تخلیق کا ایک لازمی خاصہ ہے اس حقیقت کو ہم آرٹسٹ اور اس کے آرٹ سے مزید واضح کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم عام آرٹ کو لیں تو

Marfat.com

ابتدا میں آرٹسٹ اپنے تصور یا چاہت کے مطابق جو لکیریں کاغذ پر ادھر ادھر ڈالتا ہے وہ دیکھنے والے کو بے ربط نظر آتی ہیں۔ ان میں تضاد اور غیر موزونیت نظر آئے گی۔ کوئی لکیریں چھوٹی، کوئی موٹی اور کوئی ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی نظر آئیں گی۔ آرٹسٹ ان لکیروں کو اپنے تصور یا چاہت کی پسندیدگی اور غیر پسندیدگی کے معیار پر پرکھے گا اور اس کے مطابق ان لکیروں کی موٹائی، چھوٹائی یا ان کے اندر نسبت و تناسب کو اپنے تخلیقی عمل سے معیار پر لاتا جائے گا۔ اس عمل کے دوران بہت سی لکیریں جو آرٹسٹ کے تصور یا اس کی چاہت کو صحیح طرح سے منعکس کرنے کے قابل نہیں ہوں گی۔ آرٹسٹ یا تو ان میں مزید اصلاح کرے گا یا پھر انہیں کینوس سے مٹا دے گا۔ اس طرح جب کانٹ چھانٹ، پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے عمل سے گزر کر تخلیق اپنی تکمیل کو پہنچی ہے تو وہ آرٹسٹ کے آئیڈیل کے عین مطابق ظہور پاتی ہے یعنی وہ خالق کے اس تصور و چاہت کے مطابق ہوتی جو اس کی تخلیق سے پہلے خالق کے ذہن میں باطن کی حالت میں پوشیدہ تھی اور خالق کو اپنی تخلیق کرنے پر کشش کر رہی تھی۔ تخلیق گویا خالق کا اپنی ذات کے اندر اپنی صفات کے اظہار سے اپنی ذات کو مطمئن کرنا ہوتا ہے بہر حال اس سے ہمیں تخلیق کے اس بڑے اصول کا پتہ چلتا ہے کہ خالق جب تخلیق کرتا ہے تو وہ ہر لمحہ اپنی تخلیق کے اندر اپنی پسند یا ناپسندیدگی یا اپنی محبت و نفرت کا اظہار کرتا ہوا ان اقدار کو چن لیتا ہے جو اس کی چاہت اور محبت کے قریب ہوتی ہیں اور پھر انہیں اقدار پر تخلیق کو آگے بڑھاتا ہے اسی کو ہم عمل تخلیق کہتے ہیں۔ یہ ایک روحانی عمل ہوتا ہے جس کے اندر ذات یا روح خود اپنی عکاسی کر کے اپنے کمالات و صفات کے اندر اپنا مشاہدہ کرتی ہے۔

Marfat.com

مندرجہ بالا تخلیقی حقائق کے پیشِ نظر جب ہم تخلیقِ کائنات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں نورانی مرحلۂ تخلیق میں خالق کی تخلیقی کرنٹ سے جو ذرات پھوٹتے نظر آتے ہیں اور ان کے ظہور میں آتے ہی ان کے اندر ابتدا میں جو زبردست کشش، کھنچاؤ، انتشار، قوت، تحریک اور تناسُب وعدم تناسب نظر آتا ہے وہ جیسے جیسے تخلیق پروان چڑھتی جاتی ہے ایٹم اور سالمات کی تنظیمات کی صورت میں ایک نظم وضبط میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور پھر بالآخر زمین پر طبعی قوانین کی صورت میں وہ ایک مستقل اور غیر متبدل ضابطہ میں اپنی تکمیل کو حاصل کر لیتے ہیں۔ طبعی قوانین کی تکمیل پر تخلیق اگلے مراحل میں داخل ہوتی ہے۔
تخلیق کے اگلے مراحل یعنی نباتی اور حیوانی مراحل پر بھی تخلیق کے دوران جو بدنظمی انتشار اور زندگی کی اندھا دھند دوڑ اور مرگ وفنا نظر آتی ہے اور اس کے اندر سے نباتاتی مرحلۂ تخلیق ہو یا حیوانی مرحلۂ تخلیق، جو نئی نئی انواع نباتات اور حیوانات فوری ارتقائی عمل سے پیدا ہوتی رہی ہیں اور جسے بعض فلاسفر قدرتی چناؤ کا نام دیتے ہیں اس کے پیچھے خالق کی اسی پسند اور ناپسندیدگی کا تخلیقی عمل کارفرما تھا۔ جیسے جیسے یہ مراحل بھی اپنی تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں ان میں مزید انواع کی تخلیق ختم ہو جاتی اور اس کے ساتھ ہی زندگی اپنی اپنی اقدار کے ساتھ مستقل طور پر ایک جگہ ٹھہر جاتی ہے اور اس طرح اِن مراحل کے تکمیل کو پہنچتے ہی ان کے اندر مزید انتشار اور بدنظمی کی حالتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ طبعی قوانین کی طرح ان مراحل پر بھی تکمیل کے بعد گویا زندگی جن اقدار کو حاصل کر لیتی ہے وہ انہیں ضائع نہیں کرتی بلکہ مستقل طور پر محفوظ کر لیتی ہے جنہیں خالق اپنی تخلیق کے اگلے مرحلہ پر نئی اقدار کے اٹھنے کے لئے بنیاد کے طور پر قائم رہنے دیتا ہے۔ انسانی مرحلۂ تخلیق کائنات کا موجودہ تخلیقی مرحلہ ہے اس مرحلہ پر ابھی تخلیق جاری ہے

Marfat.com

انسان کی خود شعوری اپنی منزل یا اپنے مقصد سے شعوری یا غیر شعوری طور پر آگاہ ہو چکی ہے تاہم وہ پوری طرح خود شعور نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نے جب سے اس مرحلہ پر قدم رکھا ہے وہ خالق کی مختلف تفریں کرتا چلا آرہا ہے۔ اور اس طرح گروہ بندیوں میں تقسیم ہو کر وہ سخت بدنظمی اور انتشار کی حالتوں سے گزرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے لیکن یاد رہے اس انتشار اور بدنظمی کے اندر سے خالق کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا تخلیقی عمل برابر جاری ہے اور یہ عمل اس کی تخلیق کے اندر راہنمائی کے نتیجہ میں حرکت میں آتا ہے۔ خالق شروع سے ہی اپنی تخلیق کی شعوری اقدار کے مطابق اس کے اندر سے اس کی راہنمائی کرتا رہا ہے۔ مثلاً نباتاتی مرحلہ پر نباتات کی مختلف انواع کے اندر اور پھر حیوانی مرحلہ پر حیوان کی مختلف انواع کے اندر ان مراحل کی شعوری اقدار کے مطابق گویا ان کی راہنمائی تھی۔ ان انواع کا ظہور اس وقت ہوتا تھا جب تخلیق اپنی شعوری راہ سے ہٹ کر جمود کا شکار ہو جاتی تھی۔ ایسی حالت میں خالق ان انواع کو اپنے مقصد اور چاہت کے مطابق ایک فوری ارتقائی عمل سے چن لیتا رہا ہے تاکہ وہ اپنی تخلیق کو اپنے مقصد اور چاہت کے مطابق پروان چڑھائے۔ اسی طرح انسانی مرحلۂ تخلیق پر خالق انسان کی شعوری سطح پر ایسے افراد سے اس کی راہنمائی کرتا رہا ہے جو شعوری طور پر دوسرے انسانوں کی نسبت نہایت اعلیٰ اقدار اور بلندی پر ہوتے تھے۔ ان افراد کا پیدا ہونا خالق کے عملِ تخلیق کے تحت ایک فوری ارتقائی عمل کا نتیجہ ہوتا تھا۔ خالق ان افراد کو اس وقت چنتا رہا ہے جب انسان اپنی اقدار سے ہٹ کر بھٹک جاتا تھا۔ خالق کی طرف سے یہ راہنمائی تخلیق کی شعوری اقدار کے مطابق ہوتی تھی۔ وہ لوگ جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خالق افراد یا اپنے فرشتوں کی بجائے خود ظاہر ہو کر ہماری راہ نمائی کیوں نہیں کرتا۔ جاہلیت کی

Marfat.com

انتہائی پستی پر ہیں۔ خالق کی طرف سے یہ راہنمائی جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے۔ تخلیق کی شعوری صلاحیتوں کے مطابق اس کے اندر سے ہی مہیا ہوتی رہی ہے۔ اس کے علاوہ انسان کی اپنی خود شعوری کے اندر اور پھر بیرونی طور پر کائنات کی تخلیق کے اندر خالق کائنات کی کھل کر نمود ہوتی ہے جو انسان کے لئے کسی قسم کی اتمام حجت کی گنجائش نہیں چھوڑتی خواہ وہ کسی معاشرے کے اندر کیوں نہ تخلیق پا رہا ہو۔

Marfat.com

باب نمبر ۹

خود شعوری اور حیوانی مرحلۂ تخلیق

سابقہ صفحات میں کائنات کے تخلیقی مراحل کا ہم قدرے تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں۔ تاہم ان مراحل کے بارے میں ابھی کچھ ایسی باتیں باقی ہیں جو غور طلب ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ طبعی قوانین کی تکمیل پر زندگی جب نباتاتی مرحلۂ تخلیق پر آغاز کرتی ہے تو وہ زمین کے ساتھ ایک جگہ پیوستہ ہو کر اپنی شعوری اقدار کی تکمیل کرتی ہے۔ اس تکمیل کے بعد حیوانی مرحلۂ تخلیق پر داخل ہوتے ہی زندگی اپنے آپ کو نباتاتی مرحلۂ تخلیق سے الگ کر لیتی ہے اور اس طرح حیوانی مرحلہ پر زندگی زمین کے ساتھ اپنی پیوستگی کی قید سے اپنے آپ کو نکال لیتی ہے اور ایک الگ حیثیت سے آزادانہ طور پر اپنے مرحلہ کی شعوری اقدار کو اخذ کرتے ہوئے آگے بڑھتی ہے۔ حیوانی مرحلۂ تخلیق کی تکمیل پر جب انسانی مرحلۂ تخلیق شروع ہوتا ہے تو وہ حیوانی جسم کے ساتھ پیوستہ رہ کر اپنے مرحلہ کا آغاز کرتا ہے یعنی جس طرح نباتاتی مرحلہ پر زندگی اپنے مرحلہ کی تکمیل زمین کے ساتھ پیوستہ رہ کر کرتی ہے اسی طرح انسانی مرحلہ پر انسانی خود شعوری اپنے مرحلہ کی تکمیل حیوانی جسم یعنی حیوانی دماغ یا نفس سے پیوستہ ہو کر کر رہی ہے۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانی مرحلۂ تخلیق جو کہ حیوانی مرحلۂ تخلیق کی نسبت نہ صرف

Marfat.com

شعور کی نہایت بلندی پر آغاز کرتا ہے بلکہ اپنی نوع میں بھی حیوانی مرحلہ سے بالکل الگ تھلگ ہے لہٰذا وہ حیوانی جسم کے ساتھ پیوستہ رہ کر اپنے مرحلہ کی تکمیل کرنے کی بجائے اپنے وجود کو اس سے الگ کر کے آزادانہ طور پر اپنے مرحلہ کی تکمیل کیوں نہیں کرتا جیسا کہ حیوانی مرحلہ پر زندگی نے نباتات سے الگ ہو کر اپنے علیحدہ جسم میں ابتداء کے اپنے آپ کو زمین کے ساتھ پیوستگی کی قید سے آزاد کر لیا تھا۔ یہ دلچسپ سوال ہے کیونکہ جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں یہ پانچوں تخلیقی مراحل یعنی نورانی مرحلۂ تخلیق، طبعی قوانین کا مرحلۂ تخلیق اور پھر نباتاتی، حیوانی اور انسانی مراحلِ تخلیق نہ صرف اپنی شعوری اقدار کے لحاظ سے بتدریج ایک دوسرے کے اوپر الگ اور اعلیٰ اقدار کے حامل ہیں بلکہ اپنی نوع اور مرحلہ کی مناسبت سے بھی اپنی اپنی الگ شعوری کائنات میں رہتے ہیں۔ لہٰذا یہ تضاد کہ حیوانی مرحلہ پر زندگی تو اپنے الگ اور آزاد جسم میں اپنی اقدار کا حصول کرتی ہے جب کہ اس کے نیچے اور اوپر مراحل پر یعنی نباتاتی مرحلہ پر زندگی زمین سے پیوستہ رہتے ہوئے اور انسانی مرحلہ پر حیوان سے پیوستہ رہتے ہوئے اپنی اپنی الگ اور اعلیٰ اقدار کی تکمیل کرتی ہے، گویا ان مراحل میں اگرچہ ان کے اپنے اپنے الگ وجود ہیں، مثلاً نباتاتی مرحلہ پر زندگی کا درخت، پودوں کی شکل میں وجود اور پھر انسانی مرحلہ پر اس کا ذہنی وجود" مگر اس کے باوجود سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نباتات کے مرحلہ پر زندگی اپنے جسم کو زمین سے وابستہ کیوں رکھتی ہے اور اس طرح انسانی مرحلہ پر انسانی خودشعوری اپنے ذہنی جسم کی تشکیل حیوانی نفس یا جسم سے پیوستہ رہ کر کیوں کر رہی ہے۔

برگساں، اپنی کتاب "تخلیقی ارتقا" میں حیوان کے نباتات سے الگ

Marfat.com

ہونے کی جو وجہ بتاتا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ نباتات اور حیوانات اپنے الگ الگ رجحانات کی وجہ سے زندگی کے دو ارتقائی مراحل یا دو الگ سلطنتیں ہیں تاہم ابتدا میں نباتات اور حیوانات جبلتوں کے لحاظ سے ایک ہی فیملی تھے۔ نباتات اپنی شعوری اقدار کے لحاظ سے اس کے ساتھ پیوستہ رہ کر زمین سے نمکیات" اور فضا سے روشنی ہوا وغیرہ کے ذریعہ کاربن کی صورت انرجی جمع کرتی تھی۔ بعد ازاں نباتات کے اندر دو مختلف رجحانات پیدا ہو گئے۔ ایک تو وہ جو اپنی حسّی یا شعوری قدروں کے ساتھ آگے بڑھنے کی بجائے آہستہ آہستہ ایک ہی جگہ منجمد ہو کر رہ گئے اور اس کے مقابل دوسرا وہ جو اپنی شعوری اقدار یعنی حسّی طور پر زیادہ بیدار تھا۔ یہ دوسرا رجحان حیوانی مرحلہ کا آغاز تھا جو ایمبا کے ننھے جاندار میں حیوانی مرحلہ کی ابتدا کرتا ہے۔ حیوان نباتات کو اپنی خوراک بنا کر ضروری قوت حاصل کرنے لگا اور اس طرح زمین پر ایک جگہ جم کر رہنے کی بجائے چل پھر کر اپنی خوراک تلاش کرنے لگا۔ برگساں کے مطابق نباتات کے مرحلہ پر نباتات کا کام محض حیوان کے لئے انرجی سٹور کرنا تھا تاکہ وہ حیوان کی غذا بن سکے۔

کائنات کے تخلیقی مراحل کا ہم سابقہ صفحات میں ایک تفصیلی جائزہ لے چکے ہیں۔ ہماری اس فکر کے مطابق نباتات کا زمین کے ساتھ پیوستہ ہو کر اٹھنے کی محض یہ وجہ نہیں تھی کہ وہ حیوان کے لئے خوراک بنائے۔ ہم خوراک کی حقیقت سے متعلق پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔ کائنات کے تمام تخلیقی مراحل کیونکہ ایک ہی مقصد کے تحت نیچے سے اوپر اٹھتے ہیں لہٰذا ہر نیا مرحلہ اپنے سابقہ مراحل سے تعلق قائم کرتا ہے اس تعلق کو قائم کرنے کا جو طریقہ ہے اسے ہم خوراک کا نام دیتے

Marfat.com

ہیں اور یہ خوراک ہر مرحلہ کی شعوری اقدار کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔ لہٰذا یہ خیال کہ نباتاتی مرحلۂ تخلیق پر نباتات کا مقصد محض اپنے اگلے مرحلہ یعنی حیوان کے لئے خوراک بنانا تھا۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ نباتات کا زمین کے ساتھ پیوستہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زندگی جب مادی سطح پر زمین کے اندر طبعی قوانین کی صورت میں اپنی تکمیل حاصل کرتی ہے تو یہ قوانین صرف فضا کی مادی اقدار کو ہی متعین نہیں کرتے بلکہ زمین کی تشکیل بھی انہیں کی مرہون منت ہے۔ زمین اور اس کی فضا میں مادہ کی جتنی بھی تنظیمات ہیں وہ انہیں قوانین کی منجمد حالتیں ہیں۔ نمکیات ہوں یا معدنیات یا پھر فضا کے اندر ہوا، پانی، روشنی ہو یا مختلف گیسیں وغیرہ، ان تمام کی حقیقت شعور ہے کیونکہ ان کی تشکیل ایسے قوانین کے تحت ہوتی ہے جنہیں ہم نہ صرف ریاضیاتی فارمولوں میں ڈھال سکتے ہیں بلکہ کسی حد تک ان کے رجحانات کو بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ زمین اور فضا کے اندر ان قوانین کی تکمیل پر جب نباتاتی مرحلۂ تخلیق اٹھتا ہے تو اگرچہ وہ اپنی الگ اور اعلیٰ شعوری اقدار کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تاہم اس کو طبعی قوانین کے ساتھ مکمل رابطہ قائم کرنے کے لئے زمین اور فضا دونوں سے تعلق رکھنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نباتات کے مرحلہ پر زندگی طبعی قوانین کے ان رجحانات کو نہ صرف فضا سے یعنی ہوا، پانی، روشنی وغیرہ کو پتوں کے اندر ضم کر کے بلکہ زمین کے اندر سے نمکیات وغیرہ کو اپنی جڑوں کے ذریعہ اخذ کر کے اپنے مرحلہ کی اعلیٰ شعوری اقدار کے تحت از سر نو متعین کر کے باہر لاتی ہے۔ اس طرح نباتاتی مرحلۂ تخلیق جب اپنی اقدار کی پوری طرح تکمیل کر لیتا ہے تو زندگی ایک فی الفور جست لیتی ہے اور از سر نو اگلے مرحلہ یعنی حیوانی مرحلۂ تخلیق پر امیبا کے ننھے جاندار میں آغاز کرتی ہے۔ خالق کی توجہ اب اس مرحلہ کی تخلیق پر لگ جاتی ہے اور

Marfat.com

سابقہ مرحلہ پر تخلیق اسی مقام پر رک جاتی ہے جس مقام پر اس نے تکمیل حاصل کر لی تھی۔ اب ہم یہاں اگر یہ کہیں کہ نباتات کا مقصد محض حیوان کے لئے خوراک مہیا کرنا تھا تاکہ وہ چل پھر سکے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین اور اس کے طبعی قوانین جو نباتات کو غذا بہم پہنچاتے ہیں۔ اس سے ان قوانین کا کیا مقصود تھا۔ دراصل یہ تضادات اس لئے دکھائی دیتے ہیں جب ہم اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد ایک ہے اور یہ تمام مراحل اسی مقصد کی کڑیاں ہیں۔ تخلیق کا یہ اصول کہ یونہی جب نیا مرحلہ آغاز کرتا ہے تو سابقہ مرحلہ میں مزید انواع کے پیدا ہونے کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ تخلیق ایک مقصد کے تحت پروان چڑھ رہی ہے۔ لیکن یہ مقصد محض ایک مرحلہ کا دوسرے مرحلہ کے لئے خوراک پیدا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ خوراک زندگی کے اندر ایک تسلسل پیدا کرنے کا ذریعہ ہے جس کے ذریعہ اعلےٰ شعوری مرحلہ اپنے ادنےٰ شعوری مرحلہ سے رابطہ قائم کرتا ہے۔ ہم اس رابطہ کی ضرورت کا ذکر پہلے بھی واضح طور پر کر چکے ہیں۔ اس رابطہ کے قائم رکھنے کے پیچھے عملِ تخلیق کے دو بڑے اصول یا مصلحتیں وابستہ ہیں۔ ایک تو زندگی کے واحد مقصد ہونے کی وجہ سے زندگی خواہ کسی مرحلہ پر بھی کیوں نہ ہو وہ اپنے دوسرے مراحل سے کٹ نہیں سکتی۔ اگر وہ اپنے دوسرے مراحل سے کٹ جائے تو وہ محض خلا میں ایک جزیرہ بن کر رہ جائے لہٰذا زندگی کی اپنی بقا کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے سابقہ مراحل سے تعلق قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھے۔ اس کی مثال ہم پہلے بھی دے چکے ہیں کہ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک طالب علم کسی مقصد کے لئے ایک جماعت سے دوسری جماعت میں جب داخل ہوتا ہے تو اسے اس اعلےٰ جماعت پر رہتے ہوئے بھی سابقہ جماعت کے تعلیمی حاصلات کو ذہن میں

Marfat.com

رکھنا ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ طالب علم مقصد کی راہ میں اپنے تعلیمی معیار یا مقام سے آگاہ ہو سکے اور اس آگاہی کا ہونا مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے ایک ضروری شرط ہے اسی طرح سابقہ مراحل سے زندگی کا رابطہ قائم رکھنے کی دوسری اہم ضرورت بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس رابطہ کے پیچھے جو سب سے بڑی اور اہم مصلحت ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کو نئے مرحلہ پر داخل ہوتے ہی اپنی نئی اور اعلےٰ اقدار کو مجموعی تخلیق کے اندر متعین کرنا ہوتا ہے یعنی یہ کہ وہ کیا ہے اور اس کا کائنات کے اندر کیا مقام ہے۔ جب تک زندگی اپنے مقام کو متعین نہیں کر لیتی اسے نہ تو اپنی اقدار یا اپنے آپ کی صلاحیتوں کا پتہ چل سکتا ہے اور نہ ہی اس کو اپنے سامنے کوئی واضح مقصد نظر آسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک زندگی کو خود اپنی صلاحیتوں اور اپنے مقام کا پتہ نہیں ہوگا اسے اپنے مقصد یا آئندہ کے لئے لائحہ عمل کا پتہ کیونکر ہو سکتا ہے لہٰذا زندگی ہر نئے مرحلہ پر قدم رکھتے ہی پہلے اپنی سابقہ زندگی کے سفر کا جائزہ لیتی ہے تاکہ وہ زندگی سے کٹ کر محض جزیرہ بن کر نہ رہ جائے۔ اس رابطہ کے ذریعے زندگی کے اندر نہ صرف ایک مقصد کے حصول کی خاطر تسلسل قائم رہتا ہے بلکہ اس سے سابقہ تخلیقی مراحل پر زندگی کے رجحانات اور شعوری اقدار کو اپنی نئی اور اعلےٰ شعوری اقدار کے تحت تجزیہ کر کے اپنی زندگی کے مقام کو متعین کرنے میں مدد بھی ملتی ہے۔

اپنے آپ کو معلوم کرنے یا متعین کرنے کا مطلب ہے کہ وہ اپنی حقیقت یا ذات کو معلوم کرتی ہے۔ ذات کا معلوم ہونا گویا مقصد کا معلوم ہونا ہے کیونکہ یہ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ جہاں مقصد ہوگا۔ وہاں ذات ہوگی اور جہاں ذات ہو گی وہاں مقصد ہوگا اور جہاں مقصد یا ذات ہوگی وہاں شعور یا زندگی کا ہونا لازمی ہے۔

Marfat.com

خوراک کی ضرورت زندگی کی ایک ہی شعوری سطح پر پیش نہیں آتی اس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب زندگی ادنےٰ مرحلہ کو چھوڑ کر نئی شعوری اقدار کے ساتھ اگلے مرحلہ میں داخل ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نیا مرحلہ سابقہ مراحل کی نسبت کیونکہ اعلےٰ شعوری اقدار کا حامل ہوتا ہے اور سابقہ مراحل نئے مرحلہ کی نسبت جاہل ہوتے ہیں لہٰذا یہ رابطہ برابر کے شعوری اقدار پر قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے نئے مرحلہ پر زندگی کو یہ رابطہ علامات کے ذریعہ قائم کرنا پڑتا ہے یعنی وہ سابقہ مرحلہ کی جسمانی اقدار کو اپنے اندر ضم کر کے اسکے رجحانات کو اپنی شعوری سطح پر معلوم کر کے اپنی شعوری اقدار کو متعین کرتی ہے ابتدائی مراحل میں اس خوراک کی نوعیت مادی قسم کی تھی لیکن جیسے جیسے تخلیق شعوری طور پر بلند ہوتی چلی گئی تو ویسے ہی اس رابطہ یا غذا کی شکلیں بھی بدلتی گئیں مثلاً نباتی مرحلۂ تخلیق پر نباتات کی غذا محض ہوا پانی روشنی اور زمین کے مادی اجزا نمکیات وغیرہ تھیں اور پھر حیوانی مرحلہ پر حیوان نباتات کے علاوہ فضا روشنی ہوا وغیرہ کو بھی غذا بناتا ہے حتےٰ کہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی کی شعوری اقدار کی مناسبت سے اس کی غذا کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے۔ یعنی انسان حیوانی نفس یا اس کے حواس کو اپنی غذا بناتا ہے اور ان کے ذریعہ پھر وہ کائنات کے اندر جھانک کر اپنی شعوری روشنی کے تحت اپنے مقام اور اپنی شعوری اقدار کو متعین کرتا ہے۔ یہاں اس حقیقت کو واضح کر دینا نہایت ضروری ہے کہ ہر مرحلہ اپنی شعوری اقدار کا تعین اپنی نئی شعوری اقدار کے تحت کرتا ہے اور نئی شعوری اقدار کا تعلق ہمیشہ اندرونی ہوتا ہے بیرونی نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب ہم کہتے ہیں کہ ہر نئے مرحلہ پر زندگی سابقہ مرحلہ سے تعلق اس لیے قائم کرتی ہے تاکہ وہ اپنے مقام یا اپنی شعوری اقدار کو متعین کرے تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ نئے مرحلہ کو سابقہ مراحل پیدا کرتے

Marfat.com

ہیں یا وہ نئے مرحلہ کی شعوری اقدار کو متعین کرتے ہیں۔ کیونکہ سابقہ مرحلہ یا مراحل تو شعوری طور پر ادنےٰ اقدار کے حامل ہوتے ہیں اور ان کو نئے مرحلہ کی شعوری اقدار کا سرے سے علم ہی نہیں ہوتا لہٰذا ان کا نئے مرحلہ کی شعوری اقدار کو متعین کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اپنے مرحلہ کی ادنےٰ اقدار کے ساتھ چپکے رہنے کی وجہ سے نئے مرحلہ کی راہ میں، لٹا رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر اس کا خود شعور ہو جانا یا اس کے اندر خالق کی روح کا پیدا ہو جانا کائنات کی تخلیق میں ایک ایسی نئی قدر ہے جس کا ظہور مقصد کی طرف سے ہوا ہے یعنی یہ ایک نئی روشنی ہے جو کائنات کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد بالآخر انسانی مرحلۂ تخلیق پر مقصد کی طرف سے شعور کے اندر ظاہر ہوتی ہے پیدا نہیں ہوتی (اس کے متعلق تفصیلاً گفتگو ہم سابقہ صفحات میں کر آئے ہیں) لہٰذا ظاہر ہونے اور پیدا ہونے میں بڑا فرق ہے۔ پیدا ہونے سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ نئے مرحلہ کی تخلیق کا باعث نچلا مرحلہ ہے حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ یہ انسانی ہی نہیں بلکہ تخلیق کائنات کا ہر نیا مرحلہ جب سابقہ مرحلہ کی تکمیل پر اٹھتا ہے تو پیدا نہیں ہوتا تھا بلکہ مقصد کی طرف سے زندگی ظہور میں لاتی تھی مثلاً حیوانی مرحلۂ تخلیق پر حیوان جس شعوری کائنات میں رہتا ہے وہ محض اس کے ارد گرد ماحول تک محدود ہے جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتا لیکن یونہی زندگی انسانی مرحلۂ تخلیق پر قدم رکھتی ہے تو اس کے شعور میں تمام کائنات کی وسعتیں سما جاتی ہیں۔ لہٰذا انسان کے اندر یہ نئی روشنی جو اس کو خود شعور کر دیتی ہے اور جس سے اس کے اندر خالق کی موجودگی کا احساس ابھرتا ہے وہ نچلے مرحلہ سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ بذاتِ خود ایک نئی حقیقت ہے جس کا ظہور انسانی مرحلہ پر شعور کے اندر ہوا ہے یعنی وہ خالق کی روح

Marfat.com

کا ظہور ہے جس سے مقصدِ زندگی کے مطابق خالق انسانی شعور پر اپنے آپ کو منعکس کر رہا ہے گویا انسانی خود شعوری کا باعث کائنات کی مادی زندگی کا ظہور نہیں بلکہ یہ خالق کا اپنا ظہور یا اس کی شان و شوکت کا عکس ہے۔ جو انسان پر پڑ رہا ہے۔ انسانی خود شعوری سے قبل تخلیقِ کائنات کے ہر مرحلہ پر شعور کی نئی اقدار کا ظہور ایک فوری ارتقائی عمل سے ہی وجود میں آتا رہا ہے۔ مادہ پرستوں کا یہ دعوے کہ زندگی یا انسان کی خود شعوری مادہ کی پیداوار ہے یا یہ کہ مادہ یا بیرونی دنیا انسان کے شعور کو متعین کرتی ہے یکسر بے بنیاد رہ جاتا ہے۔ مادیت پرست جو زندگی کی تفسیر محض بیرونی دنیا کے حوالے سے کرتے ہیں وہ زندگی تو ایک طرف خود اپنی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں۔ برگسان نے صحیح کہا ہے کہ ارسطو سے لے کر اب تک دانشور، حکما، سائینسدان اور فلاسفر کائنات کو سمجھنے میں جو سب سے بڑی غلطی کرتے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ کائنات کے ان تمام تخلیقی مراحل کو ایک دوسرے کی پیداوار اور ایک ہی نوعیت سمجھتے رہے ہیں حالانکہ اِن مراحل کے رجحانات یکسر ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے۔ جن کے اندر محض ڈگری کا فرق نہیں تھا بلکہ وہ اپنی نوع میں بھی الگ تھلگ اقدار کے حامل تھے۔

مندرجہ بالا سطور سے خوراک کی افادیت اس کے مقصد اور تخلیقِ کائنات کے اندر اس کی بدلتی ہوئی حالتوں پر روشنی پڑتی ہے البتہ برگسان کا یہ خیال کہ نباتات محض حیوان کے لئے خوراک بنانے کا کام کرتی ہیں، جزوی طور پر درست ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خوراک کے صحیح مقصد سے آگاہ نہیں تھا۔ دوسرے وہ محض اس کو نباتات اور حیوان تک محدود رکھتا ہے۔ اب ہم اپنے اس سوال کی

Marfat.com

طرف آتے ہیں کہ انسان اپنے خودشعوری کے مرحلہ کا آغاز اپنے ذہنی جسم کو حیوانی نفس یا جسم سے الگ کر کے کیوں نہیں کرتا۔ برگسان کے مطابق انسانی مرحلۂ تخلیق اپنی شعوری اقدار کے لحاظ سے حیوانی مرحلہ سے محض ڈگری میں بلند نہیں بلکہ وہ اپنی نوعیت میں بھی اس سے ایک الگ قسم ہے۔ برگسان کا یہ خیال ہماری فکر کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا اس سے انسانی مرحلۂ تخلیق کی حیوانی نفس یا جسم سے بطور مرحلہ الگ رہ کر اٹھنے کی ضرورت اور واضح ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں از سرنو خودشعوری کے مفہوم پر غور کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ہم ان تخلیقی مراحل میں دیکھ چکے ہیں کائنات کی ابتدائی تخلیقی حالتوں سے لے کر اس کے مختلف تخلیقی مراحل کے دوران ہر نئے مرحلہ تخلیق پر اس کے اندر زندگی یا شعور کی جو نئی اقدار ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ انسان ہی کی تخلیق کے مراحل تھے حتےٰ کہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی کے اندر اپنی حقیقت کا احساس پیدا ہونے لگتا ہے۔ اپنی حقیقت کے احساس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دوسری ایسی حقیقت کا علم ہونے لگتا ہے جو اپنی ذات میں ابدی ہے۔ اس طرح انسانی مرحلہ پر شعور کی ابدی حقیقت سے آگہی اسے خود بھی ابدی حقیقت کا رازدان بنا دیتی ہے۔ ابدی حقیقت کے دائرہ میں داخل ہو کر شعور اپنی حقیقت کو پہچاننے لگتا ہے پھر جیسے جیسے وہ اس ابدی حقیقت کے قریب آتا جاتا ہے اسی لحاظ سے اس کی شخصیت یا ذات میں استحکام پیدا ہوتا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں حقیقت کی پہچان گویا زندگی کے اندر روح یا شخصیت بن کر جلوہ گر ہوتی ہے۔ تخلیقِ کائنات کے اندر زندگی کی ابتدائی یا مادی حالتیں اس روح کی تشکیل کے مختلف مراحل تھے جو بالآخر انسانی مرحلہ پر انسان کے اندر اپنے خالق کی پہچان پیدا کر دیتے ہیں اس طرح انسانئ مرحلۂ تخلیق پر شعور تخلیق کے تمام مراحل کو پھاند کر زندگی کی مادی حالتوں سے نکل کر ایک ایسے الگ مرحلہ

Marfat.com

میں ابتدا کرتا ہے جہاں اس کی روح، زندگی یا شعوری اقدار مادی نہیں رہتیں، بلکہ حقیقتِ شعور سے آگاہ ہونے کی وجہ سے غیر مادی ہو جاتی ہیں۔ تاہم وہ اس مرحلہ کی نہایت ہی ابتدائی حالتوں سے آغاز کرتا ہے جہاں اس کے اندر اپنی منزل کی محض نشاندہی یا اس کا دھندلا سا عکس ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے اس مرحلہ پر ابھی اپنی آگہی یا خالق کی اس روح کی تکمیل کرنا باقی ہے اور تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام تخلیقی حقائق سے آگاہ ہو کیونکہ کائنات کی تخلیق انسان کی اس خود شعوری کی تخلیق تھی۔ جس کے اندر اس کی تعمیر ہوتی رہی ہے۔ اسے اپنی اس خود شعوری کو متعین کرنے یعنی اپنے مقام یا شعوری وسعتوں کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ حسبِ دستور سابقہ تخلیقی مراحل سے رابطہ قائم کر کے ان سے اپنی بلندی اور مقام کا اندازہ لگائے اپنی بلندی اور مقام کا علم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو خالق کی بلندی اور مقام کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اب اگر انسان کی خود شعوری حیوانی مرحلۂ تخلیق کی طرح اپنے مرحلہ کا آغاز حیوانی جسم سے الگ رہ کر کرتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ ایک اور مادی وجود لے کر آتی حالانکہ وہ شعوری یا روحانی طور پر زندگی کی مادی حالتوں سے باہر نکل چکی ہے۔ مادی حالتوں سے باہر نکل آنے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی مرحلہ پر زندگی اپنے سرچشمہ یعنی حقیقت کو پہچان رہی ہے لہٰذا مقصد کے ظاہر ہو جانے پر اسے کسی مادی جسم کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس کے برخلاف حیوانی مرحلۂ تخلیق پر جب زندگی امیبا کے جسم میں ظاہر ہوتی ہے وہ ابھی زندگی کے مادی سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لہٰذا حیوانی مرحلہ پر اسے اپنی بقا اور شعوری اقدار یعنی حواس کی تکمیل کو مادی تنظیم میں رہ کر ہی مکمل کرنا ممکن تھا۔ حیوان اِس مقصد کے لئے جس جسم کی تشکیل کرتا ہے وہ بھی مادی نوعیت کا ہوتا

Marfat.com

ہے یہی وجہ ہے کہ وہ سابقہ مراحل پر زندگی کی مادی حالتوں کو محض چھو کر اندھیرے میں بھی دریافت کر سکتا تھا۔ اب اگر انسانی مرحلہ کو دیں تو انسان کے خود شعور ہونے کا مطلب ہے شعور کا شعور کی حقیقت سے واقف ہونا۔ لہٰذا اس مرحلہ پر شعوری اقدار مکمل طور پر شعوری قدروں کے اندر بڑھتی ہیں جو غیر مادی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر انسانی مرحلۂ تخلیق پر خود شعوری حیوانی جسم سے پیوستہ رہ کر اپنا آغاز نہ کرتی تو ایسا ممکن نہ تھا کیونکہ اس طرح انسان کی خود شعوری کو اپنے سابقہ مادی مراحل سے رابطہ قائم رکھنا ناممکن ہوتا اور جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں ہر مرحلۂ کو تخلیقِ کائنات کے اندر اپنی نئی شعوری اقدار کو متعین کرنا نہایت ضروری ہے لہٰذا انسان کی خود شعوری جس کے اندر شعور کائنات کی ابدی حقیقت کا احساس اس کے شعور میں روح بن کر ظاہر ہو چکا ہے اس کے لئے اب کائنات کے اندر شعور کی تمام مادی حالتوں کو اپنی حقیقی روشنی کے تحت معلوم کر کے اپنے مقام کو متعین کرنا ضروری ہے اس مقصد کے لئے انسانی شعوری اقدار جو کہ غیر مادی نوعیت کی ہیں۔ ان کو مادی کائنات سے رابطہ کے لئے جس خوراک کی ضرورت ہے وہ ایسی ہونی چاہیئے جو مادی اور شعوری حالتوں کے درمیان ہو۔ یعنی جو زندگی کی مادی حالتوں کو انسان کی بسیط شعوری سطح تک پہنچانے کی استعداد رکھتی ہو۔ انسان کی بسیط شعوری سطح کیا ہے یہ سطح خالق کا اسکے اندر دھندلا سا ظہور ہے اور انسان کی خود شعوری اب خالق کی اس آگہی کے ساتھ ہر چیز کا تجزیہ کر کے اپنے خالق کو زیادہ سے زیادہ آشکار کرنا چاہتی ہے۔ اب جب ہم حیوانی حواس پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی مادی حالتوں اور انسانی شعور کے درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یعنی حیوانی حواس جن کو ہم حواسِ خمسہ بھی کہتے ہیں وہ کائنات میں شعور کی ایسی مادی حالت میں ظاہر ہوتی ہیں جو شعور یا زندگی کے سابقہ تخلیقی مراحل میں شعور کی آخری مادی حالت

Marfat.com

یا کڑی ہے اور اس کے بعد شعور جیسا کہ انسانی خود شعوری سے ظاہر ہے مادی کائنات سے باہر نکل کر اپنی حقیقی یعنی بسیط شعوری کائنات میں قدم رکھتا ہے جہاں اس کے اندر حقیقتِ کائنات کا عکس پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انسان اپنی خود شعوری کے مرحلہ پر اپنے سابقہ سفر یعنی مادی کائنات کو اپنے شعور کی اس روحانی سطح پر معلوم کرنے کے لئے جس چیز کو بطورِ رابطہ یا ذریعہ خوراک بنا سکتا تھا وہ یہی حواس ہی ہو سکتے تھے۔ حیوانی حواس جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے شعور کی ایسی منجمد حالت ہے جہاں شعور نہ تو پوری طرح بیدار رہے یعنی مادی حالت سے پوری طرح باہر نکلا ہے اور نہ ہی اسے اپنے مقصد کا کھل کر پتہ ہے گویا اس کی اقدار ایک طرف مادی زندگی سے متصل ہیں اور دوسری طرف انسان کی خود شعوری سے پیوستہ ہیں جو کہ بسیط شعوری کائنات کی طرف بڑھ رہی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انسان کی خود شعوری جو کہ مادی حالتوں سے باہر نکل چکی ہے اور جس کے لئے اپنے اس شعوری مرحلہ پر الگ سے کسی مزید مادی جسم کے اندر اپنے مرحلہ کی ابتدا کرنا زندگی کو مقصد کی طرف لے جانے کی بجائے پیچھے کی طرف موڑنے کے مترادف تھا۔ اس نے حیوانی جسم کے ساتھ پیوستہ رہ کر اپنے مرحلہ کی ابتدا کی۔ البتہ یاد رہے کہ ہر نیا مرحلہ اپنے الگ وجود کے ساتھ اپنے مرحلہ کا آغاز کرتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو نئے مرحلہ کے پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ ایسی صورت میں انسانی خود شعوری کا مرحلۂ تخلیق اگرچہ حیوانی دماغ کے ساتھ پیوستہ رہتا ہے لیکن یہ اپنے مرحلہ کی تشکیل بالکل الگ اور علیحدہ جسم میں کرتا ہے۔ خود شعوری کے اس جسم کو ہم ذہنی جسم کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم کو معلوم ہے ہر مرحلۂ تخلیق جب اپنا آغاز کرتا ہے تو وہ یہ آغاز اپنے مرحلہ کی مجموعی شعوری اقدار کی نسبت نہایت ہی

Marfat.com

ابتدائی حالتوں میں کرتا ہے اور پھر جیسے جیسے وہ مقصد کے تحت اپنے مقام یا ذات کو متعین کئے جاتا ہے ویسے ہی وہ آگے بڑھتا ہوا بالآخر اپنے مرحلہ کی تمام اقدار کو حاصل کر لیتا ہے۔ چنانچہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر خود شعوری جو کہ دراصل خالق کائنات یا شعورِ مطلق کی روح یا حقیقت کی روشنی ہے وہ اپنے مرحلہ پر جب آغاز کرتی ہے تو وہ اس حقیقی روشنی کی محض ادنیٰ حالت سے ابتدا کرتی ہے اور پھر وہ اس روشنی کے اندر حیوانی حواس کو اپنی شعوری سطح پر تجزیہ کر کے کائنات کی وحدت کو معلوم کرتی ہے۔ حیوانی حواس جب خود شعوری کے اندر داخل ہوتے ہیں تو یہ محض زندگی یا شعور کی علامات کے سوا اور کچھ نہیں ہوتے۔ گویا انسان کے ذہنی جسم میں بطور خوراک اِن کی حقیقت محض شعور کی خام حالت کے مترادف ہوتی ہے۔ لیکن جونہی یہ انسانی خود شعوری میں داخل ہوتے ہیں تو انسان کے اندر خیالات کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ اِن خیالات کا محرک یا سرچشمہ انسانی خود شعوری کے پیچھے وہ دباؤ ہوتا ہے جو اُس کو اپنے آپ کو معلوم کرنے کے لئے ہر وقت لاشعوری طور پر بے قرار رکھتا ہے اور جسے ہم مقصدِ حیات کے نام سے موسوم کر چکے ہیں۔ اس طرح انسانی خود شعوری کا ہر خیال یا تصور جو اِن حواس کے ذریعہ کائنات کے تجزیہ کے نتیجہ میں اس کے اندر ابھرتا ہے وہ انسانی خود شعوری میں مادی نہیں بلکہ شعوری حالت میں ایک مستقل قدر کے طور پر محفوظ ہو جاتا ہے اور اس طرح اس پر جو نئے نئے خیالات اور تصورات ابھرتے ہیں وہ ایک جگہ اکٹھے ہوتے رہتے ہیں اور خود شعوری اِن خیالات و تصورات کو اس حقیقی روشنی کے تحت جو اس کے اندر انسانی مرحلۂ تخلیق پر نمودار ہوتی ہے ہر آن پرکھتی رہتی ہے۔ انسان کی خود شعوری کی تسکین کا معیار بہر حال اس بات پر ہوتا ہے کہ آیا وہ تصورات جن کو اس

Marfat.com

نے اپنایا ہے وہ اس کی روحانی اقدار کو مطمئن کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر کرتے ہیں تو وہ ان اقدار پر زیادہ سے زیادہ عمل کر کے اپنی خود شعوری کے پیچھے روحانی دباؤ کو مطمئن کرتی ہے اور اگر وہ تصورات اس کی شعوری یا روحانی اقدار کے خلاف ثابت ہوتے ہیں تو خود شعوری اپنے اندر بے سکونی پا کر فوراً نئے تصورات کی تلاش پر توجہ لگا دیتی ہے۔ خود شعوری کے یہ تمام ذہنی اعمال یعنی تصورات، خیالات وغیرہ جہاں جمع رہتے ہیں اس کو ہم ذہنی جسم کہہ سکتے ہیں اور اس جسم کی تشکیل کا محرک جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے۔ شعور کی مادی حالت نہیں بلکہ شعور کی ایسی حالت ہے جو شعور کو زندگی کی مادی حالتوں میں اور مادی حالتوں کو شعور میں منتقل کرتی رہتی ہے۔ اس کو ہم روح بھی کہہ سکتے ہیں۔

ہماری اس گفتگو سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ انسانی مرحلۂ تخلیق کائنات کے سابقہ تخلیقی مراحل، خاص کر حیوانی جسم یا دماغ کے ساتھ پیوستہ رہ کر اپنے مرحلہ کی تشکیل کیوں کرتا ہے۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ انسان کی خود شعوری جو حیوانی جسم یا دماغ سے پیوستہ رہ کر اپنے مرحلہ کی الگ تشکیل کرتی ہے۔ یہ حیوانی حواس سے کس طرح رابطہ پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ حیوانی حواس حیوانی زندگی کی محض شعوری اقدار کو ظاہر کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ شعوری اقدار ہمیشہ تنظیم کے اندر رہتی ہیں لہٰذا ہمارے لئے یہاں تھوڑا سا رک کر حیوانی مرحلۂ تخلیق پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔ چنانچہ جب ہم حیوانی مرحلۂ تخلیق پر اس کی شعوری اقدار پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حیوانی مرحلۂ تخلیق پر یہ حواس شعور کی ایسی مادی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں جنہیں ہم حیوانی جسم کہتے ہیں اور چونکہ شعور یا زندگی خواہ وہ ایٹم کے ذرّے کی مادی حالت میں ظاہر ہو یا کسی اور شکل میں ہمیشہ

Marfat.com

وحدت یا کل کی اکائی میں رہتی ہے۔ لہٰذا یہ حواس بھی ایک اکائی یا تنظیم کی وحدت میں رہتے ہیں حواس کی یہ تنظیم جس اکائی میں ظاہر ہوتی ہے اسے ہم نفس کہتے ہیں۔ نفس کی اپنی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ حیوانی مرحلۂ تخلیق پر حواس کی مادی یعنی حیوانی تنظیم کے اندر مرکز کے طور پر ظہور میں آتا ہے۔ مثلاً کرہ ارض ایک زندہ جسم ہے جس کی زندگی یا شعوری اقدار یا اس کے رجحانات ہمیں طبعی قوانین میں ملتے ہیں۔ یہ طبعی قوانین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط رشتہ میں پروئے ہوتے ہیں جو بالآخر علت و معلول کی ایک بڑی تنظیم یا زندگی کی ایک اکائی کے طور پر عمل کرتے ہیں۔ زمین کے اندر زندگی کی یہ تنظیم جو علت و معلول کے رشتہ میں ایک وحدت میں رہتی ہے جب نباتاتی مرحلۂ تخلیق پر قدم رکھتا ہے تو وہ درخت، پودوں وغیرہ کی صورت میں ازسرنو ایک تنظیمی وحدت میں ظہور کرتی ہے اسی طرح حیوانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی جب تخلیق پاتی ہے تو وہ اس مرحلہ کی شعوری اقدار کے مطابق اپنی تنظیم، حیوانی نفس کے مرکزہ میں کرتی ہے اور پھر انسانی مرحلہ پر جب زندگی داخل ہوتی ہے تو وہ انسانی خود شعوری یا اس کی ذات کے مرکزہ میں سمٹ آتی ہے۔ گویا جیسے جیسے زندگی اعلےٰ شعوری اقدار کی طرف بڑھتی گئی یعنی مقصد کے قریب آتی گئی ویسے ہی شعوری لحاظ سے اس کی تنظیمی وحدت میں استحکام یعنی ذات یا شخصیت ابھرتی ہے حتےٰ کہ انسانی مرحلہ پر شعور کے اپنے آپ کو پہچاننے یعنی مقصد کو پہچاننے کی جب استعداد پیدا ہوگئی تو اس کے ساتھ ہی زندگی میں شخصیت یا ذات کا احساس پیدا ہوگیا۔ گویا زمین پر زندگی ادنےٰ حالت کی تنظیم یا کل میں اپنی تکمیل کرتی ہے۔ پھر نباتاتی مرحلہ پر درخت پودوں کی وحدتوں کے کل میں تنظیم کرتی ہے اور پھر حیوانی مرحلہ پر ایک نفس کے اندر تنظیم کرتی ہے

Marfat.com

اور پھر جب انسانی مرحلہ میں زندگی داخل ہوتی ہے تو پھر وہ اپنے آپ میں آجاتی ہے یعنی اسے اپنی ذات یا شخصیت کا پتہ چل جاتا ہے۔ ذات یا شخصیت کا پتہ چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر مقصد کی پہچان پیدا ہو جاتی ہے۔ برگساں حیوانی جسم یا نفس کی تنظیم پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ مرکز کی طرف سے تنظیم پیدا ہوتی ہے یا تنظیم مرکز کو پیدا کرتی ہے یعنی کیا نفس، جسم یا حواس کی تشکیل کرتا ہے یا حواس یا جسم نفس کو پیدا کرتے ہیں یا دونوں ایک ساتھ وجود میں آتے ہیں۔ دراصل یہ ایسی مشکل بات نہیں اگر ہم اپنی اس فکر کے مطابق جس کا جا بجا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے سوچیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ زندگی خواہ ذرّہ کی مادی حالت میں ہو یا اس کے اوپر کے اعلےٰ مراحل میں وہ ہمیشہ وحدت میں رہتی ہے۔ یعنی اس کی جو بھی شعوری اقدار ہوں وہ ان کے اندر ایک مرکزہ کی حیثیت سے ہی رہتی ہے۔ مرکزہ اور اس کی شعوری اقدار کا چولی دامن کا ساتھ ہے تاہم کوئی زندگی یا شعوری قدر جب ظہور پذیر ہوگی تو وہ مرکزہ کے ساتھ وجود میں آتی ہے۔ پھر جیسے جیسے زندگی آگے بڑھتی ہے اس کی تنظیم مرکزہ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے۔ مرکزہ کا مطلب ہے مقصد کا ہونا اور مقصد زندگی کی علامت ہے۔

ہماری اس تشریح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کی خود شعوری حیوانی حواس سے خوراک کا کام لیتی ہے تو حواس سے مراد نفسِ حیوانی ہے کیونکہ ہم نفس اور حواس کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ ایک ہی حقیقت ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کی خود شعوری کائنات کے اندر اپنے آپ کو متعین کرنے کے لیے نفس

Marfat.com

حیوانی کے تمام محرکات، جذبات اور رجحانات کو اپنی خوراک بناتی ہے یعنی وہ اِن حیوانی شعوری اقدار اور اس کے تمام محرکات کو اپنی روحانی سطح پر تجزیہ کر کے کائنات کے اندر اپنی ذات یا شخصیت کو متعین کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں خود شعوری کو حیوانی نفس کے تمام جبلتی دباؤ اور اس کی ضروریات کو احسن طریقہ سے پورا کرتے رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس کی صحیح دیکھ بھال اور جائز ضروریات کا خیال نہیں رکھے گی تو وہ انسان کی خود شعوری کو اپنے مرحلہ پر آزادانہ بڑھنے کی بجائے اس کی توجہ حیوانی نفس کی دیکھ بھال اور ضروریات کی طرف مبذول کئے رکھے گی اور اگر حیوانی نفس اپنی جائز ضروریات سے مطمئن رہتا ہے تو پھر انسانی خود شعوری اپنے مرحلہ پر آگے بڑھنے کے لئے پوری توجہ دینے کے لئے آزاد رہتی ہے اور اس طرح وہ اپنے شعوری دباؤ کو مطمئن کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی خود شعوری کی حفاظت کے لئے، مسلسل دو مختلف قسم کے دباؤ میں رہنا پڑتا ہے۔ ایک دباؤ تو وہ ہے جو اس کے اندر زندگی کی نئی روشنی بن کر ظاہر ہوتا ہے اور جس کی طرف بڑھنا اور اس کی تکمیل کرنا اس کی زندگی یا اس کا مقصد ہے۔ لیکن اس مقصد کے ساتھ ساتھ اسے حیوانی نفس کی تمام خواہشات اور محرکات کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ یہ حیوانی نفس یا اس کے حواس ہی تو ہیں جو انسانی خود شعوری کی خوراک ہیں اور جن سے وہ کائنات کے اندر اپنی زندگی کی سابقہ شعوری حالتوں کو جھانک کر دیکھتا ہے اور پھر اپنی نئی شعوری اقدار کے تحت اِن کا تجزیہ کر کے اپنی ذات یا شخصیت کو متعین کرتا ہے اگر انسان کی خود شعوری حیوانی نفس کی خواہشات اور ضروریات کا خیال نہیں رکھتی تو حیوانی نفس جو انسانی خود شعوری کے نیچے اپنے الگ مرحلہ کی

Marfat.com

حیثیت سے رہتا ہے وہ ہر آن اپنی شعوری اقتدار کی بقا کے لئے اپنی بنیادی ضروریات یعنی خوراک اور دوسری جبلی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے انسانی خودشعوری پر دباؤ ڈالتا رہتا ہے۔ انسان کیونکہ اپنے نئے مرحلہ پر ابتدائی حالتوں سے آغاز کرتا ہے اور اس کے سامنے اپنے مرحلہ کی شعوری اقدار ابھی کھل کر سامنے نہیں آتیں لہٰذا وہ ان کی لذت اور خوشی سے ناآشنا ہوتا ہے اس کے مقابل حیوانی نفس کی خواہشات کے اندر جو مادی لذت یا خوشی ہوتی ہے وہ اس سے آگاہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی اپنی شعوری اقدار کے حاصل کرنے کے پیچھے جو دباؤ ہوتا ہے وہ اس کو غلط طریقے سے مطمئن کرنے کے لئے حیوانی خواہشات کو مطمئن کرنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس سے اگرچہ انسان کچھ عرصہ کے لئے اپنی خودشعوری کو دھوکہ میں رکھ کر اس کے فطری دباؤ سے بچ جاتا ہے۔ لیکن خودشعوری جو کہ انسان کی حقیقی روشنی یا زندگی ہے وہ بہرکیف اپنی قدروں کے علاوہ مطمئن نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جلد یا بدیر اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی مرحلہ تخلیق پر اسے جو نئی روشنی یا اعلیٰ شعوری اقدار حاصل ہوتی تھیں وہ ان کی روشنی میں آگے بڑھنے کی بجائے اس کو زندگی کی سابقہ مگر گھٹیا لذتوں کے حصول میں ضائع کرتی رہی۔ اس حقیقت کے ظاہر ہونے پر خودشعوری ایک عجیب نفسیاتی کشمکش سے گزرتی ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ آئندہ اپنی راہ صحیح طور پر متعین کرے تاکہ اس کو حقیقی اطمینان حاصل ہو سکے۔ اس طرح انسان کی خودشعوری مختلف تصوراتِ حیات کو اپناتی رہتی ہے۔ تاہم صحیح تصورِ حیات وہی ہوتا ہے جو اس کی روحانی یعنی نئی شعوری قدروں کو بھی مطمئن کر سکے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نفسی زندگی کے دباؤ کو بھی ایک اعتدال کے دائرے میں مطمئن کرتا رہے۔

Marfat.com

مندرجہ بالا سطور سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر خود شعوری اگرچہ اپنی الگ اقدار کے ساتھ اپنے الگ ذہنی جسم میں رہتی ہے تاہم اس کو کائنات کے اندر سابقہ سفر سے بہرہ ور رہنے اور اپنی اعلیٰ شعوری اقدار کے تحت اپنی شخصیت اور اپنے مقام کو متعین کرنے کے لئے حواسِ حیوانی کو بطور خوراک استعمال کرنا ضروری ہے اس کے لئے اس کو حیوانی نفس کی تمام خواہشات اور محرکات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ جس میں حیوانی جسم کی غذا اور دیکھ بھال شامل ہے حیوانی جسم کی غذا نباتات ہے۔ جس کا تعلق نباتاتی مرحلۂ تخلیق سے ہے اور نباتات کو سابقہ کائنات سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے کرۂ ارض کی شعوری اقدار یعنی نمکیات، روشنی، پانی، ہوا وغیرہ کو بطورِ غذا حاصل کرنا پڑتا ہے اور اسی طرح کرۂ ارض کی شعوری اقدار یعنی اس کے طبعی قوانین کے قیام کے لئے کرۂ ارض کو اپنے نظامِ شمسی کے ساتھ اور نظامِ شمسی کو تمام کائنات کے ساتھ ایک خاص اعتدال اور نظم و ضبط کے تحت بذریعہ کشش تعلق قائم کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح مرحلہ بہ مرحلہ شعور یا زندگی اپنی مادی یا تنظیمی حالتوں کے اندر اپنی ذات کی تشکیل کرتی ہوئی بالآخر جب انسانی مرحلۂ تخلیق پر پہنچتی ہے تو اس کے اندر شعورِ حقیقی یا خالق کی پہچان کی کرن نمودار ہوتی ہے اور خالق کی اس حقیقت کی پہچان کے ساتھ ہی اس کے اندر اس کی ذات یا شخصیت نمودار ہو جاتی ہے۔

جب ہم کائنات کی تخلیق پر غور کرتے ہیں اور ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کائنات کی تخلیق انسان ہی کی تخلیق ہے تو اس سے انسان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تمام کائنات انسان ہی کی پیدائش کے مراحل تھے جن کے اندر اس کی بتدریج روحانی یا ذہنی تعمیر ہوتی رہی کائنات کی تمام وسعتیں اور

Marfat.com

پہنائیاں اور اس کا تمام دبدبہ قوت اور شان و شوکت جو انسانی ذہن پر منعکس ہوتے ہیں ان کی حقیقت انسان سے باہر نہیں بلکہ یہ سب کچھ انسان ہی کے تعمیری اور تخلیقی مراحل تھے جنہیں انسان خود شعور ہونے پر دیکھتا ہے اگر ان کا تعلق انسان کی تعمیر و تخلیق سے نہ ہوتا تو انسان کبھی ان کا ادراک بھی نہ کر سکتا۔

کائنات یا تخلیق انسانی کے یہ مراحل اگرچہ ایک دوسرے سے کٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لیکن جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں۔ کیونکہ ان سب مراحل کا ایک ہی مقصد یعنی تخلیقِ انسان تھا لہٰذا وہ ایک دوسرے سے الگ رہنے کے باوجود ایک ہی مقصد کی کڑیاں تھیں، جو ارتقا کی صورت میں اپنے مقصد کی طرف بڑھتی رہی ہیں اِن مراحل کی تخلیق میں جہاں اور بہت سے اصول کارفرما ہیں وہاں ہمیں اس اصول کا پتہ بھی چلتا ہے کہ جس طرح ہر مرحلہ اپنی شعوری اقدار کے لحاظ سے نہایت ادنےٰ اجسم و زندگی کی وحدتوں یا تنظیمات میں اپنے مرحلہ کی ابتدا کرتا ہے اسی طرح مجموعی طور پر ہر مرحلۂ زندگی کی اِن وحدتوں پر مشتمل خود بھی وحدت میں رہتا ہے اور اپنی ابتدا و انتہا رکھتا ہے اور اس کے اندر زندگی کی وہی شعوری اقدار تخلیق پا سکتی ہیں جو اس مرحلہ یا پلین کی شعوری اقدار سے مطابقت رکھتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کسی مرحلہ کے اندر زندگی نہ تو کہیں باہر سے داخل ہو سکتی ہے اور نہ ہی وہ کسی دوسرے مرحلہ کی شعوری اقدار کو قبول کرتی ہے۔ لہٰذا خواہ یہ نباتاتی مرحلۂ تخلیق ہو یا حیوانی مرحلہ تخلیق یا پھر انسانی مرحلہ، ان تمام مراحل کے اندر زندگی کی وہی شعوری اقدار تخلیق پا سکتی ہیں جو اِن مراحل کی مجموعی شعوری اقدار کے تحت متعین ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر ہم انسانی مرحلۂ تخلیق کو لیں تو اس

Marfat.com

مرحلہ میں زندگی کی وہی شعوری اقدار تخلیق پا سکتی ہیں جو خود شعور ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی حیوان، درخت یا پتھر انسانی مرحلہ میں از خود داخل ہو سکے۔

انسان کا موجودہ مرحلہ تخلیق کیونکہ کائنات میں سب سے اعلےٰ اور بلند و بالا شعوری اقدار کا حامل ہے لہٰذا اس مرحلہ میں باہر سے داخل ہونے کیلئے کوئی طریقہ نہیں۔ کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک نئی کائنات کی تخلیق کی جائے۔ لہٰذا انسان کائنات میں ایک منفرد ہستی ہے جس کی کہیں اور مثال نہیں مل سکتی۔ اس حیثیت کے باوجود یہ کتنے تعجب کی بات ہے جب ہم اکثر سنتے ہیں کہ فلاں فلاں ماہرین حیاتیات نے زندگی کو پیدا کر لیا ہے یا فلاں فلاں نے ٹیوب کے اندر بچے کو پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ان لوگوں کی ذہنی حالت سے پتہ لگتا ہے کہ وہ زندگی کے حقائق سے کس قدر دور ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو خود اپنے آپ کا پتہ نہ ہو وہ حیات کے متعلق کیا جان سکتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ وہ راکٹ کی مدد سے اس دنیا سے نکل کر کسی اور دنیا میں پہنچ جائیں گے۔ یا پھر دوسرے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے پیدا کردہ ذہنی تجرب سے تنگ آ کر چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی مشین ایجاد کریں جس کی بدولت وہ اس کائنات سے ہی باہر نکل جائیں۔ لہٰذا وہ سیاروں پر اچھلنے کودنے کی خاطر دن رات راکٹوں کے بنانے سنوارنے میں لگے رہتے ہیں۔ سٹار ٹریک ایسے افسانے ایسے ہی لوگ گھڑ گھڑ کر دل بہلاتے ہیں۔ کاش ان لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس کائنات کی تشکیل کم سے کم ایٹم کے ذرہ کی رفتار سے لے کر شعاعِ نور کی رفتار تک پھیلی ہوئی ہے اور یہ ہر طرف سے اپنے اوپر دروازے بند کئے ہوئے ہے جس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر جا سکتی ہے اور نہ ہی کوئی باہر سے اندر

Marfat.com

آسکتی ہے۔ اس کائنات سے اگر کوئی چیز باہر جا سکتی ہے تو وہ خالق کی تخلیق روح ہی ہے جس کی تخلیق کے لئے یہ کائنات وجود میں آئی ہے۔ در اصل اِن لوگوں کا یہ خیال کہ وہ سیاروں ستاروں کے جھرمٹ میں کسی نئی دنیا کو تلاش کر لیں گے یا پھر کسی ذہین سوسائٹی کا پتہ چلا سکیں گے وغیرہ۔ اِن کی منفی سوچ کا پتہ بتاتی ہیں جس کا مقصد مادی ضروریات کی تلاش اور حیوانی خواہشات کی تسکین ہے اس منفی سوچ کی وجہ اِن لوگوں کا اپنی خود شعوری کی روشنی میں آگے بڑھنے کی بجائے اس روشنی کو زندگی کی مادی حالتوں کی طرف موڑ دینا ہے۔ کاش کہ ان کو یہ علم ہوتا کہ انسان ایک عظیم ہستی ہے وہ خود ایک کائنات ہے۔ نہیں بلکہ کائنات تو محض اس کی تخلیق گاہ ہے۔ یہ کائنات جو ہم دیکھتے ہیں اس کی حقیقت محض انسان کے تخلیقی بطن سے زیادہ نہیں جس کے اندر مختلف مراحل میں انسان تخلیق پاتا رہا اور اب کائنات کے انسانی مرحلہ پر اس کے اندر اپنے خالق کی روح کا ظہور ہو جانے سے وہ خود شعوری کے موجودہ بطن میں اپنی تخلیق کے آخری مرحلہ پر ہے اگر ان لوگوں کو اپنی روح کی صحیح قدروں کا اندازہ ہوتا تو وہ زندگی کی مادی قدروں کی طرف بڑھنے کی بجائے سوچتے کہ وہ کائنات کے اندر اپنی خود شعوری کے جس موجودہ بطن میں تخلیق پا رہے ہیں۔ اس کا مقصد روحانی تکمیل ہے۔ یہ روحانی تکمیل ہی ہے جس کے نتیجہ میں اس کے اندر نئی روحانی قدریں ابھریں گی جو اپنے اندر خالق کے شعور کی نئی روشنی لئے ہوئے ظاہر ہوں گی۔ یہ نئی روشنی بالآخر اس کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے کر انسان کو بتدریج حقیقت کی خوشیوں کی طرف لے جائے گی وہ خوشیاں جن کا تصور تو کہیں رہا۔ ان کا انسان کے اس مرحلہ پر وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ؛

Marfat.com

باب نمبر ۱۰

نفسی موت اور خود شعوری

عام طور پر انسان اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ جس کو وہ عرفِ عام میں انسانی جسم کہتا ہے وہ حیوانی نفسی جسم ہے۔ کیونکہ اس کی شعوری اقدار وہی ہیں جو عام حیوان کی شعوری اقدار ہیں۔ مثلاً انسان کے حیوانی جسم میں وہی جبلتیں کام کرتی ہیں جو عام حیوانی جسم میں کام کرتی ہیں۔ کھانا پینا، جنسی خواہشات، خوف، غصہ سونا وغیرہ یہ تمام جبلتیں انسانی اور حیوانی ہر دو اجسام میں ایک ہی ہیں۔ انسان کے حیوانی جسم کے خلیات پیدا ہوتے بڑھتے اور مرتے رہتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیات لیتے رہتے ہیں حتیٰ کہ دس سال کے عرصے میں ایک دفعہ یہ تمام خلیات بدل جاتے ہیں۔ یہی حال حیوانی جسم کا ہے۔ اس کے خلیات بھی پیدا ہوتے، بڑھتے اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح ان خلیات کے بدلتے رہنے سے یہ اجسام بھی بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح اگر حیوانی شعوری اقدار یعنی حواسِ خمسہ پر غور کیا جائے تو جو حواس حیوانی جسم کو متعین کرتے ہیں وہی حواس انسانی جسم میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب ہم ان اجسام کی بنیادی ضروریات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جو بنیادی ضروریات حیوانی نفس یا جسم کی ہیں۔ مثلاً سردی گرمی سے بچاؤ، جسم کی حفاظت، رہنے سہنے کی جگہ وغیرہ وہی بنیادی ضروریات ان کے نفسی یا حیوانی جسم کی ہیں۔ حیوانی جسم نفسی تنظیم میں رہتا ہے۔ بذریعہ جرم پیدا ہوتا

Marfat.com

ہے۔ بڑھتا ہے اور پھر خلیات کے کمزور پڑنے پر یا ٹوٹ پھوٹ سے جب اس تنظیم میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے تو نفس بھی منتشر ہو کر فنا کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کا حیوانی جسم بھی نفسی تنظیم میں رہتا ہے۔ بذریعہ جرم پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے اور پھر انتشار کی صورت میں موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے ہم نے دیکھا کہ جو شعوری اقدار حیوانی جسم میں پائی جاتی ہیں وہی اقدار عرف عام میں جس کو ہم انسانی جسم کہتے ہیں اس میں بھی پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا انسان اپنے اِس نفسی یا حیوانی جسم اور عام حیوانی جسم کی شعوری اقدار کے ایک ہی ہونے کی وجہ سے اپنی اصلی حقیقت کو فراموش کر کے یہی سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کی حقیقت بھی محض عام حیوان کی سی ہے جو بذریعہ جرم پیدا ہوتا ہے۔ بڑھتا پھولتا ہے اور پھر جب جسم ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے تو اس کی نفسی موت کے ساتھ وہ بھی موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے حالانکہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ جسم زندگی کو پیدا نہیں کرتا بلکہ زندگی اپنی شعوری اقدار کے مطابق جسم کی تشکیل کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے حیوانی جسم کی تشکیل یقیناً دوسری انواع حیوانات کی نسبت ایک نہایت اعتدال کے اندر ہوئی ہے یعنی اِنسان کا حیوانی جسم ہر دو شعوری اور جسمانی لحاظ سے حیوانی مرحلۂ تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی مرحلہ پر زندگی انہیں قدروں پر آگے بڑھتی ہے جو اس مرحلہ کی شعوری اقدار کی بلندی پر ہوتی ہیں۔ لہٰذا انسان اگرچہ اپنی خود شعوری کا آغاز ایک الگ مرحلہ کی حیثیت سے کرتا ہے تاہم وہ جس حیوانی نفس سے پیوستہ ہو کر اٹھتا ہے وہ حیوانی مرحلۂ تخلیق پر حیوانی زندگی کی سب سے اعلیٰ شعوری اقدار کا حامل تھا یعنی حیوانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی

Marfat.com

اپنی شعوری اقدار یعنی حواسِ خمسہ کی تکمیل جس اعتدال سے انسان کے حیوانی جسم میں کرتی ہے اس اعتدال سے وہ کسی دوسری نوع حیوان میں نہیں کر سکی۔ ظاہر ہے کہ زندگی جہاں بھی ہو وہ اپنی شعوری اقدار کے مطابق جسم کی تشکیل کرتی ہے۔ لہٰذا حیوانی مرحلۂ تخلیق پر حیوانی زندگی نے کیونکہ اپنی شعوری اقدار کو ایک اعتدال کے ساتھ انسان کے حیوانی جسم میں مکمل کیا۔ لہٰذا اسی مناسبت سے انسان کا حیوانی جسم بھی دوسری انواعِ حیوان کی نسبت ایک اعتدال کے اندر اپنی تکمیل کرتا ہے۔ اس لحاظ سے ہم انسان کے حیوانی جسم اور اس کی نفسی شعوری اقدار کو جس سے پیوستہ ہو کر انسانی خود شعوری کے مرحلہ کا آغاز ہوتا ہے حیوانی مرحلۂ تخلیق کی شعوری اقدار کا شاہکار کہہ سکتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ حیوانی مرحلۂ تخلیق کی تکمیل پر زندگی کا اگلے مرحلہ پر قدم رکھ دینے کے بعد انسان حیوانی جسم یا نفس میں نہیں بلکہ وہ اپنی خود شعور زندگی کے تشکیل کردہ ذہنی جسم میں رہتا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہی ہے کہ جسم زندگی کو پیدا نہیں کرتا بلکہ زندگی اپنی شعوری اقدار کی مناسبت سے جسم کی تشکیل کرتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ زندگی کی قدریں یا اس کے رجحانات ہیں جن سے ہم زندگی کی بلندی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جب ہم حیوانی مرحلۂ تخلیق اور انسانی خود شعوری کے مرحلۂ تخلیق پر غور کرتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ انسانی شعوری اقدار حیوانی نفس یا شعوری اقدار سے نہ صرف بلند اور بالا ہیں بلکہ جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں وہ اپنی نوعیت اور قسم میں بھی اپنی منفرد اور الگ حیثیت کی حامل ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم انسانی شعوری اقدار کا یہاں تفصیلاً ذکر کریں گے تاکہ ہمیں نہ صرف انسانی اور حیوانی شعوری اقدار کا کھل کر پتہ لگ

Marfat.com

سکے اس سے جو دور رس نتائج برآمد ہوں گے ان سے ہمیں زندگی کے مزید حقائق کو معلوم کرنے میں بھی مدد مل سکے گی۔ خاص کر اس تجزیہ سے ہمیں یہ معلوم ہو سکیگا کہ انسانی مرحلۂ تخلیق حیوانی مرحلۂ تخلیق سے نہ صرف اپنی قسم میں منفرد حیثیت کا حامل ہے بلکہ وہ الگ مرحلۂ تخلیق کی حیثیت سے اپنی خود شعوری کی اقدار کے ساتھ اپنے الگ تھلگ ذہنی جسم میں تکمیل کر رہا ہے۔

چنانچہ جب ہم حیوانی مرحلۂ تخلیق اور انسانی مرحلۂ تخلیق کی شعوری اقدار پر غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حیوان جب کہ زندگی کی مادی حالتوں یا مادی سمندر میں ڈوبا ہوا ہے اور اسے اپنی حقیقت کا کچھ علم نہیں تو اس کے مقابل انسان' زندگی کی مادی حالتوں سے نکل کر زندگی کے ایسے مرحلہ میں داخل ہے جہاں اس کے اندر ابدی حقیقت کی روشنی آجانے سے نہ صرف وہ ابدی حقیقت سے آشنا ہو چکا ہے بلکہ اس ابدی حقیقت کے رازدان ہونے کی حیثیت سے وہ خود بھی ابدیت اور حقیقت سے ہمکنار ہے اس بات کی شہادت ہمیں اس چیز سے ملتی ہے کہ جب کہ حیوان کا علم محض اپنے اردگرد کی اشیاء اور اپنے جسمانی اعضا تک محدود ہوتا ہے انسان کا علم نہ صرف اپنے اردگرد کی اشیاء بلکہ تمام کائنات پر محیط ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ انسان کو جو چیز کائنات میں سب سے زیادہ ممتاز کر دیتی ہے وہ اس کا کائنات سے الگ تھلگ خود اپنی منفرد اور علیحدہ حقیقت کا علم ہے یعنی یہ کہ وہ خود شعور ہے۔ اب یہ یقینی امر ہے کہ کوئی حیوان اس طرح سے یعنی کائنات سے باہر نکل کر اپنے آپ کو نہیں جانتا۔ اگر کسی حیوان کو اپنے آپ کا یا اپنی حقیقت کا علم ہوتا تو یقیناً اس کا ہم کو بھی علم ہوتا۔ حالانکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ حیوان جب کوئی عمل کرتا ہے خواہ یہ عمل اس

Marfat.com

کا چلنا پھرنا ہو یا کھانا پینا ہو اگرچہ وہ اِس عمل کو خود کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خود کوئی حقیقت ہے جو اِس عمل کی ذمہ دار ہے یا اس عمل کو کر رہی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف جب یہی عمل انسان کرتا ہے تو اس کو یہ علم ہوتا ہے کہ وہ بذاتِ خود کوئی ایسی حقیقت ہے جو اس عمل کو کر رہی ہے گویا انسان اپنی خود شعوری کی وجہ سے نہ صرف اپنے آپ کو پہچانتا ہے بلکہ اسے اپنی ذہنی سوچ یا محرکات کی شعوری اقدار کا علم بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے آپ سے بھی باہر نکال لیتا ہے اور پھر حتمی طور پر فیصلہ دیتا ہے کہ ہاں فلاں چیز کے متعلق میرا فلاں خیال یا تصور درست ہے مجھے علم تھا کہ وہ درست ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ درست ہے۔ لیکن حیوانی زندگی چونکہ محض ایک تنظیمی حالت ہے۔ لہٰذا وہ لمحہ بھر کے لئے بھی اپنے آپ سے باہر نہیں آ سکتی۔ گویا وہ زندگی کی مادی حالتوں میں ایسے ڈوبی رہتی ہے جیسے کہ سمندر میں مچھلی۔ اس سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ حیوان خود شعوری یا ذات سے محروم ہے اور یہ کہ انسانی شعوری اقدار اور اس کے رجحانات نہ صرف حیوانی نفسی رجحانات سے یکسر ارفع و اعلےٰ ہیں بلکہ وہ اپنی نوعیت و قسم میں بھی حیوانی اقدار سے الگ ہیں۔

انسانی خود شعوری اپنے خیالات و تصورات کو زبان کی مادی حالتوں میں اتار کر اپنے سے الگ کر کے باہر لے آتی ہے۔ گویا خود شعوری اپنے آپ کو مادی حالتوں میں منعکس کر کے اپنے آپ کا اظہار کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک انا اپنے آپ کو دو اناؤں میں تشکیل کرتی رہتی ہے اور اس کے باوجود وہ اپنے آپ میں مکمل بھی رہتی ہے۔ حیوان اپنے آپ کو اس طرح کبھی منعکس

Marfat.com

نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کو خود اپنے آپ کا سرے سے پتہ ہی نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی شعوری اقدار نفسِ حیوانی کی طرح مقید نہیں بلکہ وہ کائنات کے اندر اپنی ایک آزاد اور الگ حقیقت کے طور پر کائنات میں منفرد حیثیت کی مالک ہیں۔

جسم حیوانی یعنی نفس جبلتوں کے دباؤ کے تحت عمل کرتا ہے گویا جس طرح طبعی کائنات علت و معلول میں جکڑی ہوئی ہے۔ اسی طرح حیوان جبلتوں کا معلول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حیوانی نفس زندگی کی مادی حالتوں میں گھرا رہتا ہے لہٰذا وہ حقیقت سے آشنا نہ ہونے کی وجہ سے ذات یا شخصیت سے محروم ہے۔ ذات یا شخصیت کی محرومی کا مطلب یہ ہے کہ حیوان زندگی کے مادی درجہ میں شامل ہے۔ اس کے برعکس انسان اپنے حیوانی جسم کی جبلتی خواہشات کا معلول بننے سے انکار کر دیتا ہے یا ان پر روک لگا دیتا ہے۔ اس طرح حیوانی نفس پر انسان کی نہ صرف ایک الگ حیثیت سے برتری ظاہر ہوتی ہے بلکہ اس سے انسان کی جدا اور آزادانہ حقیقت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ صرف حیوانی مرحلۂ تخلیق پر ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے کے تمام تخلیقی مراحل پر بھی زندگی علت و معلول کی قید و بند میں رہ کر حرکت کرتی ہے۔ گویا علت ایسے ہی ہے جیسے کہ زندگی سو رہی ہو اور اسے دھکیل کر عمل کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ لیکن کائنات میں یہ ایک عجوبہ اور منفرد چیز ہے کہ انسان کسی بھی علت کا معلول بننے سے انکار کر سکتا ہے۔ اگر کوئی علت اس کے سامنے آتی ہے تو وہ یا تو اس کو رد کر سکتا ہے یا پھر اس کو کسی دوسری علت کیلئے ملتوی کر دیتا ہے۔ یہ آزادانہ چناؤ انسان کے الگ تھلگ وجود پر دلالت

Marfat.com

کرتا ہے گویا انسان ایک ایسی آزاد حقیقت ہے جو اگر معلول بننا بھی چاہے تو وہ اس کیلئے علت کو خود منتخب کرتا ہے۔ مثلاً اگر کسی حیوان کو خوراک کی خواہش ہے تو وہ فوراً اس کی طرف لپکتا ہے لیکن انسان اگر چاہے تو وہ اس خواہش کو فی الفور پورا کرنے کی بجائے کسی اور وقت پر ملتوی کر سکتا ہے اور پھر کسی اور وقت کا انتخاب بھی انسان خود کرتا ہے اس طرح انسان ایک تو جبلت کا معلول بننے سے انکار کر دیتا ہے اور اگر اس کا معلول بننا پسند بھی کرتا ہے تو ایسا وہ اپنی مرضی سے ہی کرتا ہے۔ یعنی وہ جس جبلت کا معلول بننا پسند کرتا ہے اس کو بھی وہ خود ہی متعین کرتا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ہمیں کائنات کے اندر کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ جہاں زندگی کائنات کے مقابل اس طرح منفرد اور آزاد حیثیت سے عمل کرتی ہو۔

یہ حقیقت کہ خود شعوری یا اس کا ذہنی جسم حیوانی نفس یا حیوانی جسم سے الگ رہتا ہے اس کا مزید ثبوت ہمیں اس بات سے بھی ملتا ہے کہ جب کہ حیوانی جسم کے خلیات ہر آن بدلتے رہتے ہیں اور اس کی طبعی عمر کے دوران کئی دفعہ مکمل طور پر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ انسان کے تصورات اور فکر و عمل بدستور ایک حقیقت کے طور پر غیر متبدل یعنی محفوظ رہتے ہیں۔ حیوانی جسم کے اندر ان تبدیلیوں کے باوجود جن کی وجہ سے حیوانی جسم بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی حالتوں سے گزرتا ہے۔ انسانی شخصیت، اس کے اعمال اور تصورات کا محفوظ رہنا اس بات کی شہادت ہے کہ انسان حیوانی جسم سے الگ وجود رکھتا ہے

تمام جسمانی تکالیف نفسی تکالیف ہوتی ہیں اور اسی طرح جسمانی

Marfat.com

لذتیں بھی نفسی یا مادی لذتیں ہوتی ہیں لیکن ان جسمانی لذات اور تکالیف کے علاوہ انسان میں لذتوں اور تکلیفوں کے ایسے الگ پیمانے بھی ہیں۔ جن سے حیوانی نفس قطعاً واقف نہیں۔ مثلاً انسان کا اپنے تصورِ حیات میں ناکام ہونا یا معاشرے کے اندر اس کی ذات یا شخصیت کا عدم احترام جسمانی نہیں بلکہ شعوری یا ذہنی قسم کی تکالیف ہیں جن سے حیوان بے خبر ہوتا ہے۔ اسی طرح حسن و محبت کی کشش، کامیابی اور خوشی کے عواطف، خاص کر عشق و محبت کے اندر خوشی و مسرّت اور جدائی کی کسک وغیرہ زندگی کی خوشی اور مسرت کے ایسے پیمانے ہیں جن کی کھل کر نمود صرف انسان میں ہوتی ہے۔ حیوان ان روحانی عواطف سے بالکل بے خبر ہے بلکہ وہ ان کا تصور کرنے سے بھی قاصر ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خود شعوری کے رجحانات اور اس کی شعوری اقدار حیوانی نفسی خواہشات اور رجحانات سے یکسر بلند، اعلیٰ اور مختلف نوعیت کی ہیں۔

حیوان اپنی جبلی خواہشات سے باہر نکل کر کائنات کا ادراک نہیں کر سکتا لیکن انسان کی خود شعوری کائنات کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے اور ایک الگ حقیقت کے طور پر ابدی حقائق کو معلوم کرتی ہے۔ ابدی حقائق کو معلوم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ابدی اقدار کا ادراک رکھتا ہے۔ اگر انسان ابدی اقدار کا ادراک نہ رکھتا تو وہ کائنات سے اپنی اس الگ اور انفرادی حیثیت سے کبھی بھی باہر نہیں آ سکتا تھا۔ لہٰذا اس سے ہمیں اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ خود شعوری کے اندر ابدی حقائق کی روشنی موجود ہے۔ ابدی حقائق کی روشنی کے موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی

Marfat.com

خود شعوری حقیقت سے آگاہ ہے۔ اسی آگہی کا نام ذات یا شخصیت ہے حیوان اپنی ذات یا شخصیت سے ناواقف ہے۔ وہ محض ایک نفس یا تنظیمی حالت ہے جو اپنے آپ سے واقف نہیں۔

انسان کا حیوانی جسم یا نفس ایک حد تک بڑھ کر اپنی دماغی اور جسمانی تکمیل کر لیتا ہے۔ اس کے بعد اس کا بڑھنا بند ہو جاتا ہے لیکن انسان کا ذہنی جسم آزادانہ طور پر ترقی کرتا رہتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان حیوانی نفس سے الگ ذہنی وجود کے مرحلہ میں رہتا ہے۔

دماغ ایک مادی اکائی ہے جو جسم حیوانی میں بصورتِ تنظیم نفس کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے لیکن اس کے مقابل انسانی خود شعوری کی سطح پر جسے ہم ذہن کہتے ہیں وہ غیر مادی اکائی ہے۔ ذہن کی غذا علم ہوتی ہے اور دماغ کی کیمیاوی مرکبات، علم ایک غیر مادی حقیقت ہے جب کہ کیمیاوی مرکبات جو دماغ یا نفسِ حیوانی کی غذا بنتے ہیں مادی مجموعے ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذہن اور دماغ کی خاصیتوں میں زبردست فرق ہے۔ دماغ جس کے نتیجہ میں نفس پیدا ہوتا ہے اگر وہ مادی اکائی ہے تو ذہن غیر مادی اکائی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفس جب کہ زندگی کی مادی حالت ہے تو روح غیر مادی حالت ہے۔

حیوانی جسم محض ایک مقررہ حد تک بڑھتا ہے اس کے بعد اس کا وظیفہ محض جبلی خواہشات کی تسکین اور تشفی ہوتا ہے۔ ہر جبلت حیوانی جسم کے اندر

Marfat.com

ایک الگ دباؤ رکھتی ہے اور یہ دباؤ براہِ راست نفس پر پڑتا ہے۔ نفس کی حیثیت محض ایک معمول کی ہوتی ہے جو جبلت کے دباؤ سے حرکت یا عمل کرتا ہے اور جب تک وہ جبلت کی تکمیل نہیں کر لیتا وہ اس حرکت یا عمل کو جاری رکھتا ہے۔ مثلاً بھوک، پیاس، جنسی، خوف، فرار، بچوں کی محبت، وغیرہ ایسی جبلتیں ہیں جو الگ الگ اپنے اظہار کے لئے نفس پر دباؤ ڈالتی رہتی ہیں۔ مجموعی حیثیت سے ان سب جبلتوں کا مقصد بہر حال ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حیوانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی کی اپنی شعوری اقدار کی حفاظت ہے۔ اگر یہ حیوانی جبلتیں جو الگ الگ اپنے فرائض سے منسلک رہتی ہیں کسی وجہ سے کمزور پڑ جائیں تو حیوانی نفس بھی کمزور پڑ جائے گا۔ گویا حیوانی جبلتیں اور نفس ایک ایسی تنظیمی حالت ہے۔ جو ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ نفس اگر کسی جبلت کی تسلی کر دیتا ہے۔ تو اس کو مادی لذت کا صلہ ملتا ہے اور اگر وہ کسی جبلت کی تشفی کرنے سے قاصر رہتا ہے تو جبلت اس پر دباؤ ڈالے رکھتی ہے اور اس طرح نفس جسمانی ہیجان میں مبتلا رہتا ہے۔ گویا نفس کی جنت یا دوزخ یا اس کی لذت یا دکھ مادی لذت یا مادی تکالیف تک محدود ہوتی ہے۔ جنسی لذت ہو یا خوراک کی لذت ہو، لذت ہمیشہ مادی حد تک یعنی اِن جبلتوں کے دورانِ عمل تک رہتی ہے۔ گویا لذتوں اور تکلیفوں کا تعلق زندگی کی مادی حالتوں یعنی جسم سے ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہی ہے کہ حیوانی مرحلۂ تخلیق تک زندگی کی شعوری اقدار کا مقصد محض اپنی حفاظت کرنا ہے حیوان کی لذت یا تکلیف کا معیار اِسی بات پر منحصر ہے کہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت اور جبلتوں کی تشفی کرنے میں کس حد تک کامیاب یا ناکام ہے۔ ہر جبلت اپنی تکمیل کے صلہ میں

Marfat.com

نفس کو ایک خاص مادی لذت بہم پہنچاتی ہے اور ہر جبلت کی لذت کا معیار الگ ہوتا ہے۔ مثلاً وہ جبلتیں جن کا زندگی کی حفاظت سے گہرا تعلق ہے ان میں نفس کے لئے مادی لذت زیادہ رکھ دی گئی ہے۔ مثلاً جنسی جبلت یا کھانے پینے کی جبلت کا زندگی کی حفاظت سے چونکہ گہرا اور قریبی تعلق ہے۔ لہٰذا ان جبلتوں کی تکمیل کے اندر نفس کو مادی لذت کی صورت میں زیادہ بہتر صلہ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر نفس کسی جبلت کو پورا کرنے سے قاصر رہتا ہے خواہ اس کی وجہ بیرونی حالات ہی کیوں نہ ہوں تو اس کا بدلہ اسے جسمانی تکالیف کی مادی صورت میں ملتا ہے اس تکلیف کی کمی بیشی کا انحصار بھی اس بات پر ہوتا ہے کہ کوئی خاص جبلت جس کی تکمیل کرنے سے نفس قاصر رہا ہے اس کا زندگی کی حفاظت سے کتنا دوری یا نزدیکی کا تعلق ہے۔ اس سے بھی زیادہ تکلیف کا سامنا نفس کو اس وقت کرنا پڑتا ہے جب اس کے اندر کوئی خرابی یا ٹوٹ پھوٹ پیدا ہو جائے یا اس کو کوئی بیرونی چوٹ وغیرہ لگ جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں زندگی کو فی الفور خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ لہٰذا شدید خطرے کی نوعیت کی مناسبت سے جسم نفس کو جس مادی سگنل سے آگاہ کرتا ہے وہ جسم کی شدید مادی تکالیف کی صورت اختیار کرتا ہے تاکہ نفس اپنی پوری اور فی الفور توجہ اپنے آپ کو بچانے پر لگا سکے۔ اس طرح جبلتیں نفس کو سگنل کے ذریعہ اپنی ضروریات کے پورا کرنے کی طرف مائل کرتی رہتی ہیں۔ یہ سگنل نفس کے لئے گویا اس کی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ نفس بہر حال ان ذمہ داریوں سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ جبلتیں جب تک اپنی تکمیل حاصل نہیں کرتیں وہ بدستور ان سگنل کے اندر سختی پیدا کئے جاتی ہیں۔ مثلاً بھوک پیاس کی جبلت یا پھر جنسی یا کوئی اور جبلت جس کا

Marfat.com

زندگی کے تحفظ سے گہرا تعلق ہو وہ نفس پر اپنی ضرورت کے احساس کو بدستور سختی سے آگاہ کرتی رہتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کے اندر خیال یا سوچ نہیں ہوتی اس کو تو ہانکا جاتا ہے۔ بہرحال حیوانی نفس محض لذت یا تکلیف کی زبان سمجھتا ہے۔ لذت نہایت قلیل عرصہ تک یعنی جبلت کی تکمیل کے دوران عمل تک رہتی ہے اور اسی طرح تکلیف بھی نفس کی برداشت کی حد تک محدود ہوتی ہے۔ گویا حیوانی نفس یا زندگی کے خوشی وغم کا معیار محض ان مادی لذتوں یا تکلیفوں تک محدود ہوتا ہے اسے انسان کی طرح خوشی و مسرت یا رنج وغم کا کبھی احساس نہیں ہوتا۔

خوشی مسرت، رنج یا فکر وغیرہ کا تعلق ذات یا شخصیت کے ساتھ ابھرتا ہے اور لذت و تکلیف کے مقابلہ میں ان کی نوعیت غیر مادی یعنی ذہنی یا روحانی ہوتی ہے جن کا جسم یا نفس کی جبلی لذتوں یا جسمانی تکلیفوں سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شخصیت یا ذات جسے ہم خود شعوری بھی کہتے ہیں وہ حقیقتِ کائنات سے آگاہ ہونے کی وجہ سے زندگی کی مادی حالتوں سے نکل کر اپنے روحانی مقصد کی طرف بڑھتی ہے۔ اگر خود شعوری اپنے مقصد کی طرف بڑھتے ہوئے کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے تو وہ اس کے لئے مسرت وخوشی کا باعث بنتی ہے اور اگر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہتی ہے۔ تو اس کے لئے رنج وپریشانی کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح فکر وغم اور خوف کا تعلق بھی انسانی زندگی یعنی خود شعوری کی اقدار سے ہے اور یہاں بھی خوشی یا غم کا باعث خود شعوری کا اپنے مقصد میں کامیابی یا ناکامی کا احساس ہوتا ہے۔ یاد رہے انسان کا ہر عمل خود شعوری کا عمل ہوتا ہے اور خود شعوری اپنے

Marfat.com

آئیڈیل کا کوئی نہ کوئی تصور رکھتی ہے۔ خواہ یہ آئیڈیل یا مقصد کتنا ہی غلط ہو یا صحیح ہو۔ ادنےٰ ہو یا اعلےٰ ہو خودشعوری بہر کیف اپنی زندگی کا اپنی شعوری سطح کے مطابق کوئی نہ کوئی مقصد ضرور رکھتی ہے اگر خود شعوری کوئی آئیڈیل یا مقصد نہ رکھتی ہو تو وہ نہ تو خودشعوری کے مرحلہ پر رہ سکتی ہے اور نہ ہی اپنی ذات یا شخصیت کی حامل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ہر انسانی عمل انسان کے مقصد یا آئیڈیل کے تحت اٹھتا ہے اور اسے اپنے تمام اعمال کا خود علم ہوتا ہے۔

اب اگر ہم لذت کے مقابل خوشی و مسرت اور اسی طرح تکلیف کے مقابلہ میں فکر و غم یا پریشانی کی اقدار پر غور کریں تو ہمیں معاً یہ صاف نظر آئے گا کہ جب کہ لذت یا تکلیف کا تعلق زندگی کی مادی حالتوں سے ہے تو خوشی اور غم یا پریشانی کا تعلق زندگی کی روحانی قدروں سے ہے۔ جس طرح لذت، خوشی کی نہایت گھٹیا قسم ہے اسی طرح جسمانی تکلیف ذہنی یا روحانی تکلیف کے مقابل گھٹیا قسم کی ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسانی خودشعوری کی خوشی و مسرت اور فکر و غم کے معیار اور حیوانی لذت اور تکلیف کے معیار میں محض درجہ کا فرق نہیں بلکہ یہ دونوں اپنی اپنی نوعیت میں شعور یا زندگی کی الگ الگ اقدار سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک کی نوعیت اگر جسمانی اور مادی ہے تو دوسرے کی روحانی اور ذہنی ہے اور ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

اِسی طرح اگر ہم حیوانی مرحلۂ تخلیق کی شعوری اقدار یعنی حواسِ خمسہ اور

Marfat.com

انسانی خود شعوری کی اقدار یعنی، برھان، استدلال، تصور، بصیرت، تفکر، وغیرہ پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی شعوری اقدار کا تعلق جسم کی مادی سطح تک محدود ہے۔ انسانی شعوری اقدار کے مقابل نفسِ حیوانی کی یہ شعوری اقدار ایسے ہی ہیں جیسے کہ مادی لذت کے مقابل انسان کی خوشی اور مسرت کی قدریں ہیں۔ جس طرح مادی لذت محض ایک عمل کے کر گزرنے تک محدود ہوتی ہے جب کہ انسانی خوشی و مسرت کی حد دو بے پایاں ہوتی ہیں اسی طرح حیوانی شعوری اقدار یعنی حواسِ خمسہ زندگی کی محض مادی حالتوں تک محدود ہیں اور وہ ان سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ لیکن ان کے مقابل انسانی خود شعوری کی اقدار یعنی استدلال برھان، ذہانت، تصور، خیالات، بصیرت، تفکر وغیرہ اپنی نوعیت میں غیر مادی ہونے کی وجہ سے زندگی کی مادی حالتوں سے نکل کر ایک الگ حیثیت سے اپنے مرحلہ کا آغاز کرتی ہیں۔ انسان کی ان خود شعوری اقدار کا پھیلاؤ تمام کائنات پر محیط ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسانی خود شعوری کی اقدار کی حیوانی شعوری اقدار یعنی حواسِ خمسہ کے مقابل وہی اعلیٰ حیثیت ہے جو حیوانی جسم کی مادی لذت کے مقابل انسانی خود شعوری کی مسرت یا خوشی کی ہے۔

حواسِ خمسہ جب کہ زندگی کی مادی یا مقید شعوری حالتوں کو ظاہر کرتے ہیں یعنی ان سے محض زندگی کی مادی حالتوں کا پتہ چل سکتا ہے تو انسان اپنی خود شعوری کی نئی قدروں یعنی تفکر، بصیرت، استدلال، برھان وغیرہ کے تحت نہ صرف تمام کائنات بلکہ اپنے حیوانی یا نفسی جسم سے بھی اپنے آپ کو باہر منعکس کر کے اپنی اور کائنات کی حقیقت کو زیادہ سے زیادہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

Marfat.com

ہم مندرجہ بالا سطور سے جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب کہ حیوانی شعوری اقدار یعنی حواسِ خمسہ زندگی کی مادی حالتوں کو بیان کرتی ہیں۔ انسانی خودشعوری کی اقدار جو اپنی نوعیت میں غیر مادی ہیں" کائنات کی مادی حالتوں سے باہر نکل کر حقیقت کی تلاش کرتی ہیں۔ اشیاء کا دیکھنا، سننا، سونگھنا وغیرہ شعور کی گھٹیا حالت ہے اور اس کا دائرہ عمل زندگی کی مجموعی حقیقت پر حاوی نہیں ہوتا بلکہ محض زندگی کی الگ الگ مادی حالتوں تک محدود رہتا ہے لہٰذا حیوان کا جسم ہو یا انسان کا حیوانی جسم ہو وہ زندگی کی اِن حیوانی یا مادی قدروں سے باہر نہیں جھانک سکتا۔ البتہ انسانی خودشعوری کی قدریں جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ غیر مادی ہونے کی وجہ سے کائنات سے باہر جھانک کر حقیقت کی تلاش میں رہتی ہیں۔ مختصراً یہ کہ انسان کی خودشعوری جب کائنات کے اندر جھانکتی ہے تو اس کا مقصد مادی کائنات میں اپنے مقام کو متعین کرنا ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ حیوانی مادی حواس سے مدد لیتی ہے اور جب وہ کائنات سے باہر نکل کر جھانکتی ہے تو اس کا مقصد اپنے خالق کی تلاش کرنا ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ اپنی خودشعوری کی اقدار یعنی تفکر، بصیرت، استدلال برہان وغیرہ سے مدد لیتی ہے۔ حیوانی شعوری اقدار کی حقیقت جب کہ محض ایک عارضی بنیاد کی سی ہے تو انسان شعوری اقدار کی حیثیت مقصود بالذات ہے۔ کیونکہ اس کا سرچشمہ انسان کی خودشعوری ہے جس کا براہِ راست تعلق حقیقت سے ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ انسان حیوانی دنیا سے الگ ایک کائناتی ہستی کا مالک ہے۔ حیوان اور انسان میں محض درجہ کا فرق نہیں بلکہ انسان

Marfat.com

ایک علیحدہ اور منفرد قسم ہے۔ حیوانی مرحلۂ تخلیق کے بعد زندگی نے انسان میں ایک ایسی جست لی جو حیوان کبھی نہیں پاٹ سکتا۔ اب اگر ہم اس فکر کے تحت جس کا اس کتاب میں جا بجا ذکر کیا گیا ہے غور کریں تو ہم پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حیوانی مرحلۂ تخلیق کی تکمیل پر زندگی جب انسانی مرحلۂ تخلیق میں ظہور پاتی ہے تو حیوانی جسم میں نہیں بلکہ اپنے الگ جسم میں اپنے مرحلہ کا آغاز کرتی ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ حیوانی مرحلۂ تخلیق سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ یہاں اگر یہ کہا جائے کہ انسانی خود شعوری محض حیوانی مرحلہ کے شعور کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ مثلاً جیسا کہ عام طور پر انسان کو حیوانِ ناطق کہہ کر پکارا جاتا ہے تو یہ بھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ہماری فکر اور تخلیقِ کائنات کے اس بڑے اصول کے خلاف ہے جو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ کسی مرحلہ پر زندگی کے بڑھنے یا تخلیق پلٹنے کے دروازے اس وقت تک بند نہیں ہوتے جب تک کہ تخلیق اس مرحلہ کی تمام ممکنہ اقدار حاصل نہیں کر لیتی۔ لہٰذا اس اصول کے پیشِ نظر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ انسانی مرحلۂ تخلیق اس وقت ظہور میں آیا جب حیوانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی نے حیوانی زندگی کی تمام شعوری اقدار کی تکمیل حاصل کر لی تھی۔ لہٰذا انسانی خود شعوری کو ہم حیوانی مرحلۂ تخلیق کی ترقی یافتہ صورت نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ اپنی نوع اور قسم میں تمام کائنات کے اندر اپنی انفرادی حقیقت رکھتی ہے۔

جیسا کہ ہم اس کا ذکر پہلے بھی کئی بار کر چکے ہیں۔ تخلیقی مراحل پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زندگی جب بھی نئی اقدار اور رجحانات کے ساتھ کسی مرحلہ پر ظہور کرتی ہے تو وہ اپنے ساتھ اپنی شعوری اقدار کے مطابق الگ

Marfat.com

جسم کی تشکیل بھی کرتی ہے بلکہ وہ اپنا ظہور ہی الگ جسم کے اندر کرتی ہے کیونکہ اس کی نئی قدریں اور رجحانات دونوں ایک ساتھ کبھی نہیں چل سکتیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر نئی قدریں سابقہ قدروں کے ساتھ رہتی ہیں تو زندگی کی نئی قدروں یا رجحانات کا ظہور میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر انسانی زندگی یا شعور کی قدریں حیوانی مرحلہ پر زندگی کی نفسی شعوری قدروں سے ہٹ کر الگ اور منفرد رجحان رکھتی ہیں تو لامحالہ وہ حیوانی یا نفسی جسم میں ظاہر نہیں ہوں گی بلکہ وہ اپنی نئی شعوری اقدار یا زندگی کی نئی روشنی کے تحت اپنا وجود بھی الگ لے کر آئیں گی۔ چنانچہ جیسا کہ ہم اوپر تفصیلاً بیان کر چکے ہیں انسانی شعوری اقدار اور رجحانات چونکہ حیوانی شعوری اقدار کی نسبت یکسر الگ اور اپنی نوعیت میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں لہٰذا تخلیق کائنات کے اس اصول کے مطابق جس کا ہم نے ذکر کیا ہے انسان، حیوانی جسم یا نفس سے الگ رہ کر اپنی خود شعوری کے مرحلہ کا آغاز اپنے ذہنی جسم میں کرتا ہے۔

ہماری اس گفتگو کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ انسانی خود شعوری کا مرحلۂ تخلیق اپنی شعوری اقدار اور رجحانات کے اعتبار سے حیوانی مرحلۂ تخلیق یا حیوانی نفس کی اقدار اور رجحانات سے ہٹ کر ایک الگ مرحلہ کی حیثیت سے تخلیق پا رہا ہے اب اگر مندرجہ بالا تشریح سے یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کہ انسانی خود شعوری کا مرحلۂ تخلیق اپنی الگ حقیقت رکھتا ہے تو ہمیں اپنے زیر نظر مضمون یعنی موت و حیات ایسے دقیق مسئلہ کو جو کہ اب تک انسان کے لئے معمہ بنا رہا ہے سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں از سر نو تخلیق کائنات کے مختلف مراحل پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔ تخلیقِ کائنات کے ان مختلف مراحل کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں تخلیق کے اندر ایک

Marfat.com

بڑے اصول کا پتہ چلتا ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ ہر مرحلۂ تخلیق پر جب بھی زندگی اپنی نئی شعوری اقدار اور نئے وجود کے ساتھ داخل ہوتی ہے تو وہ اپنے مرحلہ کی اقدار کو اپنے اندر نہایت مضبوطی سے محفوظ رکھتی ہے۔ مثلاً اگر ہم طبعی قوانین کے مرحلۂ تخلیق کو لیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ اس مرحلۂ تخلیق کی تمام شعوری قدریں جو طبعی قوانین کی صورت میں ظہور میں آئی تھیں وہ اس مرحلہ کے اندر علت و معلول کے رشتہ میں نہایت مضبوطی سے محفوظ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عمل میں سرِ مو فرق نہیں آتا۔ اس کے بعد نباتاتی مرحلۂ تخلیق پر زندگی بلحاظِ نوع اپنے مرحلہ کی اقدار کا تحفظ بذریعہ بیج کرتی ہے اس مرحلہ پر زندگی اپنی شعوری اور جسمانی یعنی رجحان اور عمل ہر دو اقدار کو بیج کی مادی صورت میں محفوظ کر لیتی ہے اور بیج کے اندر یہ قدریں علت و معلول کی ترتیب سے سموئی رہتی ہیں جن کا مقصد مرحلہ کی مجموعی اقدار کے تحت نباتاتی زندگی کی شعوری اقدار کو ایک ضابطہ یا ترتیب کے اندر محفوظ کر کے سلسلۂ حیات کو جاری رکھنا ہوتا ہے۔ حیوانی مرحلۂ تخلیق پر بھی زندگی اپنی شعوری اقدار کو بلحاظ نوع محفوظ رکھتی ہے تاہم اس مرحلہ پر زندگی کی شعوری اقدار چونکہ ایک تنظیمی شکل اختیار کر لیتی ہیں، جس میں نفس بطور مرکزہ ہونے کے سبب محض معلول کی حیثیت سے عمل کرتا ہے لہٰذا طبعی و نباتاتی مراحل پر زندگی کی شعوری اقدار کی نسبت، جہاں پر شعوری عمل علت و معلول کے ذریعہ سرزد ہوتا ہے، حیوانی مرحلہ پر زندگی اپنی مرکزی تنظیم کی وجہ سے علت و معلول کی مادی حالتوں سے کافی حد تک آزاد ہوتی ہے اس مرحلہ پر زندگی اپنی نوعی اقدار کو بذریعہ جرثومہ محفوظ رکھتی ہے۔

اسی طرح انسانی مرحلۂ تخلیق بھی چونکہ الگ مرحلہ ہے لہٰذا یہ بھی اپنی اقدار کو افراد کی خود شعوری کے اندر یعنی اس کی ذات یا شخصیت میں محفوظ رکھتا ہے۔

Marfat.com

یہاں قابلِ غور چیز یہ ہے کہ انسانی مرحلہ تخلیق سے ماقبل جتنے بھی تخلیقی مراحل ہیں وہاں شعوری اقدار کا تحفظ انسان کی طرح ذاتی نہیں بلکہ نوعی قسم کا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اِن مراحل پر زندگی اپنے آپ یعنی اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں تھی۔ لہٰذا وہ اپنی اقدار کو انواع کی سطح پر محفوظ رکھتی تھی۔ مثلاً اگر آم کا درخت ہے تو آم کے درخت کی انفرادی حیثیت محض نوعی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آم کا درخت ہو یا گلاب کا پودا ہو ان کو الگ سے اپنی انفرادی حقیقت یا ذات کا علم نہیں ہوتا بلکہ ایک طرح سے وہ محض علت و معلول کی میکنکی سطح پر عمل کرتے ہیں البتہ وہ اپنے مرحلہ کی زندگی کے رجحانات کو برقرار رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ بطورِ نوع اپنی اپنی قدروں کے ساتھ سختی سے چمٹے رہتے ہیں۔ یہی کیفیت حیوانی مرحلۂ تخلیق کی ہے۔ حیوانی مرحلہ بھی اپنی شعوری اقدار کی مجموعی حفاظت بطریقِ انواعِ حیوانات کرتا ہے جہاں حیوان کی انفرادی حیثیت محض حیوان کی نوعی اقدار کے تحفظ تک محدود ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی گھوڑا ہے تو وہ اپنی ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی نوعی قدروں کی حیثیت سے حیوانی شعوری اقدار کا تحفظ کرتا ہے یا اسی طرح اگر کوئی اور جاندار مثلاً بھیڑ یا بکری ہے تو وہ بھی اپنی انفرادی یعنی ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ نوعی حیثیت سے جس حد تک وہ حیوانی شعوری اقدار یا رجحان کی حامل ہے ان کا مضبوطی سے تحفظ کرتی ہے اس کی وجہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے۔ یہی ہے کہ حیوانی مرحلۂ تخلیق تک زندگی کو اپنی ذات یا حقیقت کا علم ہی نہیں تھا۔ اس کی شعوری اقدار بحیثیت نوع زندگی کی مادی حالتوں تک گھری ہوئی تھیں۔

لیکن اِن مراحل پر زندگی کے نوعی تحفظ کے مقابل جب ہم انسانی خودشعوری کے مرحلۂ تخلیق پر زندگی کی اقدار کے تحفظ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے کہ اس مرحلہ پر شعوری اقدار کا تحفظ نوعی نہیں بلکہ ذاتی یا شخصی نوعیت کا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ خودشعوری کے لفظ سے ظاہر ہے یہ ہے کہ انسانی مرحلہ پر زندگی اپنے آپ سے آگاہ ہو جاتی ہے انسانی مرحلۂ تخلیق سے ماقبل جتنے بھی مراحلِ زندگی ہیں وہ اگرچہ انسان کی خودشعوری ہی کے تخلیقی مراحل تھے تاہم وہ ابتدائی حالتوں سے چل کر مقصد کی طرف بڑھتے رہے ہیں ان مراحل پر زندگی کا اپنے آپ یا اپنے مقصد سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اندر اپنی ذات یا شخصیت کا احساس پیدا نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا وہ خالق کے عملِ تخلیق کے تحت محض لاشعوری طور پر مقصد کی طرف بڑھتی رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ کائنات کی تخلیق انسان ہی کی تخلیق تھی لہٰذا زندگی جب انسانی مرحلۂ تخلیق میں داخل ہوتی ہے تو پہلی دفعہ وہ اپنے مقصد کی جھلک یعنی حقیقت سے آگہی پا کر اپنی حقیقت یا ذات کو پہچاننے لگتی ہے سچ تو یہ ہے کہ زندگی خواہ وہ کسی مرحلۂ تخلیق پر بھی کیوں نہ ہو ایک مقصد ہونے کی وجہ سے وحدت یا کل میں تخلیق پاتی رہی ہے ۔لیکن اسی زندگی کے انسانی مرحلۂ تخلیق میں پہنچنے پر جب اس کے اندر اپنے مقصد کی نشاندہی ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی ذات کے اندر حقیقت کے منعکس ہو جانے سے اس کے اندر استحکام پیدا ہو جاتا ہے اس طرح انسانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی کی بنیادی شعوری اقدار' اس کا اپنی حقیقت کو پہچان لینا ہے اور اس پہچان کا مطلب ذات یا شخصیت کا پیدا ہو جانا ہے۔ لہٰذا انسانی مرحلہ پر زندگی اپنے مرحلہ کی اقدار کا تحفظ افراد کی خودشعوری یعنی ان کے ذاتی فکر و عمل اور تصورات کے اندر کرتی ہے۔ گویا نباتی یا حیوانی مراحل تخلیق کی طرح جہاں زندگی اپنا تحفظ بیج یا جرم کے اندر منتقل ہو کر کرتی ہے۔ انسانی

Marfat.com

مرحلۂ تخلیق پر زندگی چونکہ نوعی نہیں بلکہ ذاتی ہوتی ہے لہٰذا وہ آگے بڑھنے کے لیے بیج یا جرم کی طرح منتقل نہیں ہو سکتی۔ البتہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر خود شعوری کیونکہ جسمانی طور پر نہیں بلکہ ذہنی یا روحانی طور پر اپنی نشو و نما پاتی ہے اور چونکہ ہر انسان کی خود شعوری کا تقاضا ایک ہے یعنی اپنے مقصد اور اپنے آپ کی تلاش۔ لہٰذا انسان اپنی اس خود شعوری کے دباؤ کے تحت جو علم بھی حاصل کرتا ہے اس سے نہ صرف وہ اپنے ذہن کو خوراک مہیا کرتا ہے بلکہ اس خوراک کو ذہنی طور پر دوسرے افراد کو منتقل بھی کرتا رہتا ہے۔ اس کی شکل انسان کا ایک دوسرے کو اپنے خیالات اور تصورات سے آگاہ کرتے رہنا ہوتا ہے یہ کام تعلیم و تربیت کے اداروں، ریسرچ سنٹروں اور مختلف قسم کے سیمینار یعنی بحث و مباحثہ کے علاوہ قلم کے ذریعہ سرانجام پاتا ہے۔ انسان کی خود شعوری کے اس دباؤ کا تقاضا ہے کہ افراد آپس میں مل جل کر اپنے ذہن کی نشو و نما یا اس کی جلا کرتے رہیں۔ لیکن یاد رہے کہ خود شعوری کے اس عمل کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان اس ذہنی علم کے حصول یا علم کے منتقل کرنے کے ساتھ اپنی ذات یا شخصیت کو بھی منتقل کر دیتے ہیں۔ بلکہ اس کا مقصد تو انسان کی ذات کو علم کی غذا بہم پہنچا کر اور مضبوط کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے۔ ذات یا شخصیت ناقابلِ انتقال ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ذاتی فکر و عمل کو اس کی ذات یا شعور سے الگ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم فکر و عمل کو اس کی ذات یا شعور سے الگ کر دیں تو فکر و عمل کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی۔ لہٰذا ایسی صورت میں زندگی کا خود شعوری کے مرحلہ پر رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سچ تو یہ ہے کہ یہ مفروضہ ہی غلط ہے۔ ہم ذات یا شخصیت کو اس کے فکر و عمل سے الگ کر ہی نہیں سکتے۔ انسان کی خود شعوری اس بات کی شہادت ہے کہ انسان کے اندر

Marfat.com

حقیقت کی پہچان پیدا ہو چکی ہے۔ حقیقت کی پہچان کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کو اپنی پہچان ہو گئی ہے، لہٰذا اُس کے اندر استحکام پیدا ہو جانے سے وہ نہ تو تغیر پذیر رہی ہے اور نہ ہی منتقل ہو سکتی ہے۔ مندرجہ بالا سطور سے ہم جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان کی خود شعوری زندگی کی ایسی حقیقت ہے جو اپنے مقصد یعنی ابدی حقیقت سے آگاہ ہونے کی وجہ سے کبھی فنا سے دوچار نہیں ہو سکتی۔ کائنات کے اندر تخلیق کا یہ عین اصول ہے کہ وہ اپنے مقصد کی طرف جیسے جیسے بڑھتی ہے اُس سے پیچھے نہیں ہٹتی اور پھر ہر تخلیقی مرحلہ کا بحیثیت مجموعی یہ اصول ہے کہ وہ اپنے مرحلہ کی شعوری اقدار کا مضبوطی سے تحفظ کرتا ہے لہٰذا خود شعوری کے مرحلہ تخلیق کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی تکمیل کے لئے افراد کی خود شعوری کو اپنے اندر محفوظ رکھے اور پھر انفرادی سطح پر انسان کی خود شعوری کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس کے اندر حقیقت کی نشان دہی موجود ہے۔ حقیقت کی نشان دہی موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے مقصد کو پہچان لینے پر موت خود فنا کا شکار ہو جاتی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حرکت یا موت کا سلسلہ ہی ایک تخلیقی عمل کا حصہ تھا، تاکہ زندگی بتدریج اس مقام تک پہنچ جائے جہاں اُسے اپنے مقصد یا حقیقت کی نشاندہی مل جائے۔

انسانی مرحلۂ تخلیق پر خود شعوری اپنا تحفظ انسانی ذہن میں محفوظ رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ جبکہ حیوانی جسم ہر آن تغیر پذیر رہتا ہے۔ انسان کی شخصیت یا ذات اپنی جگہ قائم رہتی ہے انسانی خود شعوری حیوانی نفس کے ساتھ اس کی بچپن کی حالت سے لے کر بڑھاپے کی حالت تک وابستہ رہنے کے باوجود اپنے فکر و عمل کو اپنے اندر محفوظ رکھتی ہے۔ اگر انسانی ذات میں استحکام نہ ہوتا تو وہ اپنے فکر و عمل کو اپنے اندر کبھی محفوظ نہ رکھ سکتی۔ ذات کے اندر استحکام کا مطلب ہی یہ ہے کہ زندگی اپنی حقیقت کا نشان پا چکی ہے۔ یہ حقیقت کہ انسان کی خود شعوری اپنے فکر و عمل کی حفاظت کرتی ہے اس کا ذکر فرائڈ نے اپنے نظریۂ لاشعوری میں

Marfat.com

خاص طور پر کیا ہے۔ ضمناً ہم یہاں پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ فرائڈ نے جس کو "لاشعور" کہا ہے وہ وہی ہے جسے ہم نے خودشعوری اور اُس کے ذہنی جسم کا نام دیا ہے اور جس کے اندر خودشعوری کے تمام فکر و عمل ہو بہو محفوظ رہتے ہیں۔ چنانچہ فرائڈ کہتا ہے کہ "لاشعور میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس سے مشابہت رکھتی ہو، اور ہمیں دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ فلسفی کا یہ دعوٰے کہ وقت اور فاصلہ ہمارے افعال کے لازمی عناصر ہیں۔ لاشعور کی دنیا میں غلط ہو جاتا ہے۔ لاشعور کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جو وقت کے تصور سے علاقہ رکھتی ہو لاشعور میں وقت کے گذرنے کا کوئی نشان نہیں اور یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے جس کے معنی سمجھنے کی طرف ابھی تک فلسفیوں نے پوری توجہ نہیں کی کہ وقت کے گذرنے سے لاشعور کے عمل میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ ایسی خواہشاتِ عمل جو شعور سے کبھی باہر نہیں آئیں بلکہ وہ ذہنی تاثرات بھی جنہیں روک کر لاشعور میں دبا دیا گیا ہو۔ لاشعور میں ہر لحاظ سے غیر فانی ہوتے ہیں اور سالہا سال تک اس طرح سے محفوظ رہتے ہیں گویا ابھی کل وجود میں آئے ہیں۔" فرائڈ کی اس حیرت کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ انسان کی خودشعوری حیوانی یا نفسی موت کے بعد ان اعمال کو اپنے ارتقار کے لئے کام میں لائے، اور جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں وقت اور فاصلہ کے قوانین صرف اس کائنات کے اندر رائج ہیں۔ اگر موت کے بعد کوئی اور دُنیا ہے تو وہ ان قوانین کے دائرہ عمل سے باہر ہے موجودہ زندگی میں ہمارا ہر شعوری فعل وقت اور فاصلہ کے قوانین کے مطابق سرزد ہوتا ہے لیکن اگر فرائڈ کے نتائج کے مطابق ہماری کوئی ذہنی زندگی ایسی ہے جو ان قوانین کی پابندی سے آزاد ہے تو اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ ہماری یہ زندگی موت کے بعد جاری رہے گی۔ انسان کی نفسی موت خود فاصلہ اور وقت کے قوانین کے عمل کا نتیجہ ہے اور چونکہ ہمارا ذہن ان قوانین کے عمل سے ماوراء ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ موت خودشعوری پر وارد نہیں ہوتی بلکہ جسدِ عنصری یعنی نفس پر وارد ہوتی ہے خودشعوری کا اعمال کو محفوظ رکھنا یہ ثابت کرتا ہے کہ ذہنی جسم کا نتیجہ نہیں کیونکہ جیسا کہ

Marfat.com

اُوپر کہا گیا ہے جسم کا ہر خلیہ تین سال کے بعد بدل جاتا ہے لیکن ذہن یا لاشعور کے دفترِ اعمال میں سالہا سال کے بعد بھی کوئی تغیّر یا کوئی دھندلا پن پیدا نہیں ہوتا۔

ہم اس گفتگو سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جب کہ نباتی مرحلۂ تخلیق پر زندگی بیج کی صورت یا پھر حیوانی مرحلہ پر جرثومہ کی صورت ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی رہی ہے لیکن انسانی مرحلہ پر انسان کی خود شعوری ناقابلِ انتقال ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نباتی یا حیوانی مراحلِ تخلیق پر زندگی خود اپنی ذات سے آگاہ نہ تھی لہٰذا زندگی اپنی انفرادی تنظیموں میں رہنے کے باوجود منتقل ہوتی رہتی تھی مثلاً نباتی مرحلہ پر کسی پودے کا بیج اس کا ہو بہو ہوتا ہے اور پھر حیوانی مرحلہ پر حیوانی بیج یعنی جرثومہ حیوان کی جبلی اور شعوری قدروں کا ہو بہو ہوتا ہے البتہ انسانی مرحلہ پر انسانی خود شعوری کا بیج جرثومہ نہیں بلکہ اس کی ذاتی شخصیت ہوتی ہے جس کے اندر اس کے ذہنی فکر و عمل اس طرح لپٹے رہتے ہیں جس طرح نباتی مرحلہ پر بیج کے اندر برگ و بار شخصیت اپنے فکر و عمل کے ساتھ ایک یونٹ میں رہتی ہے اور پھر جیسا کہ اصولِ تخلیق ہمیں بتاتا ہے زندگی اپنا تحفظ خود کرتی ہے اور وہ اپنی قدروں کو کبھی ضائع نہیں کرتی۔ سوال یہ ہے کہ انسان سے پہلے مختلف مراحل پر زندگی کی جتنی حالتیں تھیں اُن کا مقصد انسان کی خود شعوری کی تکمیل ہی تو تھا۔ زندگی کے ان مراحل پر تغیّر و بدل اور پھر سلسلہ موت اس بات کی شہادت ہے کہ زندگی کے اس موت و حیات کے عمل کا مطلب اپنے مقصد کی تلاش اور اس کی طرف بڑھنا تھا لہٰذا وہ اپنی اس تکمیل یا مقصد کو پہنچنے سے پہلے خود ہی مستقل بالذات ہو کر آزادانہ طور پر الگ الگ حقیقتیں نہیں بن سکتی تھیں اس کو ہم عام لفظوں میں یوں کہیں گے کہ سابقہ مراحلِ زندگی گویا انسانی زندگی کی تعمیری حالتیں تھیں۔ لہٰذا جب زندگی انسان میں اپنی روحانی یا ذہنی صورت میں تکمیل کو پہنچتی ہے تو اپنی تکمیل کے مرحلہ پر پہنچ کر ایک حقیقت کے طور پر اُبھرتی ہے جس کے اندر مزید توڑ پھوڑ کی ضرورت نہیں رہتی۔ دوسرے لفظوں میں انسان نفسی جسم کی طبعی موت کے بعد ہرگز نہیں مرتا بلکہ حیوانی نفس کی یہ موت اُس کے لئے حقیقی اور ابدی کائنات میں پیدائش کا سبب بنتی ہے

Marfat.com

باب نمبر ۱۱

اخلاقیات

کسی مقصد تک پہنچنے کے لئے قواعد و ضوابط کا ہونا لازمی ہے کیونکہ جہاں قواعد و ضوابط نہیں ہوتے وہاں مقصد بھی نہیں ہوتا اور جہاں مقصد نہ ہو وہاں شعور اور زندگی بھی نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصد ہمیشہ شعور یا زندگی کا ہوتا ہے زندگی اپنے مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے جن قواعد و ضوابط کی پابندی کرتی ہے انہیں ہم اخلاقیات کا نام دیتے ہیں مقصد کے بغیر اخلاقیات کا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا جب ہم کائنات کی تخلیق پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہر مرحلہ تخلیق پر زندگی کو اپنی شعوری اقدار کی تکمیل یعنی مقصد تک پہنچنے کے لئے خاص قواعد و ضوابط کی سختی سے پابندی کرتے رہنا ضروری تھا لہٰذا یہ مقصد ہوتا ہے جو اخلاقیات کی قدروں کو متعین کرتا ہے۔ اب جب ہم انسانی مرحلہ تخلیق پر اخلاقیات کے متعلق غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان مختلف اخلاقی قدروں میں بٹا ہوا ہے انسان کا مختلف اخلاقی قدروں میں بٹنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ انسان زندگی کی ایک سطح پر رہتے ہوئے مختلف مقاصد رکھتا ہے یا دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کو اپنے صحیح مقصد کا علم نہیں کیونکہ صحیح مقصد صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ ایک سے زیادہ مقصد ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر انسان اپنے مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے ایک ضابطہ اخلاق کی پیروی کرتا ہے۔ اور اس طرح انسانوں کے درمیان اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ایک زبردست رسہ کشی اور نفرت کا جذبہ پیدا ہونا لازمی ہے۔ اب اگر ہم ایک مقصد سے

Marfat.com

ہٹ کر اخلاقی قدروں کا جائزہ لیں تو ہمیں اُن کا کچھ اس طرح تاثر ملتا ہے۔

۱۔ خدا کا تصور خیر محض کا تصور ہے لیکن آج تک یہ کوئی نہیں بتا سکا کہ بدی کہاں سے آئی ہے۔ خدا تو خیر بالذات ہے پھر شر نے کیوں جنم لیا اور پھر یہ کہ کیا خیر سے شر ممکن بھی ہے اگر نہیں تو پھر قدیم یونانیوں کی طرح ہمیں کئی خدا ماننا پڑیں گے۔ یا جیسے زرتشت نے یزدان اور اہرمن کا تصور قائم کیا تھا یعنی نیکی کا سرچشمہ یزدان اور بدی کا سرچشمہ اہرمن ہے ہمیں دو خداؤں کو ماننا پڑے گا۔ گویا اس طرح خدائے واحد کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ خدا ہی نے بدی کو جنم دیا ہے تو پھر ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ خدا خیر و شر کا مجموعہ ہے لہذا ایک نامکمل ذات ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر بدی کیونکر پیدا ہوئی۔

۲۔ عقلی لحاظ سے اخلاقی حس یا ضمیر کا تعلق آل کا رشعور سے ہوتا ہے کیونکہ فلاں چیز اچھی ہے یا بُری ہے کی توجیہہ عقل ہی کر سکتی ہے۔ لہذا اخلاقیات کی بنیاد منطق ہی ہو سکتی ہے۔

۳۔ بدی کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ بدی اپنی ظاہری صورت کی وجہ سے بدی نہیں ہوتی بلکہ اپنے جوہر کے حوالے سے بدی ہوتی ہے۔ مثلاً غلامی دورِ قدیم کی سیاہ نشانی ہے جس سے بڑی ناانصافی تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ بظاہر اگرچہ یہ ناانصافی اور بدی ختم ہو چکی ہے لیکن اس بدی نے محض اپنی ظاہری صورت بدلی ہے کیونکہ غلامی کی صورت، زرعی غلام اور صنعتی غلام میں ڈھل گئی ہے۔

۴۔ بدی سے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک متبدل اضافی اور منفی قدر ہے یعنی یہ کہ بُرے اعمال سے ماورا کوئی شے نہیں۔ اسی طرح خیر بھی ایک اضافی، متبدل مگر مثبت قدر ہے بنیادی طور پر انسان کی ساری ذہنی کیفیتیں پسند اور ناپسند کے مختلف درجات میں منقسم ہوتی ہیں ہو سکتا ہے کہ ایک فعل کے مقابلے میں ہمیں دوسرا فعل زیادہ پسند ہو اور یہی ہماری پسند اور ناپسند کی اضافیت ہے۔ مثلاً اگر کوئی دشمن کسی دوسرے ملک پر حملہ کرتا ہے اور اس سے اس ملک کے بسنے والے بہت سے شہری ہلاک ہو جاتے ہیں تو اس ملک کے بسنے والے لوگ دشمن کو

Marfat.com

شر پسند اور انسانیت کُشی کا مجرم ٹھہرائیں گے جبکہ دشمن اپنی افواج کو انعام و اکرام سے نوازے گا اسی طرح اگر کسی شہر میں مزدوروں پر گولی چلتی ہے تو سرمایہ دار اس واقعہ پر خوش ہوگا کہ مزدور اس سختی سے کام پر دوبارہ واپس آجائیں گے اور یوں پیداوار کا رُکا ہوا عمل جاری ہو جائے گا دوسری طرف مزدور اس فعل کو بدی کے طور پر لیں گے کیونکہ اُن کے مطابق سرمایہ داری ایک ناجائز وجود ہے۔ گویا ایک ہی فعل پر ایک ہی معاشرے اور ایک ہی شہر میں بسنے والے افراد میں سخت اختلاف موجود ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدی اپنے مخصوص حوالوں اور مفادات سے متعین ہوتی ہے۔

۵۔ اشتراکی یا کمیونسٹ ممالک کے لوگ اپنے آپ کو آزاد کہتے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام میں بسنے والے لوگوں کو غلام کہتے ہیں اور خود کو آزاد دنیا کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح سرمایہ دار کمیونسٹ ممالک میں بسنے والے افراد کو غلام کہتے ہیں اور خود کو آزاد دنیا کا نام دیتے ہیں جو عمل سرمایہ دارانہ نظام میں اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے کمیونسٹ نظام میں اُسے بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور اسی طرح جو کمیونسٹ نظام میں خیر ہے وہ سرمایہ دارانہ نظام میں شر ہے۔

۶۔ کہا جاتا ہے کہ نیکی اور بدی کا شعور آدمی کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اگر ایسا ہی ہے تو پھر نیکی اور بدی کے معیار ہر دور میں یکساں ہونے چاہییں۔ ہر دور میں بسنے والے افراد کو یکساں طور پر نیکی اور بدی کی تمیز کرنی چاہیئے۔ اور اس طرح کوئی اخلاقی جھگڑا رہنا ہی نہیں چاہیئے مگر اس کے باوجود روس کا انسان امریکہ کے انسان سے سو فی صد اُلٹ تصورات رکھتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نیکی اور بدی کا شعور ہر آدمی کی فطرت میں مختلف طور پر ودیعت کیا گیا ہے تو پھر نیکی اور بدی کا کوئی معیار بنانا ہی مشکل ہے۔ ہر کوئی اپنی فطرت کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہوگا، لہٰذا اس پر کوئی اخلاقی پابندی عائد نہیں ہونی چاہیئے۔

۷۔ بدی فطرت میں نہیں بلکہ انسانی سماج کی پیداوار ہے۔ شیطان استعارتاً تو آسمان سے آیا ہے لیکن اس کی اصل جائے پیدائش معاشرے کے غیر منصفانہ قوانین ہیں آگ فی نفسہٖ خیر

Marfat.com

ہے نہ شر، بلکہ انسانوں کے حق میں اُس کا استعمال خیر ہے مگر آتشیں بموں کی صورت ہیں یہ ایک شیطانی قوت بھی ہے۔ فطرت کے خزانوں کا دکھی انسانیت کے حق میں استعمال خیر ہے جبکہ دوسروں کی محنت کا استحصال بدی ہے۔

۸۔ کسی شہر یا قریہ کے اندر اس کے لوگوں میں نت آئے دن جھگڑا یا فساد کی وجہ سے تباہی مچ جائے تو ان لوگوں کو شیطانی سماج دشمن عناصر یا ظالم کہا جاتا ہے لیکن اگر اس تباہی کا باعث زلزلہ یا طوفان یا دوباراں ہو تو محض فطرت کی طرف سے حادثہ سمجھ کر کسی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاتا، اور اگر زلزلہ یا طوفان کے نتیجہ میں کوئی نیا خطہ زمین سمندر سے اُبھر آئے یا کسی پہاڑ کے اندر راستہ بن جائے تو اُسے فطرت کی طرف سے عطیہ سمجھا جائے گا۔

مندرجہ بالا سطور انسان کی اپنے مقصد سے لاعلمی کو ظاہر کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اخلاقیات کی مختلف تاویلیں کرتا ہے اور اُسے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ بدی کیا ہے اور نیکی کیا ہے۔ ظالم کون ہے اور مظلوم کون ہے۔ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے خدا خیر محض ہے تو بدی کہاں سے ٹپک پڑی۔ میکاولی کہتا ہے کہ قوم یا وطن ہی سب کچھ ہے اس کی حفاظت کے لئے ہر قسم کی فریب کاری، مکاری، جھوٹ اور دھوکہ دہی عین نیکی ہے۔ لینن کے نزدیک ہر سرمایہ دار ظالم ہے اس کا سرمایہ چھین کر مزدور کی فلاح کے لئے بانٹ دینا نیکی ہے گویا ہمیں انسان کی انفرادی پسند اور ناپسند سے لے کر معاشروں کے اندر اختلافات بتلاتے ہیں کہ انسان اخلاقیات کو صحیح طور پر متعین کرنے سے قاصر رہا ہے اور پھر نیکی بدی یا اخلاقیات کا عمل انسانی حد تک ہی کیوں محدود رکھا جاتا ہے۔ نظامہائے شمسی کے اندر اجسام فلکی کے ٹوٹنے اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ ہونے یا پھر نباتی مرحلہ پر درختوں، پودوں، پھلوں، پھولوں وغیرہ کا طوفان کے اندر بہہ جانے اور اسی طرح جانداروں کا قحط سالی یا وبا وغیرہ کے ہاتھوں تلف ہو جانے یا پھر انواع حیوانات کا ایک دوسرے کا شکار کرتے رہنے کو کبھی انسان نے بدی نہیں کہا۔ اس تضاد کی وجہ جیسا کہ ہم نے شروع میں کہا ہے انسان کی اپنے مقصد سے لاعلمی ہے۔ صحیح مقصد سے

Marfat.com

آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے انسان مختلف تصوراتِ حیات میں بٹا ہوا ہے جتنے تصورات حیات ہیں اتنے ہی اخلاقی سسٹم ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسان ایک ہی مقصد رکھنے کے باوجود ایک دوسرے سے کٹا ہوا ہے۔ ہر انسان دوسرے انسان کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اُسے اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ وہ صحیح راہ پر ہے اور باقی تمام غلط راستہ پر چل رہے ہیں۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں جب ہم انسانی معاشروں کے اندر بدنظمی، لوٹ مار، دشمنی، نفرت، قتل و غارت اور جنگ و جدل کو دیکھتے ہیں تو فوراً پکار اُٹھتے ہیں کہ خدا نے بدی کو پیدا کیا ہے۔ خدا خیر محض نہیں ہے۔ اس طرح خدا کے وجود ہی سے منکر ہو جاتے ہیں یہی نہیں بلکہ فلسفیانہ انداز میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کائنات کا خمیر ہی خیر و شر سے اٹھا ہے خیر اگر اکیاون فیصدی ہے تو شر انچاس فیصدی ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے بعض حکماء نے ایٹم کے اندر مثبت منفی باروں کی کشش کو مخالف سمجھ کر ساری کائنات کو خیر و شر کی آماجگاہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر کچھ دوسرے لوگوں نے اس کشش کو جدلیات کا نام دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مادہ ہی وہ قوت ہے جو کائنات کو اُلٹ پلٹ کرتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ انسان کو بھی وہ اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہی ہے۔ مندرجہ بالا سطور سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اس قدر جلد باز واقع ہوا ہے کہ اگر اس کو خود اپنے ہاتھوں اپنے غلط تصوراتِ حیات کی وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے تو اس کا موردِ الزام وہ کبھی خدا کو ٹھہراتا ہے تو کبھی اپنے ہی ہمسفر دوسرے انسانوں کو، اگر اس سے بھی کام نہیں چلتا تو وہ یہ کہہ کر کہ تمام کائنات کا خمیر ہی خیر و شر سے اُٹھا ہے، کائنات کی تخلیق کو قتل و غارت کی آماجگاہ سمجھ کر اپنے سر سے خیر و شر کی تمام ذمہ داریوں کو اُتار پھینکتا ہے۔ گویا وہ زندگی کو مادہ کی پیداوار سمجھتا ہے جو بغیر کسی اصول کے اندھا دھند قوتوں کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا زندگی کو برقرار رکھنے یا اُس کی نفسی خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ ہر ایسے حربہ کو جائز سمجھتا ہے جس کے ذریعہ وہ اِن اندھا دھند قوتوں کی دوڑ سے بچ بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک گویا نہ تو زندگی

Marfat.com

کا کوئی مقصد ہے اور نہ ہی کوئی قانون، اس کے برخلاف جب ہم کائنات کے ان تخلیقی مراحل پر نظر ڈورتے ہیں خواہ وہ نورانی مرحلۂ تخلیق پر نظامہائے شمسی ہوں یا پھر زمین پر طبعی قوانین، یا پھر نباتی مرحلۂ تخلیق ہو یا حیوانی مرحلۂ تخلیق، ہمیں ان سب تخلیقی مراحل کے اندر ایک نہایت اعتدال، حسن اور ہم آہنگی نظر آتی ہے، سورج یا کسی سیارے کی جرأت نہیں کہ وہ سرمو اپنا راستہ بدل سکے، رات کی مجال نہیں کہ وہ دن کو پالے اور دن کی مجال نہیں کہ وہ رات کو پائے اسی طرح طبعی قوانین کی جرأت نہیں کہ وہ طبعیات کے قوانین سے الگ ہو کر کوئی اپنا الگ ضابطہ تشکیل کر لیں۔ نباتی اور حیوانی مراحل پر زندگی کی جو اقدار متعین ہیں۔ زندگی کی مجال نہیں کہ وہ ان اقدار سے اِدھر اُدھر ہو سکے، گویا کائنات کے ان تخلیقی مراحل میں کسی قسم کا تضاد نہیں پایا جاتا، بلکہ ہر طرف سکون و اعتدال کا دور دورہ ہے، اس سکون و اعتدال سے متاثر ہو کر انسان کا جی چاہتا ہے کہ وہ فضاؤں میں کمندیں ڈال کر سیاروں پر اڑتا پھرے، یا پھر جب وہ پرشکوہ پہاڑ، ندی نالوں کے دلکش بہاؤ، خوبصورت وادیوں کے نشیب و فراز، اور سرسبز و شاداب میدانوں کو دیکھتا ہے تو معاً ان کا نظارہ اُس کے دل میں اُتر جاتا ہے اسی طرح رنگا رنگ کے خوبصورت پھول پتے، طرح طرح کے چرند و پرند اور خوش ذائقہ میوے جن سے انسان سرور و تازگی حاصل کرتا ہے اس بات کی شہادت ہیں کہ کائنات کے اندر تخریبی نہیں بلکہ تعمیری پہلو جاری و ساری ہے، لہٰذا ہم تخلیق کائنات کے اندر کسی اہرمن کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی اس پرکشش تخلیق کو خیر و شر کی ملی جلی تخلیق کہا جا سکتا ہے۔ ہاں البتہ کائنات کے ان تخلیقی مراحل کے مقابلہ میں تضاد اگر کہیں نظر آتا ہے تو وہ انسان کا موجودہ مرحلۂ تخلیق ہے اگر توڑ، پھوڑ، انتشار، نفرت، بغض، قتل و غارت اور جنگ و جدل دیکھنے میں آتی ہے تو وہ انسان اور انسانی معاشروں کے اندر ہے اس کی وجہ اگرچہ یہی ہے کہ انسان ابھی تخلیق کے مراحل سے گذر رہا ہے تاہم یہ افسوس کی بات ہے کہ بجائے کہ انسان ان مظاہر قدرت سے سبق سیکھتا وہ اُلٹا تخلیق کے اندر تضادات کی نشان دہی کر کے اس کو خیر و شر سے متمیز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

Marfat.com

اس مختصر تشریح کے بعد اب ہم اخلاقیات کے مسئلہ پر اپنی فکر کے تحت غور کریں گے جیساکہ ہم نے اوپر دیکھا ہے اخلاقیات کا مسئلہ آج تک انسان کے لئے ایک معمہ بنا رہا ہے اور اس کی یہی وجہ ہے کہ انسان کے سامنے اس کا صحیح مقصد واضح نہیں ہر معاشرہ اپنے آپ کو صحیح راہ پر سمجھتا ہے اور باقی سب معاشروں کو غلط اور انسان دشمن تصور کرتا ہے اب جیساکہ ہم ابتدا ہی میں ذکر کر آئے ہیں اخلاق یا اخلاقی قدریں ایسے اعمال کو کہا جاتا ہے جو مقصد کے حصول کی طرف لے جائیں ظاہر ہے کہ اس کے لئے سب سے پہلے ہمیں مقصد کو تلاش کرنا ہوگا کیونکہ اخلاق یا اخلاقی قدریں بذات خود مقصد نہیں ہوتیں اور نہ ہی مقصد کو پیدا کرتی ہیں بلکہ یہ مقصد ہوتا ہے جو اخلاقی قدروں کو متعین کرتا ہے اس لئے سب سے پہلے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ انسانی خود شعوری کے مرحلۂ تخلیق پر انسان کا مقصد کیا ہے ؟ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان کی زندگی کا کیا مقصد ہے ۔ ہمیں کائنات کے عملِ تخلیق پر غور کرنا ہوگا اب جب ہم عملِ تخلیق پر غور کرتے ہیں تو ہمیں جس حقیقت کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ زندگی جب بھی کسی نئے مرحلہ پر آغاز کرتی ہے تو وہ اس مرحلہ کی مجموعی شعوری اقدار کے مطابق نہایت ہی ادنےٰ شعوری حالتوں سے آغاز کرتی ہے ۔ لہٰذا ایسی صورت میں تخلیق یا زندگی کے لئے خود بخود اپنے مقصد کو متعین کرنا ممکن نہیں ، ادنےٰ شعوری زندگی میں اتنی سوچ ہی نہیں ہوتی کہ وہ اپنے مقصد کی اعلیٰ قدروں کو سمجھ سکے ۔ اب اگر ہم اس حقیقت کو درست تسلیم کرتے ہیں اور جیساکہ فی الواقعی عملِ تخلیق سے یہ حقیقت عیاں ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی تخلیقی حالت کے دوران یعنی اپنی موجودہ شعوری حالت سے خود بخود اپنے مقصد کا تعین کرنے سے قاصر ہے تو کیا اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ انسان کو کسی مقصد رکھنے کی ضرورت ہی نہیں ؟ لیکن ایسا تصور کرنا تو زندگی کی نفی کرنے کے مترادف ہے ، اس کی بڑی وجہ تو یہی ہے کہ زندگی مقصد کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی بلکہ زندگی کی بنیادی قدر اس کا مقصد ہوتا ہے ، لہٰذا زندگی اور مقصد لازم و ملزوم ہیں ۔ زندگی کہیں بھی ہو مقصد کے بغیر اس کا وجود ممکن نہیں ہوتا ، اس کے علاوہ خود

Marfat.com

شعوری کے مرحلہ تخلیق پر انسانی زندگی کا بذاتِ خود تقاضا ہے کہ وہ اپنی خود شعوری کو متعین کرے کیونکہ انسان کی خود شعوری اس بات کی شہادت ہے کہ انسان کے اندر حقیقت کی نشان دہی موجود ہے۔ لہٰذا انسان کے اندر اس حقیقت کے دریافت کرنے کا فطری دباؤ ہر وقت موجود رہتا ہے اور وہ اس دباؤ کی وجہ سے مجبور ہے کہ کائنات کے اندر اپنی حقیقت کو متعین کرے، انسان کی یہ نہایت اہم ضرورت ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے بغیر وہ خود شعوری کے مرحلہ پر زندہ ہی نہیں سکتا۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو انسان اپنے آپ میں گھرا ہوا نظر آتا ہے یعنی ایک طرف تو اُس کے اندر اپنے آپ یعنی اپنے مقصد کو دریافت کرنے کا سخت فطری دباؤ ہے اور دوسری طرف وہ اپنی ادنیٰ شعوری حالت یا سطح سے اعلیٰ شعوری قدروں کو متعیّن کرنے سے قاصر ہے لہٰذا ایسی صورت میں بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ انسان اپنی خود شعوری کے جذبہ کو مطمئن کرنے کیلئے لامحالہ اپنی شعوری سطح کے مطابق اپنی زندگی کا کوئی نہ کوئی تصور یا نصب العین متعین کرے مگر جیسا کہ ہم کو معلوم ہے انسان کے اس طرح اپنے مقصد کو متعین کرنے کا نتیجہ یقیناً وہی ہوگا جس کا ذکر ہم نے اس مضمون کی ابتدا میں کیا ہے یعنی انسان اپنے اپنے معاشرے کو جو بھی نصب العین دیگا وہ اس کے اپنے ذہنی اور معاشرتی زندگی کے رنگ میں رنگے ہونے کی وجہ سے الگ الگ قدروں پر مشتمل ہوں گے اس طرح مختلف تصورات یا آئیڈیل کے نتیجہ میں مختلف اخلاقی سسٹم کا پیدا ہونا لازمی ہے مختلف آئیڈیل اور مختلف اخلاقی سسٹم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان آپس میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اس طرح انسان انسان کا گلا کاٹ کر خود اپنے ہاتھوں اپنا خون بہانے میں لگا رہتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کے علاوہ ہمیں عملِ تخلیق کے ایک اور اہم پہلو جس کی وجہ سے زندگی کو نئے مرحلہ پر داخل ہوتے ہی سخت امتحان سے گذرنا پڑتا ہے ذہن میں رکھنا ہوگا، جیسا کہ تخلیق کا اصول ہے نئے مرحلہ پر زندگی چونکہ بتدریج تخلیق کے عمل سے گذر کر اپنے مقصد کی طرف بڑھتی

Marfat.com

ہے اور اس وجہ سے اُس کے اندر فی الفور اپنے مقصد کی بلندی اور اُس سے ملحقہ خوشی و مسرت کا احساس نہیں ہوتا لیکن اُس کے مقابل سابقہ مراحل پر زندگی کی شعوری اقدار سے تعلق کی بنا پر خواہ وہ شعوری اقدار کتنی ہی گھٹیا نوعیت کی کیوں نہ ہوں۔ زندگی ان کی لذت سے آشنا ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر نئے مرحلہ پر زندگی جب قدم رکھتی ہے تو ابتدائی حالتوں میں اس کا جھکاؤ زندگی کی بنیادی ضرورتوں کی طرف لگا رہتا ہے۔ گویا اس کی مثال ایک ایسے بچے کی سی ہوتی ہے جو ابھی اپنے مقصد کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہر ایسی چیز کے حصول کی طرف لپکتا ہے جو زندگی کو قائم رکھنے کے لئے اس کی جبلی خواہشات کو مطمئن کر سکے۔ مثلاً شروع شروع میں بچے کا رجحان اس کی اپنی جبلی خواہشات کو مطمئن کرنے کی طرف رہتا ہے پھر جیسے ہی وہ ذرا آگے بڑھتا ہے تو اس کے دل میں ماں باپ کی محبت بڑھتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ عمر میں اور آگے بڑھتا ہے تو پھر وہ ایسے اشخاص سے محبت کرنے لگتا ہے جو اس کی نظر میں مشفق مہربان اور اعلیٰ کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب وہ سنِ بلوغت کو پہنچتا ہے تو وہ اشخاص سے ہٹ کر تصورات کو اپناتا ہے۔ یعنی وہ اپنے احساسات یا روحانی قدروں کو تصورات میں ڈھونڈتا ہے۔ اب اس کا ہر عمل انہیں قدروں پر اٹھتا ہے جو اس کو اس کے تصور یا مقصد کی طرف لے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر مرحلۂ تخلیق پر زندگی کا یہی طریق رہا ہے۔ شروع شروع میں زندگی کے اندر اپنے مقصد کی برائے نام پہچان ہونے کی وجہ سے اس کا جھکاؤ اپنی زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کی طرف لگا رہتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ زندگی اپنے اندر اپنی نئی شعوری قدروں کا الگ دباؤ اور رجحان رکھنے کے باوجود ان کا رخ اپنی بنیادی یعنی مادی ضرورتوں کو مطمئن کرنے کی طرف موڑ دیتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی اپنی اصلی راہ سے ہٹ کر اپنی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل و تسکین کو ہی اپنا مقصدِ حیات بنا لیتی ہے

Marfat.com

اس طرح زندگی کی بنیادی ضروریات کی اہمیت ان کے اصلی مقام سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ نتیجتہً بنیادی ضروریات کو ان کی جائز حدود سے زیادہ مطمئن کرنے کی وجہ سے تخلیق کے اندر ایک زبردست دوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ یہ دوڑ تخلیق کے اندر ایک زبردست انتشار، بدنظمی اور بہت سی دوسری برائیاں پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ عمل تخلیق کے اس اصول کے تحت ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ انسانی مرحلۂ تخلیق سے ماقبل تمام تخلیقی مراحل کو بھی خصوصاً ان کی ابتدائی حالتوں میں سخت انتشار، بدنظمی اور توڑ پھوڑ کی حالتوں سے گزرنا پڑا ہوگا حتےٰ کہ یونہی یہ مراحل بتدریج اپنی تکمیل یعنی مقصد کو حاصل کرتے چلے گئے۔ ان کے اندر نظم، اعتدال اور سکون پیدا ہوتا چلا گیا۔

ہم اپنی اس گفتگو سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کائنات کے اس تخلیقی عمل کی رو سے انسان مختلف جہتوں سے مختلف دباؤ کے اندر رہتا ہے۔ خاص کر مرحلہ کی ابتدائی حالتوں میں جب کہ زندگی اپنی ادنےٰ شعوری حالتوں سے آغاز کرتی ہے اور اسے سوائے زندگی کی نئی شعوری روشنی کے فطری دباؤ کے، اپنے مقصد کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ اور پھر اگر اس کو مقصد کی نشاندہی بھی ہو جائے۔ تب بھی ایسا ممکن نہیں۔ کیونکہ مقصد کی اقدار ابھی کھل کر سامنے نہیں آتیں اور ان اقدار کے ساتھ جو خوشی اور مسرت وابستہ ہوتی ہے اس کا علم نچلی شعوری سطح پر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا انسان سابقہ مراحل پر زندگی کی قدروں اور ان کی لذت جن سے وہ پہلے سے واقف ہوتا ہے کی طرف جھکا رہتا ہے۔ ایسے حالات میں اگر انسان کو محض اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ نہ صرف اس کے ساتھ سخت بے رحمی کے مترادف ہوگا بلکہ اس سے بذاتِ خود عملِ تخلیق کے رک جانے کا خطرہ ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ خالق کا منشا عملِ تخلیق کو روکنا

Marfat.com

نہیں بلکہ جاری رکھنا ہوتا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ خالق کبھی بے رحم نہیں ہو سکتا بلکہ تخلیق کرنے کے لئے شرط اولین ہی خالق کے اندر تخلیق کے لئے سخت محبت اور رحم کا جذبہ ہوتا ہے اس لئے یہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ خالق بے رحم ہو سکتا ہے۔ تخلیق تو خالق کی روح کے اندر سے نکل کر اُس کی روح سے زندگی پاتی ہے۔ اگر زندگی دکھ درد کا شکار ہوتی ہے تو یقیناً خالق کی روح جس سے زندگی پھوٹتی ہے وہ اس دکھ درد سے کم متأثر نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ خالق دیدہ دانستہ اپنی محبت کے تقاضوں کو تخلیق کے اس عمل سے مجروح کریگا کیا ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ بچہ کی پیدائش سے پہلے خالق اُس کی خوراک کے لئے اُس کی ماں کی چھاتیوں میں دودھ اُتار دیتا ہے۔ لہٰذا یہ بات ہمارے لئے قابل یقین نہیں کہ خالق اپنی تخلیق کو محض اُس کے رحم وکرم پر چھوڑ دے گا۔ چنانچہ جب ہم ان تخلیقی مراحل پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خالق کی طرف سے تخلیق کو پروان چڑھانے کے لئے خود تخلیق کے اندر اور باہر راہنمائی کے سامان موجود ہوتے ہیں۔ تخلیق کے اندر راہنمائی وہی ہے جس کا ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں یعنی زندگی جب کسی مرحلہ پر قدم رکھتی ہے تو اُس کے اندر جو نئی شعوری روشنی ظہور پاتی ہے وہ زندگی کے لئے اس بات کی شہادت بلکہ اُس کے لئے یقین دہانی ہوتی ہے کہ وہ کائنات میں ایک منفرد حقیقت ہونے کی وجہ سے دنیا میں کوئی حقیقی مقصد رکھتی ہے۔ تخلیق کے اندر یہ اندرونی یقین دہانی جو زندگی کے ہر نئے مرحلہ پر قدم رکھتے ہی اُس کے اندر شعور کی نئی روشنی میں ظاہر ہوتی ہے، گویا خالق کی طرف سے پہلا اہتمام ہے جس سے زندگی نیچے نہیں گر سکتی اور پھر جیسا کہ ہم کو معلوم ہے زندگی بذاتِ خود خالق کی محبت و کشش کے سوا کچھ نہیں، لہٰذا زندگی کا مقصد اس کی فطرت میں پہلے سے ودیعت ہوتا ہے جس کی طرف آگے بڑھنے یا جدوجہد کرنے کے لئے اُس کے اندر ہر وقت ایک فطری دباؤ رہتا ہے زندگی پر اگر یہ فطری دباؤ شروع ہی سے موجود نہ ہوتا تو وہ نئے مرحلۂ تخلیق پر کبھی جدوجہد کر ہی نہ سکتی مثلاً شروع شروع میں انسان کا اپنی نفسی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنا ہی اُس کی رسائی

Marfat.com

زندگی کا مقصد تھا، تاہم انسان کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس ادنیٰ شعوری حالت کے باوجود انسان کے اندر خود شعوری کا موجود ہونا اس بات کی شہادت تھی کہ وہ کائنات کے اندر اپنے آپکو اس نئی روشنی کے تحت ایک الگ حقیقت کے طور پر متعین کرنے پر مجبور تھا لہٰذا وہ اپنی ہستی یا خود شعوری کا ادراک اپنے اندر کسی دوسری ہستی خواہ وہ مظاہر فطرت ہی کیوں نہ ہوں کے تصور میں کرتا تھا اور یہ تصور انسان کی اپنی خود شعوری یا روحانی آگاہی کے مطابق ہوتا تھا گویا وہ اپنے اندر خالق کی روحانی محبت کو مطمئن کرنے کے لئے اس کا تصور کائنات کے اندر یا باہر ایسے تصور سے کرتا تھا جو اُس کی خود شعوری یا روح کی آئینہ دار ہو لہٰذا انسان کے اندر خالق کی موجودگی کی اس سے بہتر شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے اندر کسی نہ کسی ایسی دوسری چیز کا تصور قائم کرنے پر مجبور ہے جو اُس کی خود شعوری کی روحانی اقدار کو مطمئن کر سکے، گویا انسان کے اندر خیالات یا تصورات کے پیچھے جو حقیقت چھپی ہوئی ہے یعنی جو اُس کی سوچ کا سرچشمہ ہے وہ اُس کی اپنی ہی کسی کھوئی ہوئی حقیقت کی تلاش ہے یہی وجہ ہے کہ اگرچہ وہ عام حیوانی ضروریات کی طرح اپنی نفسی یا حیوانی زندگی کی ضروریات کو پورا کرتا رہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی خود شعوری کو مطمئن کرنے کے لئے کبھی فلکی اجسام مثلاً چاند، سورج، سیاروں کو اور کبھی فطرت کے مظاہر مثلاً دریا، پہاڑ، آگ، پانی وغیرہ کو اپنا خالق یا اپنا نجات دہندہ تصور کر کے ان کی عبادت اور محبت کا دم بھرتا رہا ہے۔ مظاہر فطرت کے علاوہ انسان نے اپنے جسمانی دکھ، درد، قحط سالی، بھوک، پیاس وغیرہ کے خوف اور اُن سے نجات حاصل کرنے کے لئے مافوق الفطرت قوتوں کے نام پر جادو ٹوٹکوں کا سہارا لینا شروع کر دیا نہ صرف یہ بلکہ جہالت کی وجہ سے جنگ و جدل، قتل و غارت وغیرہ سے محفوظ رہنے کے لئے انسان نے پتھر وغیرہ کے بڑے بڑے بت تراش کر اُن کو مختلف قوتوں یا دیوتاؤں کا نام دیکر اُن کی عبادت کرنا اپنا مقصدِ حیات بنا لیا، انسان کے اس رویہ سے ہمیں اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ انسان کی جسمانی ضروریات وہی تھیں جو حیوان کی ضروریات ہوتی ہیں لیکن حیوان اپنی ضروریات کو پوری کر کے مطمئن ہو جاتا ہے، انسان ان ضروریات کے پورا ہو جانے کے بعد بھی کسی مافوق الفطرت

Marfat.com

ہستی کی موجودگی کا سہارا لیتا رہا ہے۔ گویا زندگی کی نہایت ابتدائی حالتوں میں بھی اس کی خود شعوری کا الگ سے یہ تقاضا رہا ہے کہ کائنات کے اندر کوئی ایسی ہستی یا مافوق الفطرت ہستی یا قوت ضرور موجود ہے جو اس کی طرح زندہ اور خود شعور ہے اور جو اُس کے دکھ درد کی نجات دہندہ ہے۔ آج کل کے مغربی ترقی پسند لوگ انسان کے تاریخی دور کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، یعنی ابتدائی دور کو جادو کا دور اور پھر اُس کے بعد دوسرے دور کو مذہبی دور اور اب موجودہ دور کو سائنس کا دور کہتے ہیں۔ اس قسم کی تقسیم سے پتہ چلتا ہے کہ گویا ان حضرات کی نظر میں انسان بذاتِ خود کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی اُس کے اندر اپنے آپ کو متعیّن کرنے کا کوئی جذبہ یا دباؤ موجود ہے بلکہ یہ دور ہی ہیں جو اُسے متعیّن کرتے رہے ہیں۔ بہرحال جب ہم انسانی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اندر ابتدا ہی سے کسی مافوق الفطرت ہستی کے وجود کا احساس موجود رہا ہے جیسے جیسے انسان اپنی خود شعوری کے مرحلہ پر پروان چڑھتا رہا ہے یہ احساس اور بھی شدید ہو جاتا رہا ہے تاہم اس شدید احساس اور فطری دباؤ کے باوجود تخلیق کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ حال سے مستقبل میں کود کر اپنے مقصد کو متعیّن کر سکے۔ اس مشکل کے حل کے لئے یعنی انسان کو اس کے مقصد سے آگاہ کرنے کے لئے خالق کی طرف سے دوسرا اہتمام جس کا ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں بیرونی راہنمائی تھا۔ بیرونی راہنمائی کا مطلب یہ ہے کہ تخلیق کے اندر اُس کی شعوری سطح کے مطابق اور خصوصاً ابتدائی حالتوں میں جب تخلیق مقصد کی طرف بڑھنے میں قاصر رہتی تو خالق معاً تخلیق کے اندر سے زندگی کو ایک فوری جست دے کر اُسے اپنے مرحلہ کی ان شعوری اقدار سے آگاہ کر دیتا جو مقصد کی نشان دہی کرتے اور اس طرح تخلیق کے اندر ہی سے خالق اس کی شعوری سطح کے مطابق اُس کی راہنمائی کرتا رہا ہے چنانچہ نہ صرف انسان کے موجودہ مرحلۂ تخلیق بلکہ اُس سے ماقبل تمام تخلیقی مراحل خواہ وہ نورانی مرحلۂ تخلیق ہو یا کرۂ ارض پر طبعی قوانین کا تخلیقی مرحلہ یا پھر نباتی مرحلۂ تخلیق ہو یا حیوانی مرحلۂ تخلیق، ان تمام مراحل پر زندگی جب بھی تخلیقی عمل کے اس دو طرفہ دباؤ سے متاثر ہو کر کشمکشِ حیات میں گرفتار ہو جاتی

Marfat.com

رہی ہے تو زندگی ایک فوری جست لے کر کسی ایک نئی تنظیم یا نوع میں ڈھل کر ظہور پذیر ہوتی رہی ہے۔ نباتی اور حیوانی مراحل تخلیق پر نئی نئی نباتات و حیوانات کا پیدا ہونا جن کو ہم فوری ارتقاء کا نام دیتے ہیں خالق کی طرف سے زندگی کو صحیح سمت یا مقصد کی طرف لے جانے کے لئے گویا بیرونی راہنمائی کا اہتمام تھا۔ اسی طرح نورانی مرحلۂ تخلیق پر نظام ہائے شمسی کی تکمیل سے پہلے نئی نئی فلکی تنظیمات اور پھر کرۂ ارض پر طبعی قوانین کی تکمیل سے پہلے نئے نئے قوانین کی تشکیل خالق کی طرف سے زندگی کو مقصد کی طرف لے جانے کے لئے فوری اقدام تھا۔ ہر مرحلہ کی ابتدار میں جبکہ زندگی نئے مرحلہ کی ادنے حالتوں سے آغاز کرتی ہے اور اپنے مقصد کو پہچاننے سے قاصر ہوتی ہے۔ خالق کی طرف سے یہ راہنمائی جلد جلد ملتی رہی ہے حتیٰ کہ یوں ہی زندگی زینہ بہ زینہ مرحلہ کی شعوری اقدار کو حاصل کرتے ہوئے عنفوانِ شباب کو پہنچتی ہے یعنی مرحلہ کی وہ حالت جہاں زندگی اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ اُبھر آتی ہے تو اس کے اندر اپنے مقصد کی طرف بڑھنے کی کشش شدت اختیار کر لیتی ہے ایسی صورت میں تخلیق کو مکمل راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اُس راہنمائی کے تحت اپنے مرحلہ کی تکمیل حاصل کر سکے۔ اس راہنمائی کے بعد مزید بیرونی راہنمائی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تاآنکہ زندگی اُس راہنمائی کے تحت اپنی تکمیل حاصل نہیں کر لیتی مزید راہنمائی کے دروازے بند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کسی مرحلہ پر جب اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ اپنے شباب کو پہنچ جاتی ہے تو اس کو اُن صلاحیتوں کے عروج پر آگے بڑھنے کے لئے ایک مکمل راہنمائی یا ضابطہ حیات کی ضرورت ہوتی ہے اگر اس راہنمائی کے بعد مزید راہنمائی کا سلسلہ جاری رہے، تو وہ مکمل ضابطۂ حیات کی توڑ پھوڑ یا نفی کے مترادف ہوتا ہے لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں زندگی جب اعلیٰ سطح پر ایک دفعہ تکمیل حاصل کر لیتی ہے تو وہ اُن کے اندر کسی قسم کا تغیر و تبدل قبول نہیں کرتی لہٰذا زندگی اسی ضابطۂ حیات پر چلتی ہے جو اُس کو مرحلہ کے عنفوانِ شباب پر خالق کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

دراصل ہر مرحلہ تخلیق ایک یونٹ یا کل کی حیثیت سے اپنی تخلیق پاتا ہے گویا وہ فرد واحد کی طرح اپنے مرحلہ کی شعوری اقدار کی تکمیل کے لئے بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی حالتوں سے گذرتا ہے۔ ہر مرحلہ کیونکہ اپنی ابتدائی حالتوں میں ادنےٰ شعور کا حامل ہوتا ہے یعنی مرحلہ کی مجموعی شعوری اقدار کے مقابل وہ گویا بچپن کی حالت سے آغاز کرتا ہے اور ایسی صورت میں زندگی کو نہ صرف قدم قدم پر راہنمائی بلکہ اس کی دیکھ بھال کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے لہٰذا خالق کی طرف سے تخلیق کے اندر اس کی شعوری سطح کے مطابق فوری ارتقا کے ذریعہ جلد از جلد بیرونی راہنمائی بہم پہنچتی رہی ہے۔ یہی حال انسانی خود شعوری کے مرحلۂ تخلیق کا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ انسانی خود شعوری کے مرحلہ تخلیق کی شعوری اقدار جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں مادی نہیں بلکہ شعوری ہیں انسانی مرحلہ تخلیق سے قبل جن تخلیقی مراحل کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے ان مراحل پر زندگی اپنی مادی حالتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یعنی اس کے اندر نہ تو ابھی خالق کائنات کی نشاندہی موجود تھی اور نہ ہی اس کے اندر اپنی ذات یا شخصیت کا ظہور ہوا تھا۔ لہٰذا وہ محض تنظیمی حالتوں میں تخلیق پا رہی تھی۔ ایسی صورت میں بیرونی راہنمائی بھی مرحلہ کی مجموعی شعوری اقدار کے تحت اعلےٰ مادی تنظیم میں ظاہر ہوتی یعنی جب بھی ان مراحل پر زندگی کسی جگہ آ کر رک جاتی تو اس کے درمیان فوراً ایک نئی نوع اعلےٰ شعوری اقدار کے ساتھ ابھرتی اور اپنے مرحلہ کی زندگی کو مقصد کی طرف لیجانے کیلئے گویا ایک ماڈل کے طور پر ظہور میں آتی ماڈل کے طور پر ظہور میں آنے سے مُراد یہ ہے کہ چونکہ ان مراحل پر زندگی کے اندر سوچ نہیں تھی لہٰذا خالق کیطرف سے زندگی کی اصلاح کی جب بھی ضرورت پیش آتی تو زندگی فوری ارتقا کے نتیجہ میں نئی شعوری قدروں کے ساتھ ایک نئی مادی تنظیم میں ظاہر ہوتی اور آئندہ زندگی اسی نئی تنظیم پر آگے بڑھتی۔ زندگی بہرحال جیسے جیسے بچپن کی ادنےٰ شعوری حالتوں سے اعلےٰ شعوری حالتوں کی طرف بڑھتی ویسے ہی وہ پیچیدہ ہوتی چلی جاتی۔ اس طرح

Marfat.com

زندگی کو بار بار اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے کہ جیسا ہم نے اوپر کہا ہے زندگی جب اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ ابھر آتی تو اسے خالق کی طرف سے آخری راہنمائی مل جاتی جس کے بعد مزید راہنمائی کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

انسانی مرحلۂ تخلیق بھی جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے دوسرے مراحل کی طرح ایک یونٹ کی حیثیت سے اپنا آغاز خود شعوری کی نہایت ابتدائی حالت سے کرتا ہے۔ ابتدا میں انسان کے اندر اپنی ذات سے آگہی اور خالق کی پہچان محض سطحی تھی۔ ایسی صورت میں انسان کا زندگی کی مادی حالتوں کی طرف جھکاؤ کا ہونا عین ممکن تھا لہٰذا جیسا کہ انسانی تاریخ سے پتہ چلتا ہے جب بھی انسان اپنی صحیح راہ سے بھٹک کر جمود کا شکار ہو جاتا رہا ہے اس کی روحانی راہنمائی کے لئے فوری ارتقا کے نتیجہ میں مختلف انسانی معاشروں کے اندر ایسے لاکھوں افراد پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جو انسان کو اس کی شعوری سطح اور معاشرے کی سیاسی اور معاشرتی ہیئت کے مطابق خالق کی طرف بڑھنے کے لئے راہنمائی اور ضابطۂ اخلاق مہیا کرتے رہے ہیں۔ گویا کائنات کے سابقہ مراحل پر جہاں زندگی ابھی مادی حالتوں میں تھی وہاں اگر یہ راہنمائی ان مراحل کی شعوری اقدار کے مطابق فی الفور زندگی کی اعلےٰ مادی تنظیمات میں ظاہر ہوتی تھی تو انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان کی روحانی قدروں کے مطابق یہ راہنمائی فی الفور ایسے افراد کے ذریعہ ملتی تھی جو ذہنی اور شعوری طور پر خالق کے زیادہ قریب ہوتے تھے اس طرح جیسے جیسے انسان اس راہنمائی کے تحت اپنے خالق کی طرف بڑھتا گیا اس کے اندر خالق کی نشانیاں بتدریج ابھرتی گئیں اور اس طرح وہ روحانی طور پر خالق کے اور بھی قریب آتا گیا۔

Marfat.com

جیسا کہ ہم نے اُوپر کہا ہے، انسانی مرحلۂ تخلیق پر بحیثیت نوع، انسان کی روحانی اور شعوری اقدار فرد واحد کے بچپن کی حالت سے مختلف نہیں تھیں۔ جس طرح ایک بچہ پیدا ہوتے ہی اگرچہ اپنے وجود و زندگی کے ساتھ اپنی ماں سے الگ تھلگ ایک وحدت کی صورت رہتا ہے تاہم بچے کی ابتدائی حالتوں میں اس کی دیکھ بھال اور غذا وغیرہ کی بہم رسانی ماں کی ذمہ داری ہوتی ہے اسی طرح انسانی مرحلۂ تخلیق کی ابتدا پر انسانی خودشعوری کی روحانی غذائیں خالق کے سپرد تھیں۔ انسان کو یہ روحانی غذا پیغمبروں اور نبیوں کے ذریعہ ہر آن ملتی رہی۔ جس طرح بچپن کی حالت میں بچہ قدم قدم پر گرتا ہے اور اسے پاؤں پر کھڑا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا پھر جب وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو کر رونے لگ جاتا ہے تو والدین اسے خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی حال انسانی مرحلۂ تخلیق کی ابتدائی حالتوں کا تھا جہاں خالق نے انسان کو نبیوں اور پیغمبروں کے ذریعہ ہر قدم پر اس کی راہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ انسان کا خودشعوری کے اس مرحلہ پر اس کے اندر اپنی منفرد حقیقت کا احساس ابھر آنے کی وجہ سے اسے کائنات میں براہِ راست کسی دوسری خودشعور حقیقت کی تلاش تھی۔ اس کی خودشعوری جو نئی روشنی کے ساتھ ظاہر ہوئی تھی اس کے اندر اِس بات کی شہادت تھی کہ کائنات میں اس کی طرح ضرور کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو اس کی نظروں سے اوجھل ہے وہ اپنے اردگرد ماحول کو دیکھتا، اشیاء کو الٹ پلٹ کر ان کی ماہیت دریافت کرنے کی کوشش کرتا لیکن جب اسے جس چیز کی تلاش تھی وہ نظر نہ آتی تو ایک بچے کی طرح چلا اُٹھتا۔ گویا وہ کائنات کے اندر ایک بچے کی طرح اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا تھا۔ اس طرح دن کو اگر وہ پہاڑ، میدان، وادیوں میں گھوم پھر کر دل بہلانے کی کوشش کرتا تو رات کو پہروں فلکی اجسام کو تکتا رہتا۔ اجسام فلکی یعنی چاند سورج

Marfat.com

ستارے جو ایک وقت اس کی زندگی کے ہمسفر تھے ان کی کشش اُسے اپنی زندگی کے سفر کی بھولی بسری یاد دلاتی۔ وہ ایک بچے کی طرح جو اپنے کھلونوں کے ساتھ گھنٹوں کھیل میں لگا رہتا ہے، آسمان پر تیرتے ہوئے ان چاند اور ستاروں کے جھرمٹ سے نئی نئی سوچیں سوچتا اور پھر انہیں سوچوں کے اندر آخر تھک کر سو جاتا اس طرح آہستہ آہستہ اس نے اپنے روحانی اور ذہنی سفر کو جاری رکھا۔ اس نے باد و باراں اور طوفانوں سے اپنی حفاظت کرنا سیکھی۔ زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے زمین اور کھیتوں کو سنوارنے اور ان سے خوراک حاصل کرنے کا ڈھنگ دریافت کیا۔ اور جب کبھی وہ اس کائنات میں اپنے اکیلے پن کی اداسی اور گھبراہٹ سے پریشان ہو جاتا تو خالق کی طرف سے ایسے افراد جن کو ہم نبی اور پیغمبر کے نام سے جانتے ہیں۔ معاشرے میں پیدا ہو جاتے اور انسان پر شفقت و محبت کا ہاتھ رکھتے اور اُسے اُس کی حقیقت اور خالق کی موجودگی کی یقین دہانی کرا کر حوصلہ اور اطمینان بخشتے۔ اس طرح قدم قدم پر خالق، انسان کو اپنے اِن برگزیدہ انسانوں کے ذریعہ روحانی راہنمائی یعنی اپنی نشاندہی کرتا رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ انسان نے خود اپنے اندرونی جذبہ تلاش و جستجو کے تحت اپنے اردگرد ماحول اور اشیاء کا کافی حد تک علم حاصل کر لیا۔ علم الاشیا اور مل جل کر رہنے کے طور طریقوں سے اس کے اندر غلط اور صحیح کی پہچان ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کے اندر خالق کا ادراک اور اس کے ہلکے سے تصور کی روشنی آمڈ آئی۔ اب انسان جو کسی حد تک نظریات کے اندر اپنے خالق کو تلاش کرنے لگا تھا۔ خانہ بدوش زندگی گزارنے کی بجائے باہم مل جل کر معاشرے کی صورت شہروں اور قصبوں میں رہنے لگا۔ اس کی زندگی کا عمل دخل معاشی، معاشرتی، سیاسی اور زندگی کے دوسرے اہم شعبوں تک پھیل گیا۔ گویا انسانی خود شعوری کے مرحلۂ تخلیق پر انسان کی روحانی تاریخ کا یہ

Marfat.com

وہ زمانہ تھا جب انسان اپنے بچپن کی حدود سے نکل کر روحانی اور ذہنی طور پر بلوغت کے درجہ میں قدم رکھتا ہے۔ اب اس کی وہ پہلی سی سادہ زندگی نہ رہی۔ جب کہ وہ روحانی اور ذہنی قدروں سے اچھی طرح آشنا نہ ہونے کی وجہ سے محض اپنی نفسی یا حیوانی قدروں کے حصول یعنی حیوانی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے میں لگا رہتا تھا۔ اب شہروں اور قصبوں میں مل جل کر رہنے کی وجہ سے اسے ایسے قواعد وضوابط اور اخلاق کی ضرورت تھی جن پر عمل کرنے سے وہ ملک یا شہر کے نظم ونسق، یعنی حکومت، سیاست، تجارت اور معیشت ایسے امور کی دیکھ بھال کر سکتا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے تصورات حیات کی ان روحانی قدروں کو جن کی ہلکی سی عکاسی اب اس کے ذہن میں پیدا ہو چکی تھی کو مطمئن کر سکتا۔ انسان اب جوان تھا اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں جوانی میں جذبۂ محبت اپنی زیادہ سے زیادہ تسکین چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر اس کے سامنے کوئی صحیح سمت نہ ہو تو اس جذبہ کے بگڑ جانے کا شدید اندیشہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ وہ وقت تھا جب ایک طرف انسان کے روحانی اور ذہنی قویٰ بلند ہونے کی وجہ سے انسان کو اپنی روحانی اقدار کے مطمئن کرنے پر دباؤ ڈال رہے تھے تو دوسری طرف اس کے سامنے صحیح مقصد نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجبور تھا کہ وہ غلط تصوارت کا سہارا لے کر اپنے اس دباؤ کو عارضی اور غلط طریقہ سے مطمئن کرتا رہے۔ اس کے نتیجہ میں جیسا کہ انسانی تاریخ سے پتہ چلتا ہے انسان ہر ایسی برائی میں پھنس کر رہ گیا جو تخلیقی عمل کے راستہ میں ایک زبردست رکاوٹ بن چکی تھی۔ بت پرستی، ظلم، بدکاری، قتل وغارت، بے حیائی اور ایسی ہی تمام برائیاں انسانی معاشرت میں جنم پا چکی تھیں۔ اس طرح انسان روحانی اور ذہنی طور پر حیوانی سطح سے بھی نیچے گر چکا تھا اس کو اپنے صحیح مقصد کے جاننے اور روحانی قدروں کو مطمئن کرنے کیلئے ایک مکمل ضابطۂ حیات کی شدید ضرورت تھی۔ چنانچہ جیسا کہ

Marfat.com

عمل تخلیق کا تقاضا ہے اور جس کے تحت انسان کی راہنمائی کے لئے فوری ارتقا کے نتیجہ میں لاکھوں پیغمبر اور کئی رسول مبعوث ہوئے۔ انسان کی اس شدید ضرورت کو پورا کرنے کے لئے خالق کا عمل تخلیق جوش میں آتا ہے اور جیسا کہ تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے انسانوں کے اندر ایک ایسے انسان کا ظہور ہوتا ہے جو انسانیت کے لئے ہدایت و راہنمائی کی شمع بن کر اس کو گمراہی کے اندھیرے سے نکال لیتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اس کے روحانی مقصد اور اس کی سمت کو متعین کرتا ہے۔ تاریخ اس عظیم انسان کو جو خالق کی طرف سے انسانوں کی طرف رسول اور نبی بنا کر بھیجا گیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جانتی ہے۔ اس محسن انسانیت کا ظہور جزیرہ نمائے عرب میں بمطابق ۵۷۱ سن عیسوی میں ہوتا ہے۔ انسانی مرحلہ تخلیق کا یہ دور وہ زمانہ تھا جسے ہم قرونِ وسطےٰ کے نام سے جانتے ہیں۔ اسی طرح خالق کی طرف سے جو عظیم راہنمائی انسان کو دی گئی یہ وہی راہنمائی یا صداقت ہے جس کو انسان دینِ اسلام یا سلامتی کی راہ کے نام سے جانتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مقصد ہی وہ حقیقت ہے جو اخلاقیات کی قدروں کو متعین کرتا ہے اور یہ کہ مقصد کا تعین ہمیشہ خالق کی طرف سے ہوتا ہے۔ عملِ تخلیق کی رُو سے انسان بذاتِ خود اپنے مقصد کو متعین کرنے سے قاصر ہے لہٰذا خالق اپنے تخلیقی عمل کے ذریعہ اپنی تخلیق کو نہ صرف اس کے مقصد سے آگاہ رکھتا ہے بلکہ اس کے حصول کے لئے راہنمائی بھی کرتا ہے۔ انسان اگر انتشار، بدنظمی، ظلم، قتل و غارت وغیرہ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ خود ساختہ تصوراتِ حیات کی بجائے خالق کے بتائے ہوئے مقصد کی طرف لوٹے اور اس کے حصول کے لئے جو ضابطۂ اخلاق دیا گیا

Marfat.com

ہے اس پر عمل کرے۔ جب تک وہ ایسا نہیں کرتا اسے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ فطرت کے قوانین کو توڑ کر کبھی امن وسکون حاصل نہیں کر سکتا۔ زندگی کا مقصد اور اس کے حصول کی راہ ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دوسری راہ ممکن نہیں۔ جہاں تک انسان کے خودساختہ نظریات یا آئیڈیل کا تعلق ہے ان آئیڈیل کا بذاتِ خود ایک دوسرے کی نفی کرتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے یہ خودساختہ نظریات اپنی تباہی کا سامان خود اپنے اندر لئے ہوتے ہیں اور اس طرح یہ آئیڈیل یا تصورات انسان کی راہنمائی کی بجائے الٹا اسے تباہی اور بربادی کی طرف لے جاتے ہیں لہٰذا انسان کے لئے اخلاقی تضادات سے بچنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ راستہ خالق خود اپنے عملِ تخلیق سے متعیّن کرتا ہے۔ ضمناً ہم یہاں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہماری اس کتاب کے لئے خالق کی طرف سے عطا کردہ راہنمائی کی تشریح مطلوب نہیں ہے اور نہ ہی یہاں یہ ممکن ہے یہ راہنمائی مکمل ضابطۂ حیات کی صورت میں انسان کے پاس ہمیشہ کی طرح محفوظ ہے اور اس کی تصدیق خود انسان کی خودشعوری کے اندر موجود ہے۔

اخلاقیات کے اندر تضادات اور خالق کی طرف سے تخلیق کی راہنمائی کے ضمنی اصول کی اس مختصر تشریح کے بعد اب ہم انسانی مرحلہ پر عملِ تخلیق کے ان بنیادی اصولوں کا ذکر کریں گے جن کا براہِ راست انسانی راہنمائی سے تعلق ہے اور جن پر عمل کرنا عملِ تخلیق کا فطری تقاضا ہے چنانچہ جب ہم خالق کی طرف سے عمل تخلیق کے تحت اِس راہنمائی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں عملِ تخلیق کے مندرجہ ذیل فطری تقاضوں کا پتہ چلتا ہے۔ جن کا عملِ تخلیق سے گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے ان پر عمل پیرا ہونا انسان کے لئے اپنے مقصد کی طرف بڑھنے کی خاطر ایک نہایت اہم شرط ہے۔

Marfat.com

(۱) جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے انسان کو اپنے مقصد کا علم ہونا اس کی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے لیکن چونکہ انسان کا اپنی تخلیق کی ادنٰے شعوری حالتوں پر ہونے کی وجہ سے اس کے لئے مقصد کی مکمل روحانی قدروں اور ان سے وابستہ خوشی و مسرت کا احساس ممکن نہیں لہٰذا عمل تخلیق کے جس سب سے اہم فطری تقاضے کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے وہ انسان کا اپنی ادنٰے تخلیقی حالت پر خالق کے بتائے ہوئے مقصد پر ایمان اور یقین رکھنا ہے۔ مقصد پر انسان کے اس ایمان اور یقین کو ہم ایمان بالغیب کہتے ہیں۔ ایمان بالغیب کا مطلب خالق کی طرف سے بتائے گئے مقصد کی ان روحانی قدروں پر ایمان رکھنا ہے۔ جن کا انسان کی موجودہ ادنٰے شعوری حالت پر تخلیق پانے کی وجہ سے سمجھنا ممکن نہیں۔ مقصد پر ایمان اور یقین انسان کے اندر نہ صرف اس کی موجودہ روحانی قدروں کی تسکین کا باعث بنتا ہے بلکہ یہ اس کے اندر مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے ایک زبردست محرک کے طور پر بے پایاں روحانی قوت مہیا کرتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ایمان بالغیب نہ رکھنے کے غیر فطری رویہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی ادنٰے روحانی و شعوری قدروں کو ہی سب کچھ سمجھ کر زندگی کو مطمئن کرنے کے لئے کسی غلط مقصد کو متعین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان اپنے فطری روحانی اور ذہنی دباؤ کو مطمئن نہ کر سکنے کی وجہ سے بالآخر ذہنی امراض اور اخلاقی برائیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایمان اور یقین انسانی فطرت یا اس کی زندگی کا تقاضا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان اور یقین کا تعلق مقصد کے ساتھ ہوتا ہے اگر مقصد صحیح ہو تو ایمان اور یقین انسان کو بتدریج مقصد کے حصول کی طرف لے جاتا ہے لیکن اگر مقصد غلط ہو تو ایمان و یقین کے بالآخر کمزور پڑ جانے سے انسان مایوسی اور بے اطمینانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

۲۔ مقصد پر ایمان بالغیب اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ خالق کی طرف سے مبعوث نبیؐ، جو خالق کے عملِ تخلیق کے تحت انسان کو اس کے مقصد کی طرف راہنمائی کرتا ہے، پر مکمل ایمان نہ ہو۔ گویا مقصد پر ایمان بالغیب کا فطری تقاضا بلکہ اولیں شرط یہ ہے کہ انسان نبی کی صداقت اور اس کی شعوری اور روحانی قدروں پر مکمل یقین اور ایمان رکھتا ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ اس آخری راہنمائی سے قبل خالق کی طرف سے اس کے عملِ تخلیق کے تحت انسان کو شروع ہی سے جو راہنمائی ملتی رہی ہے اس پر ایمان و یقین بھی رکھے۔

(۳) جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں تخلیق چونکہ مرحلہ کی ادنےٰ شعوری حالت سے اعلےٰ شعوری حالت کی طرف بتدریج پروان چڑھتی ہے اور اس طرح وہ مقصد کی تمام مکمل روحانی اور شعوری اقدار کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے لہٰذا خالق کی طرف سے یہ راہنمائی کائنات کے صرف موٹے موٹے ابدی حقائق پر مبنی ہوتی ہے جنہیں نبی براہِ راست خالق سے اطلاع پا کر انسان کو ان سے آگاہ کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تعلیم نبوت میں استدلال نہیں ہوتا کیونکہ نبوت خالق کے ابدی حقائق کی باریک تفصیلات یا جزئیات میں جانے کے بغیر یہ توقع رکھتی ہے کہ انسان اپنی فطرت کی روحانی شہادت اور نبی کے ایمان پر انہیں قبول کر لے گا۔ گویا انسان کے اندر ذوقِ دریافت یا جستجو کا اندرونی جذبہ جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں فطری طور پر اس کے اندر موجود رہتا ہے اور جیسے جیسے انسان مقصد کی طرف بڑھتا ہے اس کی ذہنی جستجو کا اندرونی دباؤ خود بخود اِن جزئیات کی دریافت کرتا جاتا ہے اس طرح بیرونی راہنمائی کے زیرِ اثر انسان کی جستجو کا اندرونی جذبہ زینہ بہ زینہ نہ صرف ادنےٰ سے اعلےٰ روحانی اقدار کی طرف بڑھتا رہتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے اندر ان قدروں کو شعوری طور پر سمجھنے کی اہلیت بھی پیدا

Marfat.com

ہوتی جاتی ہے۔ دراصل انسانی مرحلۂ تخلیق پر ابتدا ہی سے خالق، نبوت کے ذریعہ (جو کہ انسان کی ہدایت کے لیے خالق کے عملِ تخلیق کا ایک اہم تقاضا ہے) انسان کو کائنات کے ایک ہی تصور سے آگاہ کرتا رہا ہے۔ انبیاء کسی استدلال کے بغیر انسان کو اس تصور کے موٹے موٹے اثرات بیان کرتے رہتے ہیں۔ یعنی انبیاً سلسلہ قوانین عالم کے صرف ان ضروری حلقوں کو سامنے لاتے ہیں جو انسانی ذہن کے مطابق اس کی عملی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح انسان کو شروع ہی سے خالق کے عملِ تخلیق کے تحت انبیاء کے ذریعہ جو راہنمائی دی جاتی رہی ہے اس تعلیم کا اصلی یا بنیادی حصہ معاشرے کے ارتقا کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا ہے۔ جب معاشرہ اس حد تک ترقی کر گیا کہ اس کی زندگی فطرت انسانی کے تمام ضروری پہلوؤں پر حاوی ہونے لگی تو اس وقت نبوت کی تعلیم بھی فطرتِ انسانی کے تمام ضروری پہلوؤں پر پھیل گئی۔ اس کے بعد انبیاء کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ دنیا میں ایک ایسی قوم وجود میں آجاتی ہے جس کی زندگی کے تمام ضروری شعبے کائنات کے صحیح تصور کی بنیادوں پر اٹھ چکے ہوتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کیونکر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ انسان تھے جو انسان کی اصلاح کے لیے خالق کی طرف سے فوری ارتقا کے نتیجہ میں مبعوث کیے گئے تھے۔ یہ نہایت اہم سوال ہے لیکن جب ہم اپنی فکر کے تحت اس راہنمائی پر غور کرتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ تمام بنیادی حقائق جن کا تخلیق انسانی سے تعلق ہے وہ اس راہنمائی میں واضح طور پر بیان کر دیے گئے ہیں۔ لہٰذا آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ذات گرامی تھے جو انسانیت کی راہنمائی کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ ہماری فکر کے مطابق

Marfat.com

حقیقی راہنمائی کے اندر مندرجہ ذیل بنیادی حقائق کا موجود ہونا لازمی ہے۔

(۱) جیسا کہ ہم تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں کائنات کی تخلیق انسان ہی کی تخلیق ہے انسانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی کا خود شعور ہو جانا اس بات کی شہادت ہے کہ زندگی خالق کی محبت اور عبادت کے سوا کچھ نہیں۔ زندگی کے اندر خالق کی آگہی یا اس کی جھلک کی نمود جس سے انسان کو اپنی ذات یا حقیقت کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر معلوم کرے۔ اپنے آپ کو مکمل طور پر معلوم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسری حقیقت کو تلاش کرے جو خود اس کی تخلیق کا باعث ہے اور جس کی کشش یا ادنے 'جھلک اس کے اندر خود شعور زندگی بن کر ابھری ہے۔ لہٰذا حقیقی راہنمائی کے اندر خود شعوری کے اس فطری تقاضا یعنی یہ کہ وہ کون ہے اور دوسری حقیقت جس کی اسے تلاش ہے کیا ہے کی واضح طور پر نشاندہی ہونا ضروری ہے دوسرے لفظوں میں انسانی زندگی چونکہ خالقِ کائنات کی محبت اور کشش کے سوا کچھ نہیں لہٰذا حقیقی راہنمائی کے اندر انسان کو واضح طور پر یہ بتانا ہوگا کہ اس کی زندگی کا مقصد اور محور صرف خالقِ کائنات ہے اور پھر یہ کہ کائنات کی تخلیق یعنی خود اس کی تخلیق ایک وحدت یا یونٹ کے اندر رہتے ہوئے ہوتی ہے لہٰذا کائنات یعنی انسان کا خالق بھی واحد یعنی ایک ہی ہے۔

(۲) ہر مرحلۂ تخلیق پر اس مرحلہ کی زندگی کی مکمل شعوری اقدار کیونکہ مرحلہ کی تکمیل سے پہلے ظاہر ہونا ممکن نہیں لہٰذا حقیقی راہنمائی کے اندر ایمان بالغیب کی شرط ہونا لازمی ہے تاکہ انسانی خود شعوری اپنے مقصد کی یقین دہانی کی وجہ سے نہ صرف روحانی طور پر اطمینان و سکون حاصل کر سکے بلکہ ایمان و یقین کی وجہ سے غیر متزلزل طور پر بتدریج اس کے حصول کی خاطر آگے بڑھ سکے۔

(۳) تخلیق کا ایک بڑا اصول ہمیں یہ بتاتا ہے کہ تخلیق جب کسی تکمیل کو حاصل

Marfat.com

کر دیتی ہے تو وہ نہ تو اس کو بدلتی ہے اور نہ اس کو ضائع کرتی ہے۔ لہٰذا حقیقی اور آخری راہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ وہ انسانی مرحلۂ تخلیق کی تکمیل تک محفوظ رہے یعنی خواہ کتنے ہی حوادث زمانہ یا انقلابات کیوں نہ آئیں ان سے نہ تو راہنمائی کی صداقت پر کوئی اثر پڑتا ہو اور نہ ہی ان قدروں کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ ہو۔ اور پھر چونکہ کائنات ایک وحدت ہے اور اس کا خالق بھی واحد ہے لہٰذا انسان کا مقصد بھی ایک ہے اس لئے صحیح راہنمائی کا تقاضا ہے کہ اس کے بنیادی اصول غیر متبدل اور کائناتی ہوں۔

(۴) جس طرح زندگی ایک کل میں رہتی ہے اور اس کی قدریں بٹ نہیں سکتیں، اسی طرح حقیقی راہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہو اور اس کی تمام قدریں ایک کل کے تحت اٹھیں۔

(۵) حقیقی راہنمائی کی اہم شرط یہ بھی ہے کہ وہ انسان کی روحانی اور ذہنی قدروں کے لئے نہ صرف اپنے اندر فطری کشش رکھتی ہو بلکہ ان کی تسکین کا باعث بھی ہو۔

(۶) حقیقی راہنمائی چونکہ تخلیقی مرحلہ کی ان تمام قدروں پر حاوی ہوتی ہے جن کا ظاہر ہونا ابھی باقی ہوتا ہے لہٰذا حقیقی راہنمائی کے اندر اس اعجاز کا ہونا ضروری ہے کہ وہ ہر فردِ انسانی کو اس کی شعوری سطح کے مطابق اس کی روحانی اور ذہنی قدروں کو مطمئن کر سکے۔ نہ صرف یہ بلکہ جیسے جیسے انسان مقصد کی طرف بڑھتے ہوئے روحانی اور ذہنی طور پر بلند ہوتا چلا جائے، انسان کی اس بلند سطح پر بھی وہ اس کی راہنمائی کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہو۔

(۷) زندگی کیونکہ ایک مسلسل عمل ہے لہٰذا انسان کو مقصد کی طرف بڑھنے کی خاطر اپنے سابقہ مراحل یعنی نفسی زندگی سے تعلق رکھنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا

Marfat.com

حقیقی راہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ وہ انسان کے روحانی جذبہ کی تکمیل اور نفسی زندگی کی ضروریات کی تکمیل کا اطمینان بخش حل پیش کرتی ہو۔ انسانی زندگی کا اصلی جذبہ محرک چونکہ اس کی روحانی قدروں کی تسکین ہے اور نفسی یا حیوانی ضروریات روحانی مقصد کے حصول کا محض ذریعہ ہیں لہٰذا حقیقی راہنمائی کے لئے یہ نہایت اہم ہے کہ وہ نفسی ضروریات کی تکمیل روحانی قدروں کے تحت کرنے پر زور دیتی ہو۔ اور اس کے لئے باقاعدہ قواعد وضوابط فراہم کرتی ہو۔

(۹) تمام انسانوں کا مقصد ایک ہونے کی وجہ سے اُنکے اندر کسی قسم کا تفرقہ پیدا کرنا جہالت ہے دوسرے کیونکہ انسان کی زندگی بذات خود خالق کائنات کی کشش ومحبت کے سوا کچھ نہیں اور خالق کا مقصد انسان کی روحانی اور شعوری اقدار کی تکمیل ہے لہٰذا ہر دو' یعنی خالق اور تخلیق کا مقصد ایک ہی ہونے کی وجہ سے انسان کو انسان سے محبت رکھنا اس کی زندگی کا فطری تقاضا ہے اور اسی طرح تمام انسانوں کا مل جل کر مقصد کی طرف بڑھنا عمل تخلیق کا اہم تقاضا ہے۔ لہٰذا حقیقی راہنمائی انسان کے اندر کسی قسم کے امتیاز خواہ وہ رنگ نسل یا قومیت ہو اور خواہ وہ دولت' طاقت یا عقل ہو' کو گوارا نہیں کرتی۔ دوسرے لفظوں میں حقیقی راہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے تمام امتیازات کی جو انسان کی وحدت کو ٹکڑوں میں تقسیم کرتے ہوں سختی سے مذمت کرے۔

(۹) خالق کیونکہ ابدی حقیقت ہے اور انسان کے اندر خالق کی جھلک کے نمود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ابدی حقائق کا ادراک رکھتا ہے لہٰذا وہ موت وفنا سے آزاد ہے۔ موت صرف نفس کو آتی ہے کیونکہ نفسانی سطح تک انسانی زندگی ابھی ابتدائی ادنیٰ تعمیری حالتوں میں تھی۔ لہٰذا اس حد تک تغیر وتبدل عمل تخلیق کا ایک لازمی حصہ ہونے کی وجہ سے نفس پر موت مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے لازمی ہے۔ حقیقی راہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفسی زندگی اور انسان کی روحانی اور شعوری

Marfat.com

اقدار کے فرق کو واضح طور پر بیان کرے۔ نفسی زندگی جو کہ انسان کی خود شعور زندگی کے نیچے بطور بنیاد عارضی نوعیت کی ہوتی ہے اسے ہم دنیا کی زندگی کہہ سکتے ہیں اور انسان کی خود شعوری یعنی روحانی زندگی جو خالق کے ابدی حقائق کا ادراک کرنے کی وجہ سے ابدیت سے ہمکنار ہوتی ہے اسے ہم آخرت کی زندگی سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا بنیادی حقائق کے تحت اب اگر ہم دینِ اسلام پر یعنی وہ راہنمائی جسے خالق نے اپنے عملِ تخلیق کے تحت انسان کو مقصد کی طرف بڑھنے کیلئے مہیا کی ہے، غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام ان تمام حقائق کی جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے پوری طرح تصدیق کرتا ہے۔

اس مختصر کتاب میں ہمارے لئے دین اسلام کی مکمل تشریح کرنا ممکن نہیں تاہم یہاں ہم نہایت اختصار سے اس عظیم انسانی راہنمائی یعنی دینِ اسلام کے چند بنیادی اصولوں کو لکھ رہے ہیں تاکہ ہمیں ان سے نہ صرف مندرجہ بالا حقائق کی تصدیق ہو سکے بلکہ اس کے ساتھ ہمیں اس تعلیم کی ہمہ گیری اور عظمت کا اندازہ بھی ہو سکے۔

(۱) سب سے پہلے ہمیں یہ تعلیم اس بات سے آگاہ کرتی ہے کہ کائنات ایک تخلیق ہے اور جس طرح کائنات ایک وحدت یا کل بن تخلیق پا رہی ہے اسی طرح اس کا خالق بھی ایک اور محض ایک ہے۔

(۲) کائنات کی تخلیق انسان کی تخلیق ہے اور انسان اپنی تخلیق کے موجودہ مرحلہ پر اپنے اندر خالق کی روحانی قدروں کی تکمیل کر رہا ہے تاکہ خالق کی اس

Marfat.com

روح کی تکمیل ہو سکے اور وہ اپنے خالق یعنی اصل سے مل سکے۔ خالق سے وصل ہی انسان کی جنت ہے اور اس سے محرومی، اُس کا دوزخ۔

(۳) دراصل جنت اور دوزخ انسان کی اپنے خالق سے دوری یا نزدیکی یا اس مقصد میں کامیابی یا ناکامی کے نتائج کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کامیابی یا ناکامی کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے یعنی جس حد تک انسان اپنے خالق کے قریب ہونے میں کامیاب ہوگا اسی حد تک وہ اپنی زندگی کے حاصل کو پا کر خوش ہوگا اور جس حد تک وہ اس کو پانے میں ناکام رہے گا اسی حد تک وہ گویا ذہنی دکھ اور درد میں مبتلا رہے گا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ یا جنت انسان کو محض سزا یا جزا دینے کے لئے نہیں بنائی گئی بلکہ یہ انسانی زندگی کی ان حالتوں کا نام ہے جو اسے اپنے مقصد میں کامیابی یا ناکامی کی حالت میں پیش آئیں گی دوسرے لفظوں میں جنت یا دوزخ انسان کو اپنے مقصد کی طرف لے جانے کے لئے عملِ تخلیق کا ایک فطری تقاضا ہے جس کے تحت انسان اپنی کامیابی یا ناکامی کو پرکھتا ہے۔ زندگی چونکہ خالق کی محبت و کشش سے علاوہ کچھ نہیں لہٰذا زندگی کے اندر خالق سے دوری یا نزدیکی کا احساس از خود ابھرتا ہے۔ اس طرح دوزخ یا جنت انسان پر باہر سے مسلط نہیں کی جاتی۔ جہاں تک جنت کی خوشی اور دوزخ کی تکلیف کا تعلق ہے زندگی کے اگلے مرحلہ پر ان کا معیار کسی طرح بھی زندگی کی مادی حالتوں کے اندر لذت اور تکلیف سے کم نہیں بلکہ اس خوشی کا معیار روحانی ہونے کی وجہ سے یقیناً انسان کے اپنے اس موجودہ مرحلہ پر تصور سے باہر ہے اور اسی طرح ناکامی کی حالت میں دکھ درد کا معیار بھی یقیناً انسان کے موجودہ دکھ درد کے معیار سے نہیں ناپا جا سکتا۔ یعنی وہ بھی انسان کا اپنے مقصد کو کھونے کی وجہ سے حد سے زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔

Marfat.com

(۴) خالق کی طرف سے تخلیق کی شعوری اقدار کے مطابق تخلیق کے اندر سے اس کی راہنمائی کا انتظام موجود ہوتا ہے۔ انسانی مرحلۂ تخلیق پر بھی خالق کی طرف سے اس راہنمائی کا ملنا اصولِ تخلیق کا عین تقاضا ہے۔ اس طرح انسانی خود شعوری کا یہ فطری تقاضا ہے کہ وہ اپنی روحانی اور ذہنی پیاس بجھانے کے لئے خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی اور اس کی تعلیم پر ایمان بالغیب رکھے۔ لہٰذا دینِ اسلام انسان کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ اس کے اطمینانِ قلب اور مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف اپنی خود شعوری کی تکمیل کے لئے ان قدروں پر جو ابھی اس کے سامنے کھل کر نہیں آئیں ایمان بالغیب رکھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کے بھیجے ہوئے رسول اور نبی پر بھی اتنا ہی ایمان رکھے کیونکہ یہ وہ پیغمبر ہی ہوتا ہے جسے خالق اپنے عملِ تخلیق کے اصول کے تحت تخلیق کی شعوری قدروں کے مطابق اسے زندگی کے آئندہ سفر کی راہنمائی اور اس کے اصول و ضوابط سے آشنا کرتا ہے لہٰذا نبی یا پیغمبر اور اس کی تعلیم پر ایمان انسان کی خود شعوری کا فطرتی تقاضا ہے اور جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے یہ تخلیق کے اٹل اور مستقل اصولوں میں سے ایک تخلیقی حقیقت ہے۔ دین اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ انسان ایک تخلیق ہے اور اس کا ایک خالق ہے اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خالق کی طرف سے انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں جن پر ہمارا ایمان اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ خالق پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

(۵) اس تعلیم اور راہنمائی پر ایمان اور اس پر عمل کرنا انسان کا فرض ہے انسان کی معراج یا اس کی جنت خالق کائنات یعنی اپنے خالق کو پا لینا ہے۔ یہی اس کی زندگی اور یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ لہٰذا انسان حقیقی سکون تب ہی

Marfat.com

حاصل کر سکتا ہے جب وہ خالق سے محبت اور محبت کے تقاضوں کو پورا کرے۔ ایسے تمام اعمال جو اس مقصد کی طرف انسان کو لے جاتے ہیں وہ اعمالِ حسنہ یا دین اسلام کی رو سے انسان کی حقیقی اخلاقی قدریں ہیں۔ اس کے برعکس جو اعمال انسان کو اس مقصد سے دور لے جاتے ہیں یا اس کی طرف بڑھنے میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں وہ اعمالِ بد کہلاتے ہیں۔ جنت اور دوزخ کی تشکیل انسان کے انہیں اعمال سے ہوتی ہے۔

(۶) چونکہ تمام بنی نوع انسان کا مقصد ایک ہی ہے اور تمام انسان خالق کی تخلیق ہیں۔ لہٰذا انسان کو انسان سے اتنی ہی محبت ہونی چاہیئے جتنی کہ اس کو اپنے مقصد یعنی خالق کی طرف بڑھنے میں ہے۔ اس طرح انسان کا انسان کے اندر کسی قسم کی تمیز یا فرق کرنا گویا اپنے مقصد کی طرف بڑھنے میں رکاوٹ پیدا کرنا ہے لہٰذا دین اسلام کا یہ تقاضا ہے کہ انسان انسان کا احترام کرے۔ انسان کی بڑائی اس کے متقی ہونے میں ہے نہ کہ مال و دولت کی زیادتی یا مادی قوت میں۔ اسی طرح دین اسلام انسان کے اندر رنگ و نسل کی تمیز، قوم و وطن کی تمیز یا غریب و امیر کی تمیز یعنی کسی قسم کی تمیز کو کبھی گوارا نہیں کرتا اور ان کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔

(۷) بنی نوع انسان کا ایک مقصد ہونے کی وجہ سے انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر انسان کی روحانی اور نفسی ضروریات کا خیال رکھے۔ یاد رہے کہ خالق اپنی تمام تخلیق سے پیار رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ ان افراد سے محبت رکھتا ہے جو اس کی تخلیق سے محبت رکھتے ہیں۔ تخلیق سے محبت رکھنے کا مطلب ہے خالق کے عملِ تخلیق میں مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے حصہ لینا۔ اس طرح انسان کا انسان سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان نہ صرف اپنے خالق سے محبت کرتا

Marfat.com

ہے بلکہ اس کا یہ عمل بذاتِ خود اس کو مقصد کی طرف تیزی سے بڑھنے میں مدد دیتا ہے۔

(۸) انسان کی خود شعوری اس بات کی شہادت ہے کہ انسان کے اندر خالق کی آگہی موجود ہے۔ خالق کیونکہ بذاتِ خود ایک ابدی حقیقت ہے لہٰذا انسان کے اندر خالق کی آگہی کے موجود ہونے کا مطلب ہے کہ انسان خود بھی ابدیت سے ہمکنار ہے دوسرے لفظوں میں انسان کی خود شعوری پر موت حرام ہے۔ موت محض نفس یا حیوانی جسم جو کہ زندگی کی مادی حالتوں کے اندر دبے رہنے کی وجہ سے تغیر و تبدل کی زد میں رہتا ہے تک محدود ہے۔ لہٰذا نفسی زندگی کی موت کے بعد انسانی خود شعوری اپنے تمام اعمال کے ساتھ تعطل میں رہتی ہے تا آنکہ انسانی مرحلۂ تخلیق اپنی تکمیل حاصل کر کے اگلے مرحلہ پر قدم نہیں رکھ لیتا۔

(۹) انسان کا ہر عمل اس کے اندر محفوظ رہتا ہے اور وہ ہر عمل کے مطابق خواہ وہ ذرہ برابر کیوں نہ ہو اس کا بدلہ خالق کی نزدیکی یا دوری میں حاصل کرے گا۔ انسان کے ان اعمال کا اس کے ذہن میں من و عن محفوظ رہنا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ذکر ہم سابقہ صفحات پر کر آئے ہیں۔ انسانی اعمال کا ذہن کے اندر محفوظ رہنا اس بات کی شہادت ہے کہ انسان طبعی موت سے مرتا نہیں بلکہ وہ اپنی خود شعور زندگی میں مسلسل آگے بڑھتا رہے گا۔ لہٰذا جب انسانی مرحلۂ تخلیق اپنی تکمیل کو پہنچے گا تو دین اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات کی مادی یعنی دنیاوی حالتیں درہم برہم ہو جائیں گی۔ اور پھر جیسا کہ ہر مرحلۂ تخلیق کی تکمیل پر عملِ تخلیق کا اصول ہے زندگی انسان کے موجودہ مرحلۂ تخلیق کی مجموعی اقدار سے یکسر ایسی بلندی پر آغاز کرے گی جہاں صرف خالق کی روحانی قدریں یا اس کے

Marfat.com

جلال وجمال کا نظارہ ہوگا۔ انسانی مرحلۂ تخلیق کی تکمیل پر زندگی کی خودشعوری کی اس بلندی پر ہر انسان اپنی روحانی قدروں کے تحت خالق کی روحانی قدروں اور اس کے جمال وجلال کا نظارہ کر سکے گا اور پھر اس نئی روشنی میں خالق کی پہچان کرتے ہوئے اس کے قریب سے قریب ہوتا چلا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں وہی انسان جو اپنی خودشعوری کے موجودہ مرحلہ پر خودشعوری کی روحانی قدروں یعنی خالق پر ایمان اور اس سے محبت رکھتے ہوں گے وہی اپنی اس روحانی روشنی کے تحت خالق کی زیادہ سے زیادہ پہچان کر پائیں گے اس کے برعکس وہ لوگ جو خالق پر ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے اس روحانی روشنی سے محروم ہوں گے وہ گویا وہاں اندھے ہوں گے بالکل اس طرح جس طرح کہ حیوان انسانی خودشعور زندگی کی روشنی (جس کی وجہ سے وہ کائنات سے اپنے آپ کو باہر نکال لیتا ہے) کے مقابل اپنی مادی اور محدود حواس کی روشنی سے آگے نہیں دیکھ سکتا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے دینِ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ انسانی خودشعوری کے مرحلۂ تخلیق کی تکمیل پر اس کی مجموعی اقدار کے مطابق ہر انسان اپنے ذاتی عمل کا معاوضہ بقدر اس کے اپنے اعمال کے معاوضہ میں پائے گا۔ اگر انسان کے اعمال خالق کی محبت اور اس کی روحانی قدروں سے پرنور ہوں گے تو وہ خالق کے قریب ہونے کی وجہ سے بے پایاں خوشی و مسرت حاصل کرے گا۔ یہی اس کی جنت کا آغاز ہے اور اس کے برعکس جو انسان اس تخلیقی مرحلہ پر اپنی خودشعوری کے روحانی تقاضوں سے اندھا ہونے کی وجہ سے ایسے اعمال کے مرتکب ہوں گے جن کا تعلق یا مقصد اسی مرحلۂ تخلیق کی نفسی لذات تک محدود ہوگا ان کے لئے اگلے روحانی مرحلۂ تخلیق پر خالق کی پہچان کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے برخلاف ان کے اعمال انسانی قدروں کے خلاف ہونے کی وجہ سے، اگلے مرحلہ پر، انسان کی مجموعی اقدار

Marfat.com

کے حصول میں جس حد تک رکاوٹ کا باعث بنے ہوں گے اسی حد تک وہ ذہنی دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوں گے۔

(۱۰) انسانی مرحلۂ تخلیق پر اس کی ابتدا ہی سے خالق کی طرف سے انسان کی راہنمائی کے لئے جو انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں ان کی تعلیم بنیادی طور پر ایک ہی مقصد کی طرف راہنمائی تھی۔ اور اس تعلیم کا معیار انسان کی روحانی اور ذہنی تعمیر کے مطابق ہوتا تھا۔ انسان کا اپنے مرحلہ کی ابتدائی حالتوں یعنی بچپن کی حالت سے نکل کر بلوغت میں قدم رکھنے پر اسے آخری راہنمائی دی گئی۔ دینِ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کا اپنے مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے یہ آخری ضابطۂ حیات ہے اور اس کے ساتھ ہی خالق کی طرف سے نبوت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جب کوئی مرحلۂ تخلیق اپنی ابتدائی حالتوں سے نکل کر اپنے مرحلہ کی شعوری اقدار کی اس بلندی پر پہنچتا ہے جسے ہم نے بچپن سے نکل کر بلوغت میں قدم رکھنے کا نام دیا ہے تو ایسی حالت میں مرحلہ پر زندگی کے اندر اس کی تمام صلاحیتیں اِس قابل ہوتی ہیں کہ اگر زندگی کے اس دَور میں اُن کی اصلاح یا سمت مقرر کر دی جائے تو زندگی کو مرحلہ کی تکمیل تک مزید راہنمائی کی ضرورت نہیں رہتی۔ راہنمائی کا مقصد تخلیق کو اپنے مقصد سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تخلیق یعنی زندگی کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق آخری راہنمائی دے دی جاتی ہے تو اس کے بعد بار بار راہنمائی کی ضرورت نہیں رہتی اگر مکمل یا آخری راہنمائی کے بعد کسی اور راہنمائی کو بھیجا جائے تو اس کا مطلب مکمل راہنمائی کی توڑ پھوڑ یا اس کا ضیاع ہوتا ہے اور یہ عملِ تخلیق کے اصول کے خلاف ہے اب اگر ہم مندرجہ بالا سطور کے تحت انسانی مرحلۂ تخلیق پر خالق کی طرف سے مہیا کردہ آخری راہنمائی پر غور کریں تو ہمیں تاریخِ انسانی سے پتہ

Marfat.com

چلتا ہے کہ بنی نوع انسان کا یہ وہ دور تھا جب وہ اپنی روحانی اور شعوری قدروں کے ابتدائی دور سے نکل کر ایسے دور میں داخل ہو چکا تھا۔ جب روحانی اور شعوری طور پر اس کے اندر خالق اور تخلیق کے رشتہ کو سمجھنے کی صلاحیتیں مکمل طور پر ابھر آئی تھیں لہٰذا خالق کے عملِ تخلیق کے تحت ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انسان کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو راہنمائی دی گئی وہ مکمل اخلاقی ضابطہ حیات ہے جس کی قدریں انسانی زندگی کے تمام روحانی اور ذہنی تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اس راہنمائی کے بعد خالق کی طرف سے کسی اور راہنمائی کا ملنا عملِ تخلیق کے خلاف ہے۔

(۱۱) دینِ اسلام کو قبول کرنا انسان کی اپنی مرضی پر ہے کیونکہ اگر اسے زبردستی انسان پر تھوپا جائے تو یہ انسان کی آزادی کے خلاف ہوگا۔ انسان کا آزاد ہونا اس بات کی شہادت ہے کہ اس کا خالق خود آزاد ہے لہٰذا جیسا کہ ہم تفصیلاً بیان کر چکے ہیں خالق اپنی تخلیق کو بھی آزادانہ طور پر آگے بڑھاتا ہے یہ اسی آزادی کا نتیجہ ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح وہ خوشی اور تکلیف کا بھی خود ہی مالک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے اندر خالق کی روحانی اقدار آ جانے سے وہ آزادی سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ اس راہنمائی کو قبول یا انکار کرنے میں آزاد ہے لیکن اسے یاد رہنا چاہیئے کہ وہ اپنی فطرت کے تقاضوں کو کبھی نہیں بدل سکتا۔ اس کی فطرت یعنی اس کی خود شعوری کا تقاضا ہے کہ وہ حقیقتِ کائنات یعنی اپنے خالق کو دریافت کرے اور اس کی موجودگی پر غائبانہ ایمان رکھے اگر انسان اس راہنمائی پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے مقصد کی طرف سکون سے بڑھ سکتا ہے اس کے خلاف دوسرے تمام طریقے کیونکہ انسان کی محض سطحی عقل پر منحصر ہوتے ہیں لہٰذا وہ غلطیوں سے پُر ہوتے ہیں۔

Marfat.com

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ہماری اس کتاب کے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم دین اسلام کی تشریح کریں۔ مندرجہ بالا سطور محض دینِ اسلام کے چند بنیادی اصولوں کی نشاندہی کرتے ہیں، جن سے ہمیں اس دین کی بلندی اور انسان کے فطری تقاضوں کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے اب جیسا کہ زیرِ نظر مضمون سے ظاہر ہے ہماری اس تمام گفتگو کا مقصد اخلاقیات کے اندر تضادات کی وجہ پر غور کرنا تھا۔ مندرجہ بالا سطور سے ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ اخلاقیات کے اندر ان تضادات کے پیدا ہونے کی بڑی وجوہات یہ ہیں۔

(۱) انسان کو اپنے مقصد کا صحیح علم نہ ہونا۔ اخلاقیات جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے مقصد کی طرف سے متعین ہوتی ہیں۔ لیکن اگر اخلاقیات مقصد کی طرف سے متعین نہ ہوں یعنی محض انسان کے اپنے عقلی دلائل پر منحصر ہوں تو ان میں تضادات کا پایا جانا لازمی ہے۔ انسان چونکہ بذاتِ خود اپنی خود شعوری کے مرحلہ پر ایک تخلیق کی حیثیت سے پروان چڑھ رہا ہے اور اس کے سامنے مقصد کی قدریں ابھی کھل کر سامنے نہیں آئیں لہٰذا وہ محض اپنی سطح پر عقلی دلائل سے اپنے مقصد کو متعین نہیں کر سکتا۔ مقصد کا تعین ہمیشہ خالق کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کا ذریعہ وحی کہلاتا ہے یعنی خالق اپنی تخلیق کے اندر فوری ارتقار کے ذریعہ ایسے افراد کو چن لیتا ہے جو انسان کی شعوری سطح کے مطابق خالق سے براہ راست اطلاع پا کر انسان کو صحیح سمت سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ کائنات کی حقیقت کیونکہ ایک ہے اور اسی طرح تخلیق اور اس کا مقصد بھی ایک ہے لہٰذا مقصد کے حصول کے لئے سیدھا یا سچائی کا راستہ بھی ایک ہی ہے۔ باقی جتنے راستے بھی ہیں وہ چونکہ گمراہی کے راستے ہیں اس لئے اخلاقیات کے اندر ان تضادات کی سب سے بڑی وجہ انسانی عقل کے ذریعے مقصد کا تعین کرنا ہے اس کے خلاف خالق کی طرف سے راہنمائی وہبی و کسبی نہیں ہوتی بلکہ وہ عمل تخلیق

Marfat.com

کا مخصوص اور فطری تقاضا ہے جس کے تحت خالق ایسے انسانوں کو جو روحانی اقدار کی اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں، ان کو فوری ارتقائی عمل کے ذریعہ روحانی اور شعوری اقدار کی بلندی پر لاکر، ان کے ذریعہ انسان کی راہنمائی کرتا رہا ہے۔

(۲) تخلیقِ کائنات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ خالقِ کائنات خیرِ محض ہے۔ بدی اور شر کا وجود تخلیق کا اپنے مقصد کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انسان سے پہلے تخلیقی مراحل پر نیکی اور بدی کا کہیں تصور نہیں ملتا لیکن یہ تمیز انسانی مرحلہ تخلیق تک ہی کیوں محدود ہے۔ دراصل انسانی مرحلہ تخلیق سے قبل تمام مراحل کیونکہ انسانی زندگی کے تعمیری مراحل تھے اس لئے ان مراحل پر زندگی نامکمل ہونے کی وجہ سے اپنے حقیقی مقصد کو جاننے یا نیک و بد کی تمیز کرنے کی صلاحیت سے محروم تھی گویا جسے ہم انسانی روح کہتے ہیں وہ خالق کی ان تمام صفات و کمالات کا آئینہ ہے جن کا اظہار خالقؒ کائنات کی تخلیق کے دوران مختلف مراحل کے اندر کرتا رہا ہے اس طرح انسانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی کے اندر خالق کی روح منعکس ہو جانے سے انسان کے اندر براہِ راست خالق کی کشش و محبت پیدا ہو جاتی ہے لیکن زندگی چونکہ ابھی تخلیقی مرحلہ سے گزر رہی ہے اور اس کے اندر خالق کی فطری محبت اور آگہی ہونے کے باوجود خالق کی پوری روحانی قدریں سامنے نہیں ہیں لہٰذا وہ سابقہ زندگی کی نفسی لذتوں کو ہی مقصدِ حیات سمجھ کر خالق کی فطری محبت کا رخ مادی لذتوں کے حصول کی طرف موڑ دیتا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی فطرت کے اندر خالق کی محبت ہونے کی وجہ سے انسان اگر فطری طور پر نیک ہے تو بدی کیوں اختیار کرتا ہے۔ تو اس کی وجہ یہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ انسان مادی لذتوں کے فریب میں

Marfat.com

آکر اپنی آزادی کا غلط استعمال کرتا ہے اور اس طرح روحانی اور مادی لذتوں کے درمیان صحیح تمیز کرنے سے قاصر رہتا ہے ظاہر ہے اس طرح انسان اپنے فطری تقاضوں کو زیادہ دیر تک جھٹلا نہیں سکتا لہٰذا کچھ عرصہ تک اپنے آپ کو لذتوں کے حصول کے اندر دھوکہ تو دے سکتا ہے لیکن وہ اپنی روحانی محبت کو کبھی مطمئن نہیں کر سکتا۔ مختلف انسانی معاشرے جو خود ساختہ انسانی مقاصد کی پیروی کرتے ہیں ان کی نظروں سے صحیح مقصد اوجھل ہونے کی وجہ سے ان پر نفسانی خواہشات کی محبت اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو اولاً مختلف تصورات یا مقاصد کے آپس میں ٹکراتے رہنے کی وجہ سے اور پھر ذاتی طور پر خود اپنے فطری دباؤ کے غلط استعمال سے سخت اذیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس طرح جنگ و جدل، ظلم و ستم شرارت اور بدی کی منفی قدریں جن کی بنیادی وجہ انسان کی اپنے مقصد سے لاعلمی یا جہالت ہوتی ہے انسانی معاشروں میں داخل ہوجاتی ہیں اور انسان ان منفی قدروں کے اندر بٹ کر ایک دوسرے کا خون بہاتا ہے۔

(۳) ایک غلط معاشرہ یعنی قوم اپنے غلط نظریۂ حیات کی وجہ سے روحانی اطمینان سے ہمیشہ بے بہرہ رہتی ہے اس کی گمراہی کی وہی وجہ ہوتی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ تاہم غلط نظریات ان معاشروں کے اندر انسان کی روحانی قدروں کو آہستہ آہستہ کچلتے رہتے ہیں اور بالآخر معاشرے کی مکمل تباہی کا باعث ثابت ہوتے ہیں ایسے معاشرے جو اپنے اندر نئی روحانی شعوری قدروں کے باوجود زندگی کو سابقہ مرحلہ کی ادنے' لذتوں کے حصول کی طرف مکمل طور پر منعطف کر دیتے ہیں وہ شیطان کے الجھاؤ اور فریب میں پوری طرح گرفتار ہوتے ہیں۔ شیطان ایک منفی قوت ہے جو انسان کو اس کے فطری تقاضوں کے تحت مقصد کی طرف آگے بڑھنے کی بجائے اس کو زندگی کی سابقہ جاہل قدروں کی طرف

Marfat.com

کشش کرکے گمراہ کرتی رہتی ہے تاہم شیطان یا اس منفی قوت کا وجود عمل تخلیق کے تحت پیدا ہوتا ہے اور اس کا مقصد صحیح اور غلط یا نیکی اور بدی کے نتائج سے انسان کو آگاہ کرکے اسے بالآخر ہانک کر صحیح راہ کی طرف لانا ہے۔ صحیح راہ کی طرف ہانک کر لانے کا مطلب ہے کہ ایسے تمام معاشرے یا قومیں جو خالق کے عمل تخلیق کے تحت مہیا کردہ راہنمائی سے منہ موڑ کر مکمل طور پر شیطان کے دام مکروفریب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زندگی کا رخ مادی لذات کے حصول کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کے تجربات اذیت ناک تصویر بن کر ظاہر ہوتے ہیں اور انہیں اپنی غلط روش کے نتیجہ میں تباہی کے کنارے لا کھڑا کرتے ہیں تو وہ اپنی فطرت کے تقاضوں کے تحت بالآخر صحیح راہنمائی کی طرف لوٹنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

(۴) وہ انسان جو خالق کی راہنمائی کے تحت تخلیق پاتے ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو راہنمائی کی شرط اولین یعنی اپنے حقیقی مقصد پر ایمان بالغیب رکھنے میں کمزور ہوتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے اعلیٰ مقصد کی اقدار پر یقین تو رکھتے ہیں لیکن وہ قدریں کیونکہ ابھی کھل کر سامنے نہیں آتیں جس کی وجہ سے وہ ذہنی یا روحانی طور پر لطف اندوز ہو سکیں لہٰذا وہ اکثر مادی لذتوں کی طرف بہک جاتے ہیں۔ گویا ایسے لوگ شیطانی وسوسوں میں گھرے رہتے ہیں۔ وسوسہ ہمیشہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں شک پیدا ہو جاتے گویا اپنے مقصد پر ایمان بالغیب ہونے کے باوجود ضرورت سے زیادہ جب انسان مادی خواہشات اور اس کی لذتوں کے حصول کی طرف جھک جاتا ہے تو اسے ہم شیطانی وسوسوں کا شکار کہیں گے اور ایسے عمل کو شیطانی عمل کہا جائے گا۔ اس طرح شیطان ایک ایسی منفی حقیقت ہے جو نہ صرف ایماندار انسان کے اندر

Marfat.com

وسوسے پیدا کرتا ہے بلکہ وہ ایسے اعمال پر اکساتا ہے جو اس کے صحیح سمت کی طرف بڑھنے کے لئے رکاوٹ کا باعث بنیں۔ لیکن یاد رہے شیطان خود عمل نہیں کرتا وہ تو زیادہ تر انسان کے ایمان کے اندر وسوسے ڈالتا ہے۔ یعنی اس کو اپنی نامکمل عقل کے تحت اپنی الگ راہ اختیار کرنے پر اکساتا ہے۔ بُرے عمل انسان ہی کرتا ہے۔ یہاں بھی شیطانی وسوسوں کا وجود عمل تخلیق کے تحت پیدا ہوتا ہے اور ان کا مقصد انسان کو اپنے اندر ایمان کی پختگی یا کمزوری سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ جہاں تک شر کا تعلق ہے اس کا وجود جہالت سے پیدا ہوتا ہے اور جہالت انسان کا اپنے صحیح مقصد سے لاعلمی کا نام ہے۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۲

راہنمائی اور عقل

ہم نے اس مختصر کتاب میں کائنات کے اسرار و رموز یعنی کائنات کیا ہے اور انسان کون ہے خالق اور تخلیق کا رشتہ کیا ہے، زندگی اور زندگی کا مقصد کیا ہے اور اس طرح عملِ تخلیق اور موت حیات کے علاوہ ایسے ہی بہت سے دوسرے سوالات جو اب تک انسانی ذہن میں اُبھرتے رہے ہیں ان کے جواب کو نہایت اختصار سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں جو گفتگو اس کتاب میں کی گئی ہے اس کو اگر ہم نے پوری طرح سے ذہن نشین کر لیا ہے تو ہم پر واضح ہو گیا ہو گا کہ کائنات دراصل انسان کی تخلیق کی ایک لمبی روحانی داستان ہے جو مختلف مراحل سے گذرتی ہوئی بالآخر انسان کے موجودہ تخلیقی مرحلہ پر پہنچی ہے اور جہاں اُس کے اندر خالق کی روح یا جھلک نمودار ہو جانے سے اُسے اپنی حقیقت یا ذات کا الگ سے احساس ہو گیا ہے اس طرح کائنات کے اسرار و رموز انسان کے اپنے ہی اسرار و رموز ہیں لہٰذا کائنات کی عظمت انسان کی عظمت ہے اور انسان کی عظمت سے ہیں اس کے خالق کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔

انسان عظیم ہے اور اس کا مقصد عظیم ہے لیکن اس کے باوجود جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں، انسان کے اندر زبردست انتشار پایا جاتا ہے فطری طور پر ایک مقصد رکھنے کے باوجود وہ ایک دوسرے کا دشمن ہے، انسان، انسان کے ہاتھوں قتل ہوتا ہے یہ بڑی بڑی جنگیں لڑتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اندرونی یعنی ذہنی طور پر بے کل اور بے چین رہتا ہے ایک طرف تو وہ ابدی حقائق کا وجدان کر سکنے کی وجہ سے اتنی بلندی پر فائز ہے اور

Marfat.com

دوسری طرف اس کی پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو پہچاننے سے قاصر ہے اب اگر ہم عمل تخلیق کے فطری تقاضے سے واقف ہیں تو ہمارے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان انتشار اور بے چینی کا شکار کیوں ہے۔ عملِ تخلیق پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے اندر انتشار اور بے چینی کی وجہ انسان کا خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کو پسِ پشت ڈال کر خود اپنی عقل سے اپنی راہ متعین کرنے کی کوشش ہے۔ خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی سے منہ موڑ کر مختلف تصورات اور نظریات جو انسان نے خود اپنی عقل سے وضع کئے ہیں، اگرچہ ان کا محرک انسان کا اپنے آپ کو اور اس سے اپنے خالق کو معلوم کرنے کا فطری تقاضا اور انسانی اصلاح تھا لیکن جیسا کہ عملِ تخلیق سے واضح ہے ایک تو انسان کا ادنیٰ تخلیقی حالت سے اپنی اعلےٰ تخلیقی حالت یعنی اپنی صحیح سمت یا مقصد کو خود بخود متعین کرنا ممکن نہیں ہے دوسرے تخلیق ہمیشہ خالق کے جذبۂ محبت اور اس کے منشا کے مطابق پروان چڑھتی ہے لہذا انسان اسی سمت تخلیق پا سکتا ہے جس سمت کی نشان دہی خود خالق کی طرف سے کی گئی ہو۔

کہا جا سکتا ہے کہ اگر خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی انسانی فطرت سے مطابقت رکھتی ہے تو پھر انسان اس راہنمائی کی طرف بڑھنے کی بجائے اس کی مخالفت کیوں کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ لوگ جو اس راہنمائی کو تسلیم کر کے اس پر عمل کرنے کے دعویدار ہیں ان کے اندر گزشتہ ڈیڑھ دو صدیوں سے جو ایک زبردست انحطاط کی لہر دوڑ اٹھی تھی اور ابھی تک صحیح طور پر سنبھل نہیں پائے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ان سوالات کا جواب مشکل نہیں جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے اس کی تین بڑی وجوہات ہیں۔

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ خالق کی طرف سے راہنمائی اس وقت ملتی رہی ہے، جب انسان مقصد کی طرف بڑھنے کی بجائے جمود کا شکار ہو جاتا رہا ہے۔ لہذا ایسی صورت میں

Marfat.com

تخلیق کے اندر جب خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کی نئی قدریں ظاہر ہوتی ہیں تو اس کا مطلب زندگی کی پرانی قدروں کی موت و فنا ہوتا ہے لہٰذا وہ لوگ جو کچھ عرصہ سے ان پرانی قدروں کے ساتھ چپکے چلے آتے ہیں وہ زندگی کی ان نئی قدروں کے قبول کرنے میں نہ صرف پس و پیش کرتے ہیں بلکہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان کی مخالفت کرنا وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں، زندگی چونکہ مقصد سے الگ نہیں رہ سکتی خواہ وہ مقصد کیسا ہی کیوں نہ ہو لہٰذا انسان جب تک کہ اُس کو زندگی کی نئی قدروں کا اچھی طرح یقین نہ ہو جائے اپنی سابقہ قدروں کو چھوڑنے کے اندر گویا وہ اپنی ذہنی موت تصور کرتا ہے

(۲) خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی اگرچہ انسان کے فطری تقاضوں کے مطابق اسے نہ صرف اس کے صحیح مقصد سے آگاہ کرتی ہے بلکہ اس کے حصول کے لئے باقاعدہ ضابطۂ حیات مہیا کرتی ہے تاہم چونکہ عملِ تخلیق کے تحت مقصد کی قدریں مرحلہ کی تکمیل سے پہلے کھل کر سامنے نہیں آتیں لہٰذا جب تک وہ اقدار ظاہر نہیں ہوتیں اور مقصد سامنے نہیں آجاتا ان پر ایمان بالغیب رکھنا ضروری ہوتا ہے لیکن اس کے خلاف پرانی قدریں اور ان کے اندر جو کشش یا لذت ہوتی ہے وہ کشش یا لذت اگرچہ گھٹیا ہوتی ہے تاہم اس کا پہلے ہی سے انسان کو علم ہوتا ہے لہٰذا وہ ان لذتوں کے پورا کرنے کو ہی زندگی یا حیات کا مقصد سمجھتا ہے۔

(۳) انسانی مرحلہ تخلیق پر انسان کے خود شعور ہو جانے یعنی اس کے اندر خالق کی حقیقت یا روح موجود ہونے کی وجہ سے جہاں انسان کے اندر خالق کی بہت سی صفات کی کھل کر نمود ہوتی ہے ان میں انسان کے اندر قوتِ ازادی اور خالق کی صفت آزادی کی کھل کر نمود بھی شامل ہے لہٰذا انسان خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کو قبول یا رد کرنے میں آزاد ہے اگر راہنمائی کے قبول کرنے کیلئے انسان کو پابند بنا دیا جائے تو اس کی روح یا انا کی

Marfat.com

قدریں انسان کی خود شعوری کی سطح سے گر کر محض نباتی یا حیوانی مراحلِ تخلیق کے اندر زندگی کی مادی قدروں کی طرح مقید ہو کر رہ جائیں گو یا ایسا عمل، تخلیق کے خلاف ہے لہٰذا انسان کی راہنمائی اس کی آزادی کے احترام کے ساتھ ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام نہایت کھل کر اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ راہنمائی کے قبول کرنے میں انسان کو پورا اختیار ہے! اس کی وجہ یہی ہے کہ خالق آزاد ہے لہٰذا اس کے تخلیقی شاہکار یعنی انسان کو بھی یقیناً آزادانہ طور پر اس کی طرف بڑھنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کے اندر خود اپنے مقصد کی اچھائی یا برائی کا احساس ہونا لازمی ہے۔ اگر یہ احساس آزادانہ طور پر اس کے اندر موجود نہ ہو تو وہ خالق کی اس آزادانہ صفت سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے اپنے مقصد یعنی خالق کی طرف ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ لہٰذا انسانی خود شعوری کے مرحلہ تخلیق پر جہاں خالق کی طرف سے یہ مہیا کردہ راہنمائی عین انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق اس کو مقصد کی طرف لے جاتی ہے۔ وہاں اس راہنمائی کا یہ فطری تقاضا بھی ہے کہ انسان آزادانہ طور پر اپنے اندر اچھائی یا برائی کی تمیز کو پہچان کر اس کی طرف بڑھے! دراصل خالق اور تخلیق حسن و عشق کا روحانی معاملہ ہے۔ اگر عشق کو خود اپنا ہی پتہ نہیں تو وہ حسن کو کیونکر پہچانے گا۔

ضمناً یہاں اس حقیقت کا دھرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زندگی انسانی مرحلۂ تخلیق پر ہی آزاد نہیں ہے بلکہ زندگی کے اندر اس کے خالق کی یہ صفت روزِ آفرینش سے ہی موجود ہے ابتدائی تخلیقی مراحل پر جو کہ انسان ہی کی خود شعوری کے تعمیری مراحل تھے ان مراحل پر زندگی نہایت ادنےٰ شعوری حالت میں آغاز کرنے کی وجہ سے اپنے مقصد سے بہت دور

Marfat.com

تھی۔ لہٰذا اس کے اندر اچھائی اور برائی یا غلط اور صحیح کی سوچ پیدا نہیں ہوئی تھی ایسی صورت میں زندگی محض بڑی بڑی تنظیمی وحدتوں کے اندر علت و معلول کے تحت اپنے مرحلہ کی شعوری اقدار کی تکمیل کرتی رہی ہے اور پھر جیسا کہ ہمیں معلوم ہے تنظیم ایک مقصد کے تحت تشکیل پاتی ہے۔ لہٰذا جسے ہم علت و معلول کہتے ہیں اُس کا عمل اس بڑی تنظیم کی مجموعی شعوری قدروں کے تحت ہوتا رہا ہے دوسرے لفظوں میں تنظیم کی وحدت کے اندر علت بھی زندگی یا شعور کی قدروں کی حامل ہوتی ہے۔ علت و معلول گویا مجموعی تنظیمی وحدت کے تحت شعور ہی کی ادنیٰ احسیں ہیں جو تخلیق کے نہایت ہی ابتدائی مرحلہ پر محض شعور کے دھکیلنے کی قوت حس یا حرکت کے سوا زیادہ علم نہیں رکھتی تھیں۔ اس طرح اگر تخلیق پر غور کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ روزِ آفرینش سے ہی زندگی اگرچہ نہایت ہی ادنیٰ شعوری اقدار کی حامل تھی تاہم اس کے اندر حرکت کا وجود خواہ وہ علت و معلول کی صورت دھکیلنے کا عمل ہی کیوں نہ ہو زندگی کے اندر ادنیٰ درجہ کی آزاد حالت کو ظاہر کرتا ہے سچ تو یہ ہے کہ زندگی کے اندر خواہ وہ ایٹم ہی کیوں نہ ہو اگر آزادی کی یہ صفت نہ ہوتی تو حرکت ممکن ہی نہیں تھی!

اب ہم دوسرے سوال کی طرف آتے ہیں کہ وہ انسان جو اس راہنمائی کی روشنی میں آگے بڑھتے ہیں ان میں گاہے گاہے انحطاط کیوں پیدا ہوتا رہا ہے پہلے سوال کی طرح اس سوال کا جواب بھی مشکل نہیں ہے۔ سب سے پہلے یہاں یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کے اندر یعنی اُس کی اقدار میں تبدیلی ہرگز ممکن نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں ذکر کرتے آئے ہیں یہ ہے کہ خالق کی طرف سے مہیا کردہ

Marfat.com

راہنمائی مرحلۂ تخلیق کے مجموعی مقصد کو بیان کرتی ہے وہ انسانی عقل کی طرح جو کہ تخلیقی حالت میں ہونے کی وجہ سے محدود اقدار کی حامل ہوتی ہے۔ تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ لہٰذا جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے سب سے پہلی بات جو یہاں ذہن نشین رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ خالق کے عمل تخلیق کی رو سے مہیا کردہ راہنمائی کے پیروکاروں کے اندر اگر انحطاط پیدا ہوتا ہے تو اس انحطاط کی وجہ راہنمائی کی مستقل اقدار کے اندر کسی تبدیلی یا اُس کے مقصد کے اندر کوئی شبہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی وجہ راہنمائی کے پیروکاروں کی اپنی کوتاہی ہوتی ہے اور اس کوتاہی کی مندرجہ ذیل تین بڑی وجوہات ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی وجہ مخالف اور گمراہ لوگوں کی زبردست مخالفت کا سامنا ہے اس کی وجہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، ان گمراہ لوگوں کے وہ تمام نظریات ہیں جو انسانی عقل کی وجہ سے ترتیب دیئے جاتے ہیں اور جو وقت کے ساتھ فرسودہ ہونے کی وجہ سے اپنی تباہی کے جراثیم خود اپنے اندر رکھتے ہیں، یہ تمام نظریات خالق کی طرف سے مہیا کردہ روشنی کی زد میں رہتے ہیں لہٰذا ان لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے جن فرسودہ تصورات سے چپکے رہتے ہیں اُن کو اُس سے بچایا جائے! یہی وجہ ہے کہ اس وقت دنیا میں جتنے بھی انسان کے خودساختہ نظریات ہیں وہ کسی اور مذہب یا نظریہ سے اتنے خائف نہیں جتنے کہ دینِ اسلام سے خائف ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ ذہنی طور پر اتنے بیمار ہیں کہ چہ جائیکہ وہ خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کے تحت عارضی اور گھٹیا مادی لذتوں میں ہر وقت گم رہنے کی بجائے اُن کو اُن کے صحیح مقام پر رکھ کر روحانی خوشیوں کو حاصل کرنے کی طرف بڑھیں وہ اُلٹا بنی نوع انسان کو اس راہنمائی کی طرف بڑھنے سے روکنے میں اپنی تمام قوت ضائع کرتے رہتے ہیں۔

۲۔ دینِ اسلام یعنی خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کے پیروکاروں کے اندر انحطاط کی دوسری وجہ ایمان بالغیب رکھنے کے باوجود مادی لذتوں کے حصول کی طرف

Marfat.com

بہک جاتا ہے۔یہاں یہ ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے اور یہ نہایت اہم ہے کہ خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کے پیروکار بھی تخلیقی مرحلہ کے دوسرے انسانوں کے ہمسفر ہیں اور تخلیقی مرحلہ سے گذر رہے ہیں۔لہذا ان کا راستہ بھی دوسرے انسانوں کے راستہ سے کسی طرح کم پُرفریب اور خطرناک نہیں۔اس لئے اِن لوگوں کا مادی لذّتوں کی طرف بہک جانا ممکنات سے خارج نہیں۔تاہم دین اسلام کے پیروکاروں کے لئے واپس آنے کی راہ ہر وقت کھلی رہتی ہے، جبکہ دوسرے لوگوں کا اس راہنمائی سے بالکل الگ رہنے کی وجہ سے اصلاح کر پانا ممکن نہیں۔بہرکیف دین اسلام بنی نوع انسان کا دین ہے لہذا خالق کے لئے تمام انسان برابر ہیں۔اگر کوئی بھی انسان اس فطری راہنمائی سے کوتاہی برتتا ہے تو وہ اپنے انجام سے بچ نہیں سکتا۔البتہ جیسا کہ اُوپر کہا گیا ہے یہ ضرور ہے کہ دینِ اسلام کے پیروکاروں کا انحطاط عارضی ہوتا ہے، اس کے علاوہ یہاں ایک نہایت اہم بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ دینِ اسلام کے پیروکار جب کبھی بھی انحطاط سے باہر نکلیں گے تو وہ زندگی کے اسی مقصد اور راہنمائی پر گامزن رہیں گے جس پر کہ وہ پہلے چل رہے تھے یعنی اُن پر انسانی عقل یا انسان کے خود ساختہ نظریات یا مذاہب کی طرح وقت کے دھارے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔اس کی وجہ جیسا کہ ہم پچھلے بھی بیان کر چکے ہیں یہ ہے کہ خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی یا اُس کا مقصد غیر متزلزل ہوتا ہے۔خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کے تحت اگر کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو وہ اُنکی اقدار کی فروعات یا ان کی تشریح ہوتی ہے اور یہ تبدیلی، مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے عین فطرت کے مطابق ہوتی ہے لیکن اس کے برخلاف جو لوگ اس دینِ فطرت سے اپنے اذہان کو بند کر رکھتے ہیں ان کا طریق کار یہ ہے کہ جب اُن کا ایک نظریہ حیات ناکام ہو جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا نظریہ لے لیتا ہے اور پھر دوسرے کی جگہ تیسرا، اور اس طرح ان نظریات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اُن کی قدریں بھی بدلتی رہتی ہیں جس کے نتیجہ میں یہ اقوام بڑے بڑے

Marfat.com

خونی انقلابات سے گذرتی رہتی ہیں۔ یہ لوگ ان انقلابات کی وجہ وقت کا دھارا یا وقت کی تبدیلی کے سر منڈھ دیتے ہیں حالانکہ اِن انقلابات کی وجہ ان لوگوں کے غیر فطری نظریات ہوتے ہیں جنہیں فطرتِ انسانی غیر فطری سمجھ کر رد کرتی رہتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت خواہ وہ کسی خطے میں رہتا ہو یا وہاں کیسے بھی طبعی حالات ہوں وہ ایک ہی ہوتی ہے۔ انسان اپنی فطرت کو نہیں بدل سکتا دراصل اِن لوگوں کو ابھی تک یہ علم بھی نہیں ہے کہ یہ انقلابات کیوں آتے ہیں۔ عام طور پر یہ بھٹکے ہوئے لوگ اِن انقلابات کی وجہ مادی ترقی بتاتے ہیں، حالانکہ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انسانی خود شعوری کے مرحلۂ تخلیق پر تخلیق مادی قدروں کی طرف نہیں بلکہ ذہنی اور روحانی قدروں کی طرف بڑھ رہی ہے، لہٰذا انقلابات اگر آسکتے ہیں تو وہ روحانی اور ذہنی قدروں کی طرف ہی بڑھ سکتے ہیں۔

۳۔ دین اسلام یا خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کے پیروکاروں کے انحطاط کے اندر مصلحت کا پہلو بھی ہے اور یہ مصلحت بھی عملِ تخلیق کے تحت ہے، اس مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ گمراہ لوگ خود بخود دردناک اور خطرناک تجربات اور انقلابات سے گذر کر دینِ فطرت کی طرف لوٹیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دینِ فطرت کے خلاف جتنی بھی قوتیں کام کرتی ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ دینِ اسلام کے پیروکاروں کی صف میں انتشار پیدا کر کے دین اسلام کی روشنی کو اپنے لوگوں کی طرف بڑھنے سے روکے رکھیں لیکن جیسا کہ ہمیں معلوم ہے انسان فطری طور پر مجبور ہے کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد متعیّن کرے، اب ظاہر ہے کہ خالق کی طرف سے مہیا کردہ روشنی کی طرف سے جب یہ لوگ آنکھیں بند کرلیں گے تو انسان کی فطری خواہش کو مطمئن کرنے کے لئے ان کو خود ساختہ نظریاتِ حیات وضع کر کے لوگوں کے جذبۂ خود شعوری کو غیر فطری طور پر مطمئن کرتے رہنا ضروری ہے، لہٰذا پچھلی ڈیڑھ دو صدیوں میں انسان نے اور خصوصاً مغربی اقوام نے انسان کی خود شعوری کے اس فطری تقاضا کو مطمئن کرنے کے لئے جتنے بھی خود ساختہ نظریات حیات وضع کئے ہیں وہ

Marfat.com

غیر فطری اقدار پر مشتمل تھے لہذا ان کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہ اقوام نہ صرف دنیا کی دو بڑی جنگیں لڑ چکی ہیں بلکہ انسانی صفوں کے اندر انتشار، قتل و غارت، بے حیائی، لوٹ مار وغیرہ کا شکار ہونے کے علاوہ روحانی اور ذہنی طور پر تباہی کے کنارے آکھڑی ہوئی ہیں اور اعلانیہ اپنے آپ کو بیمار معاشرے کے نام سے پکارتی ہیں۔ لہذا ان لوگوں کو روحانی اور ذہنی طور پر اپنے آپ اور اپنے مقصد کو معلوم کرنے کی جتنی آج ضرورت ہے شاید ہی اتنی انسان کو پہلے کبھی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس انسانی گھٹن کے پیش نظر دینِ اسلام اب پھر پہلے سے بھی زیادہ سج دھج اور اپنی فطری مستقل اقدار کے ساتھ نہایت مستعدی اور پھرتی سے ابھر رہا ہے تاکہ انسان کو اس مایوسی اور گمراہی کے اندھیروں سے باہر نکال لائے۔ گویا دینِ فطرت کے پیروکاروں کا عارضی انحطاط ایسے ہی ہے جیسے کہ صحت مند جسم کے اندر جب بیماری اور گندگی کے جراثیم بڑھ جاتے ہیں تو اس کے صحت مند جراثیم کچھ عرصہ کے لئے چھپ جاتے ہیں تاکہ گندے جراثیم صحت مند جسم پر حملہ کرنے کی غرض سے جب پوری طرح اپنی کمین گاہوں سے باہر نکل آئیں تو ان کا ایک ہی دفعہ صفایا کیا جا سکے۔ سابقہ ڈیڑھ دو صدیوں میں دینِ فطرت کے خلاف اِن گمراہ لوگوں نے جتنے بھی اپنے لوگوں کو نظریاتِ حیات دیئے ہیں۔ ان کے پس پردہ گھٹیا مادی لذتوں کی تکمیل کرنا زندگی کا مقصد بتایا گیا تھا۔ یہاں اس اہم حقیقت کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ انسان چونکہ ذہنی اور روحانی قدروں کی طرف بڑھ رہا ہے لہذا گمراہ لوگوں کا خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کے روکنے کا پہلا سا طریقہ یعنی جنگ و جدل یا اسی قسم کے دوسرے حربے اب انسان کو اپنی فطری تقاضوں کی طرف بڑھنے سے نہیں روک سکتے تھے لہذا اِن لوگوں نے ذہنی سہارا ڈھونڈا۔ یعنی مختلف تصورات اور نظریات کے ذریعہ انسان کی خود شعوری کے فطری تقاضوں کو غیر فطری طور پر مطمئن کرنے کی طرف لگائے

Marfat.com

رکھا۔ بہر حال اب جب کہ یہ تمام نظریات باہر آچکے ہیں اور انسان نے دیکھ لیا ہے کہ وہ ان نظریات میں پھنس کر روحانی اور ذہنی طور پر موت کے کنارے آکھڑا ہوا ہے تو جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے، خالق کا دینِ فطرت اِن نظریات یا گندے جراثیموں کو ختم کرنے کے لئے از سرِ نو پہلے کی طرح بلکہ اور بھی زیادہ تازہ دم اور مؤثر ہو کر انسان کو گمراہی کے اندھیاروں سے نکال لینے کے درپہ ہے۔ راقم کی یہ ادنیٰ کوشش بھی خالق کی مشیت کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

انسان کے ان خود ساختہ تصورات یا نظریات نے انسان کو جواب تک نقصان پہنچایا ہے وہ ناقابلِ تلافی ہے۔ سچائی یا حقیقت کی راہ صرف ایک ہوتی ہے لیکن اسکے خلاف جھوٹ یا گمراہی کے ہزاروں راستے ہوتے ہیں جھوٹ یا گمراہی کے یہ راستے یا تو اندھیروں کے اندر گم ہو کر خود ہی تو ت کا شکار ہو جاتے ہیں یا پھر یہ ایک دوسرے سے الجھ کر اپنی فنا کا خود ہی سامان پیدا کر لیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اگرچہ کائنات کی حقیقت ایک ہے اور اس کا خالق بھی ایک ہے لہٰذا انسان اور اس کی منزل بھی ایک ہونے کی وجہ سے اس تک پہنچنے کی راہ بھی ایک ہے لیکن اس کے خلاف انسان کے خود ساختہ جتنے بھی نظریات اور تصورات پیدا ہوتے رہے ہیں وہ یا تو خود ہی، جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے؟ اپنے اندر تباہی کے جراثیم رکھنے کی وجہ سے ختم ہو گئے یا باقی جو ہیں وہ ایک دوسرے سے ٹکرا کر ختم ہو رہے ہیں۔ ہماری اس کتاب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم انسان کے ان خود ساختہ نظریات، تصورات کا یہاں تفصیلاً ذکر کریں کیونکہ ہماری فکر کے پیشِ نظر اِن نظریات کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی تاہم چند وہ نظریات جو پچھلی ڈیڑھ دو صدیوں میں یکے بعد دیگر مغرب میں رائج کئے گئے اور جن کے نتیجہ میں آج وہاں کا انسان اپنی حقیقت کو پہچاننے سے انکار کر رہا ہے ان میں سے

Marfat.com

چند ایک نظریات پر سرسری نظر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

نظریہ وطنیت

ہم یہاں سب سے پہلے وطن کے نظریہ کو لیتے ہیں اس نظریہ کا بانی میکاولی ہے اور اس کی کتاب "دی پرنس" اس نظریہ کے پیروکاروں کے لئے ایک مقدس کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس فلسفے کے مطابق انسان کی زندگی کا مقصد محض یہ ہے کہ وہ ملک کی حفاظت اور ترقی میں اپنے من تن کو لگا دے۔ اس سلسلہ میں اگر ملک کے حکمرانوں یا سیاستدانوں کو ملک کی خاطر فریب، مکاری دھوکہ بازی یا جھوٹ سے بھی کام لینا پڑے تو انہیں ایسا کرنے سے ہرگز گریز نہیں کرنا چاہیئے اس فلسفے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں جا بجا قومیتیں قائم ہو گئیں اور پھر قومی مفاد کے پیش نظر ہر قوم کے لوگ مذہب، انصاف اور نیکی کے نام پر دوسری اقوام پر مظالم ڈھاتے رہے۔ سیاستدانوں نے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور جہاں ضرورت سمجھی جھوٹ بول کر کام نکال لینے کو عین اخلاقی قدریں سمجھا اور ان پر عمل کرنے کو ڈپلومیسی، پراپیگنڈہ اور سیاست کے مہذب نام دے کر ان قدروں کی حوصلہ افزائی کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر سیاسی سسٹم کی طرح قومیت میں بھی چند اچھی باتیں ہیں مثلاً مقصد کا ایک ہونا، اتحاد، تنظیم اور اپنے مفاد کو قربان کر دینے کا جذبہ ایسی ہی صفات ہیں اور اگرچہ ان صفات کا اظہار ایک محدود مقصد کے لئے محدود لوگوں تک ہوتا ہے تاہم اس سے ملک کی معاشی، سیاسی اور انتظامی حالتوں کو بہتر بنانے میں بہت مدد ملتی ہے۔ چنانچہ ان قوموں کی مادی ترقی نے دوسری قوموں کو بھی متاثر کیا اور وہ گویا نفسیاتی طور پر ان قوموں کی محکوم بن کر رہ گئیں لیکن اس مادی ترقی کے خلاف اگر ہم یہ دیکھیں کہ

Marfat.com

اس نظریہ نے مجموعی طور پر انسانی قدروں کی کہاں تک حفاظت کی ہے اور پھر اس سے انسانیت کی مشکلات میں کس حد تک کمی آئی ہے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ہر ملک دوسرے ملک سے میکاولی ڈپلومیسی، سیاست اور غلط پراپیگنڈہ کی وجہ سے قریب آنے کی بجائے دور ہوتا چلا گیا۔ جب ہر ملک کا عقیدہ یہ ہو کہ اس کی جان و مال، عزت و آبرو سب وطن پر قربان ہے تو پھر وہ کسی دوسرے ملک کے حقوق اور تحفظ کی کیونکر پرواہ کرے گا۔ اس طرح انسانی اعلیٰ قدروں کی بجائے انسان کے قوموں میں بٹ جانے سے ہر قوم دوسری قوم سے حسد، بغض، کینہ اور دشمنی کو پروان چڑھاتی ہے۔

اگرچہ بظاہر ہر قوم اپنی اس باہمی مخاصمت یا دشمنی کو ڈپلومیسی کا رنگ دے کر نہایت شرمناک طریقہ سے ایک دوسرے کو دوستی اور بھائی چارے کا یقین دلاتی رہتی ہے تاہم یہ اندرونی مخاصمت اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے اور قوموں کو جنگ و جدل پر آمادہ رکھتی ہے۔ سابقہ دو عالمگیر جنگیں وطن یا قوم پرستی کے اسی عقیدہ کا نتیجہ تھیں۔ ان جنگوں میں جو انسانی زندگی کا ضیاع اور مادی تباہی ہوئی ہے وہ اب انسانی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔ اگر ہم دنیا کے گلوب پر سرسری نظر دوڑائیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ انسان نے وطن یا قومیت کے نام پر کرۂ ارض پر مختلف لائنیں کھینچ رکھی ہیں اور اس طرح انسان کو انسان سے ملک، قوم رنگ نسل اور زبان کے نام پر جدا کر رکھا ہے۔ یہ درست ہے کہ جنگ و قتال انسانی مرحلۂ تخلیق کے ابتدائی دور میں بھی ہوتا رہا ہے لیکن وہ لڑائیاں ایک تو مختلف نوعیت کی ہوتی تھیں اور دوسرے وہ قبائل کے اندر محدود رہتی تھیں۔ ان لڑائیوں کی وجہ محض معاشرتی اور قبائلی اختلاف ہوتے تھے۔ لیکن یاد رہے کہ ان محدود قسم کی

Marfat.com

لڑائیوں کی بڑی وجہ انسان کا مرحلۂ تخلیق کے ابتدائی دَور میں اپنے مقصد سے دور ہونے یعنی جاہلیت کی وجہ سے تھا۔ دوسرے وہ ایسا زمانہ تھا جب انسان جغرافیائی اور دوسری قدرتی رکاوٹوں کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی بستیاں بسا کر زندگی گزارتا تھا۔ اُسے ابھی قدرتی آفات سے بچنے اور موسموں کے تغیر و تبدل پر قابو حاصل نہیں تھا۔ لہٰذا وہ خانہ بدوشوں کی طرح جگہ جگہ بستیاں بنا کر رہنے پر مجبور تھا۔ اس کے مقابل جب ہم موجودہ انسان کو دیکھتے ہیں جو کہ مدت ہوئی ایک لمبے سفر کے بعد موجودہ ترقی یافتہ دَور میں داخل ہو چکا ہے اور جہاں اس کے سامنے وقت اور فاصلہ سکڑ کر رہ گئے ہیں؛ چہ جائیکہ وہ اپنی تاریخ سے کوئی سبق سیکھتا اس نے انسان کو قومی یا وطنی نظریات میں الجھا کر ایک دوسرے سے مستقل مخاصمت اور دشمنی کا لائسنس مہیا کر دیا۔ اس کا نتیجہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے یہ ہے کہ ہر قوم دوسری قوم کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس کے اندر غلط قومی وقار، نفرت اور دشمنی کی آگ ہر وقت سلگتی رہتی ہے۔ اگر انسان کا یہی حال رہا تو یہ آگ بالآخر تیسری عالمگیر جنگ کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

قوم پرستی کی اس گمراہ کن تعلیم کا یہی ایک پہلو نہیں ہے جو کہ انسانیت کے اندر انتشار کا باعث ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ المناک پہلو یہ ہے کہ انسان جو زندگی کے ایک ہی شعوری مرحلہ پر تخلیق پا رہا ہے اور جس کا فطری طور پر ایک ہی مقصد ہے اس کی تمام صلاحیتیں محض قومی سطح تک محدود ہو کر رہ جاتی ہیں اور اس طرح وہ نہ صرف انسانیت کے عظیم رشتہ سے کٹ کر الگ تھلگ رہ جاتا ہے بلکہ الٹا اپنی فطرت کے خلاف ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظر سے

Marfat.com

دیکھتا ہے جو نفرت اور دشمنی کو جنم دینے کا باعث بنتی ہے۔ بہر حال یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ انسان خالق کی طرف سے دی گئی راہنمائی سے منہ موڑ کر خود ساختہ نظریات کی بدولت اپنے آپ کو تباہی سے دوچار کر رہا ہے۔ کل کا انسان یقیناً آج کے قوم پرست انسان پر ایسے ہی افسوس کرے گا جیسا کہ آج کا انسان پہلے زمانہ کے قبائل کی جہالت پر افسوس کرتا ہے۔ آج کا انسان سمجھتا ہے کہ پہلے زمانہ میں قبائل اس لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے کہ وہ ادنے اشعوری اقدار کے مالک تھے اور ان کی ہمدردیاں محض اپنے قبائل تک محدود تھیں۔ وہ ان کو اس لئے جاہل کہتا ہے کہ وہ رنگ، نسل، زبان اور رسم و رواج کی حفاظت کرنا اپنا مقصد حیات سمجھتے تھے۔ سو کل کا انسان جو یقینی طور پر انسانیت کو ایک کل کی حیثیت میں دیکھے گا آج کے قوم پرست انسان کو گذرے ہوئے کل کی جہالت کے نمائندے کا نام دے گا۔

نظریہ جبلت

میکاولی کے بعد ہم یہاں مختصر طور پر میگڈ دگل کے نظریہ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ میکاولی کے فلسفہ نے اگر انسان کو رنگ و نسل اور زبان کی بنا پر ایک دوسرے سے جدا کرنے میں مدد دی ہے تو میکڈ ڈگل نے انسان کو اس کے افضل مقام سے گرا کر اپنی کتاب سوشل سائیکالوجی میں یہ نظریہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان محض ایک حیوان ہے جس کا کوئی فعل ایسا نہیں جس کا محرک اس کی کوئی حیوانی جبلت نہ ہو گویا جب تک انسان کو کوئی جبلت نہ اکسائے وہ نہ تو کوئی کام کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کام کے متعلق سوچ سکتا ہے۔ گویا اس شخص کے نزدیک حیوانی جبلتیں تمام انسانی اعمال کا سرچشمہ ہیں۔ اب اگر جبلت کو دیکھا جائے تو وہ کیا ہے؟ جبلت کسی خاص سمت میں عمل کرنے کا ایک فطری حیاتیاتی دباؤ ہے۔ یہ جبلتیں دو قسم کی

Marfat.com

ہیں۔ ایک قسم کی جبلتیں تو وہ ہیں جو حیوان کو ایسے اعمال کے لئے کشش کرتی ہیں۔ جن کا تعلق زندگی کو قائم رکھنے سے ہے۔ ایسی تمام جبلتوں کا تعلق کیونکہ براہ راست زندگی کے قائم رکھنے سے ہوتا ہے۔ مثلاً جبلت جنس، جبلتِ تغذیہ، جبلت امومت، جبلتِ اجتماعی، جبلت انقیاد وغیرہ جو حسن و محبت سے ماخوذ ہیں لہٰذا ان جبلتوں کی بجا آوری میں حیوان ایک خاص لذت محسوس کرتا ہے۔ اس کے برخلاف دوسری قسم کی وہ جبلتیں ہیں جن کا مقصد حیوانی زندگی کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً جبلتِ فرار، جبلتِ حجاب، جبلت غضب، جبلتِ تفوق اور جبلتِ نوم وغیرہ جو دفع یا نفرت سے ماخوذ ہیں۔ ان دونوں قسم کی جبلتوں کا مقصد بہر حال حیوانی زندگی کو قائم رکھنا اور اس کی حفاظت ہے۔

ہم اپنے فکر کے مطابق اس حقیقت کی اچھی طرح وضاحت کر چکے ہیں کہ انسان اگرچہ حیوانی مرحلۂ تخلیق کے ساتھ پیوستہ رہ کر اپنے مرحلہ کی تخلیقی حالتوں سے گذر رہا ہے لیکن ایک الگ مرحلہ کی حیثیت سے اس کے اعمال کا محرک اس کی خود شعوری یا اُس کا روحانی جذبہ ہے جہاں تک جبلتوں کا تعلق ہے ان کا محرک حیوانی مرحلہ تخلیق پر زندگی کی اپنی شعوری اقدار کی تکمیل اور اُن کی حفاظت ہے۔ لہٰذا یہ انسان نہیں ہے جو کہ جبلتوں کا مقیّد ہے بلکہ یہ حیوانی نفس ہے جس کے تمام اعمال جبلتوں کے تحت سرزد ہوتے ہیں حیوان زندگی کی مادی حالتوں کے اندر قید ہے۔ لہٰذا اُس کی سوچ یا اس کے محرکات بھی مادی سطح سے بلند نہیں ہوتے اور جبلتیں جیسا کہ ہم نے اُوپر کہا ہے نفس پر کسی خاص سمت میں عمل کرنے کا ایک خود کار حیاتیاتی دباؤ ہوتا ہے اور اُن کا مقصد حیوانی زندگی کو قائم رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا ہے لیکن اس کے خلاف انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسانی خود شعوری پر دباؤ مادی نہیں بلکہ ذہنی یا روحانی ہوتا ہے اور اس کا جذبۂ محرکہ روحانی طور

Marfat.com

پر اپنے آپ کی تلاش اور اس کے ذریعہ شعور مطلق کی تلاش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوان جب کوئی عمل کرتا ہے تو اُسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ یہ عمل خود کر رہا ہے کیونکہ وہ ہر عمل محض جبلتوں یعنی مادی حیاتیاتی دباؤ کے تحت کرتا ہے۔ اس کے مقابل ہر عمل جو انسان کرتا ہے اس کا انسان کو علم ہوتا ہے نہ صرف انسان کو اس عمل کا علم ہوتا ہے بلکہ اُس کو یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ وہ خود کوئی منفرد حقیقت ہے جو اس عمل کو کر رہی ہے اور جانتی ہے کہ یہ عمل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم اس کتاب کے کسی سابقہ باب میں سیر حاصل بحث کر چکے ہیں لہذا بار بار دہرانا مناسب نہیں۔ البتہ یہاں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ جبکہ حیوان کا شعور اپنے آپ سے آگاہ نہیں، انسان کا شعور اپنے آپ سے آگاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوان اپنی جبلتوں کی کبھی مخالفت نہیں کر سکتا اور اگر وہ اپنی کسی جبلت کی بظاہر مخالفت کرتا نظر آتا ہے تو اُس کا مقصد کسی ادنٰے جبلت کی تشفی کی بجائے کسی اعلیٰ اور طاقتور جبلت کی تشفی کرنا ہے اور اسکا مقصد زندگی کی حفاظت ہوتا ہے اسکے مقابل اگر انسان کی خود شعوری کے روحانی جذبہ کا یا اُس کی کسی قدر کے مجروح ہونے کا تقاضا ہو تو انسان، حیوانی نفس کے اس جبلی دباؤ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ مثلاً روزہ داروں کا بھوک پیاس کو روکنا، محبّ وطن سپاہیوں کا اپنی جان کی پرواہ نہ کرنا، راہبوں یا پارساؤں کا جنسی تعلقات سے پرہیز کرنا، سائنسدانوں اور سیاحوں کا طلب علم کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کرنا وغیرہ ایسے اعمال ہیں جو اپنے روحانی جذبہ کی اقدار کی آزادانہ طور پر حفاظت کرنے کو ظاہر کرتے ہیں۔

انسان کا جذبہ جیسا کہ ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے صرف ایک ہے اور وہ اُس کے اپنے آپ کی روحانی دریافت اور اس کے ساتھ حقیقت کائنات کی دریافت ہے اس کے خود شعور ہونے کا مطلب ہی یہی ہے کہ اُس کے اندر حقیقتِ کائنات کی آگہی موجود ہے لیکن اُس کے مکمل حقائق اُس کے سامنے ابھی پوری طرح کھل کر نہ آنے کی وجہ سے وہ ان کی

Marfat.com

تلاش میں رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی خود شعوری کے روحانی دباؤ کے تحت کائنات کا کوئی نہ کوئی مقصد یا تصور اپنائے پر مجبور ہے۔ یہ تصور خواہ غلط ہو یا صحیح خود شعور زندگی کا عین تقاضا ہے کہ وہ کائنات کے کسی نہ کسی تصور کو ضرور اپناتا ہے اگر انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ اُس کی اپنی کوئی منفرد حقیقت نہیں اور نہ ہی کائنات کی کوئی حقیقت ہے تو وہ انسانی مرحلۂ تخلیق کی خود شعوری کے مرحلہ پر رہ ہی نہیں سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ زندگی کسی مرحلۂ تخلیق پر بھی کیوں نہ ہو زندگی کا اپنا تقاضا ہے کہ وہ اپنی شعوری قدروں کے مطابق اپنا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور منتخب کرتی ہے لہذا انسان غلطی سے یہ تو کہہ سکتا ہے کہ کائنات کا کوئی خالق نہیں اور اُس کی زندگی بھی بغیر کسی مقصد کے محض حیواتی طبعی زندگی تک محدود ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو زندگی کے حقائق کے اس منفی رجحان کے اندر بھی انسان اپنی خود شعوری کا تصور پیش کرتا ہے گویا اس منفی تصور کے اندر بھی انسان کی خود شعوری کی ایک الگ اور منفرد حیثیت سے جھلک موجود ہے۔ ہم ایسے انسان کو یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنی خود شعوری کے رجحانات یا حقائق کی ادنٰے یا ابتدائی حالتوں پہ ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس کے اندر خود شعوری کا جذبہ بالکل موجود نہیں کیونکہ اگر خود شعوری کے جذبہ کو انسان سے الگ کر دیا جائے تو چہ جائیکہ وہ زندگی کے کسی مقصد کے ہونے یا نہ ہونے کو متعین کرے۔ اس کے اندر سرے سے ایسا سوچنا ہی ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جذبہ خود شعوری ہی تو ہے جو اُس کو مجبور کر رہا ہے کہ وہ اپنے آپ یا اپنی حقیقت کو اس کائنات میں متعین کرے اگر ہم اس جذبہ کو انسان سے نکال دیں تو پھر وہ جیسا کہ ہم نے اُوپر کہا ہے انسانی خود شعوری کے مرحلہ پر نہیں بلکہ حیوانی مرحلہ پر واپس لوٹ آئے گا، مگر ہمیں معلوم ہے کہ زندگی جب ایک مرحلہ پر داخل ہو جاتی ہے تو وہ واپس کسی ادنٰے تخلیقی مرحلہ میں لوٹ نہیں سکتی اُسے جو نئی شعوری روشنی ملتی ہے وہ اُس کو چھوڑ نہیں سکتی، مگر کیوں ؟ اس لئے کہ وہی تو اُس کی زندگی ہوتی ہے، کون ہے جو زندگی کو چھوڑ دے گا زندگی ہی

Marfat.com

تو ہے جو اس کے لئے کائنات میں کوئی مقصد بناتی ہے لہذا جیسا کہ عمل تخلیق کا اصول ہے انسان کی خود شعوری کبھی اس سے الگ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی واپس لوٹ کر حیوانی منزل میں داخل ہو سکتی ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان اپنی خود شعوری کے اس جذبہ کی غلط تشریح کرنے سے ایسے تصورات کو اپنا لیتا ہے جو اس کو خود شعوری کی سطح پر رہتے ہوئے حیوان کی سطح سے بھی نیچے گرا دیتا ہے، مثلاً اگر انسان اپنی خود شعوری کا مقصد محض حیوانی جبلّی تقاضوں کو پورا کر کے ان کی لذت حاصل کرتے رہنا سمجھتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حیوانی زندگی کے ان جبلّی تقاضوں کو پورا کرنے پر ایک ہی وقت میں انسان پر یک لخت دو دباؤ پڑنا شروع ہو جائیں گے ایک تو حیوانی نفس کا فطری دباؤ ہوتا ہے جس کا مقصد حیوانی شعوری اقدار یا حیوانی زندگی کی بقا اور حفاظت ہے اور دوسرا دباؤ وہ ہے جس کا تعلق خود شعوری کی اپنی قدروں کو مطمئن کرنے سے متعلق ہوتا ہے لیکن جسے انسان اپنی خود شعوری کے جذبہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط طور پر جبلّی لذتوں کے مطمئن کرنے کی طرف منتقل کر دیتا ہے

دوسرے لفظوں میں جبلی یا نفسانی خواہشات کے بجا لانے کو انسان اپنی زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھتا ہے اور اس طرح خواہ وہ جنسی لذت ہو یا کھانے پینے کی لذت یا پھر اولاد کی محبت ہو یا کوئی اور جبلی لذت، انسان اپنی تمام قوت کو ان لذتوں کے حصول کی طرف لگائے رکھتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان جبلتوں کو ان کے فطری تقاضوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوان جب کہ ان جبلی تقاضوں کی تکمیل عین ان کے فطری تقاضوں کے مطابق کرتا ہے اور وہ اپنی جبلتوں کی لذت کے لئے اتنی ہی کشش رکھتا ہے۔ جتنی کہ ان کی طبعی فعلیت کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے۔ لیکن انسان کے لئے یہ کشش حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ انسان اپنے صحیح مقصد یا فطری دباؤ سے ہٹ کر ایک غلط طریقہ سے اپنے آپکو مطمئن کرنے کی کوشش کرے

Marfat.com

گا تو وہ معاشرہ جو ان غلط قدروں پر اٹھے گا اس کے اندر سخت انتشار کی کیفیت رہے گی۔ ایسے معاشرہ کے اندر خواہ کیسے ہی اخلاقی یا روحانی اصول کیوں نہ نافذ کر دیئے جائیں وہ انسانوں کے اس غلط جذبہ کی وجہ سے کبھی قابلِ عمل نہیں ہو سکتے۔ حیوانی جبلتوں کی لذت کا حصول جب انسانی مقصد بن جائے گا تو اس کے نتیجہ میں قتل و غارت، جنسی جرائم اور ہر طرح کی ایسی برائیاں جن سے معاشرہ کے اندر انتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ معاشرے کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کرتی رہتی ہیں۔ انتشار کے علاوہ انسان اگرچہ اپنی خود شعوری کے روحانی جذبہ کو غلط طور پر مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنے روحانی جذبہ کو زیادہ دیر تک دھوکہ نہیں دے سکتا۔ لہٰذا وہ جلد ہی اپنے اندر ایک زبردست خلا کو محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔ جب کسی معاشرہ میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ معاشرہ ازسرِنو زندگی کی نئی تعبیریں تلاش کرتا ہے۔ یعنی وہ نئے تصورات کو جنم دیتا ہے اور پھر ان تصورات کے تحت اپنے اندر ایک زبردست انقلاب یا تبدیلی پیدا کر کے اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ مگر یاد رہے انسانی خود ساختہ تصورات کبھی انسانی خود شعوری کی راہنمائی نہیں کر سکتے۔ انسانی خود شعوری کی راہنمائی کا فریضہ خود خالق کی اپنی خالقیت کا تقاضا ہے۔ خالق اپنی تخلیق کی کس طرح راہنمائی کرتا ہے، اس سے متعلق ہم تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا انسانی خود شعوری کے جذبہ کو مطمئن کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی اور مقصد کو اپنائے۔ اس کے علاوہ وہ محض اپنی عقل کے ذریعہ اپنے مقصد کو متعین کرنے سے قاصر ہے۔

مندرجہ بالا مختصر تشریح سے ہم پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ میکڈوگل کا

Marfat.com

حیوانی جبلتوں کو انسانی اعمال کا سرچشمہ قرار دینا انسان کو جاہلیت اور گمراہی کے گہرے اندھیرے گڑھوں میں دھکیل دینے کے مترادف ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ انسان نے اپنی خود شعوری کے فطری جذبہ یعنی روحانی قدروں کو مطمئن کرنے کی بجائے اس جذبہ کا رخ حیوانی نفس کی مادی لذتوں کے حصول کی طرف موڑ دیا۔ گویا وہ شخص جو ماہر نفسیات سمجھا جاتا ہے اس نے انسان کی اصلاح کرنے کی بجائے اس کو حیوانی خواہشات کا مریض بنا کر رکھ دیا۔ مغربی معاشرے میں انسان کو اس کی اپنی روحانی قدروں سے توڑ کر اس کو زندگی کی مادی حالتوں کی طرف لوٹانے کا یہ ایک زبردست سانحہ تھا جس نے انسان کی ذہنی سطح کا رخ نفسی سطح کی طرف یعنی مادہ پرستی کی طرف موڑ دیا۔ انسانی معاشرے میں انتشار کے علاوہ روحانی طور پر جس طرح انسان کا آج کے مہذب معاشرے میں دم گھٹا جا رہا ہے۔ شاید ہی انسان پہلے ایسے حالات سے دوچار ہوا ہو۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ انسان جسے اپنے روحانی جذبہ کو مطمئن کرنے کے لئے خالق کے عمل تخلیق کے ذریعہ مہیا کردہ راہنمائی کی سخت ضرورت ہے اسے یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کی روحانی یا ذہنی صحت کا علاج حیوانی زندگی کی مادی حالتوں کے حصول میں ہے گویا میکڈوگل کے اس حیوانی نظریہ نے انسان کو یہ تعلیم دی ہے کہ حیوانی مرحلہ پر زندگی کیونکہ جبلی لذتوں کی وجہ سے مطمئن تھی۔ لہٰذا انسانی مرحلہ پر انسان بھی تب ہی مطمئن رہ سکتا ہے۔ اگر وہ حیوان کی طرح اِن جبلی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کو اپنا مقصدِ حیات بنا لے۔ دوسرے لفظوں میں انسانی مرحلہ پر زندگی کے قدم رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ جبلی لذتوں سے اور بھی زیادہ مستفید ہو۔ یعنی جو کام حیوان سے اچھی طرح بن نہ آیا اس کو انسان پورا کرے۔ اس گمراہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان، خصوصاً مغربی معاشرہ، الٹا ذہنی مریض بن کر

Marfat.com

رہ گیا ہے۔ کاش کہ انسان کو علم ہوتا کہ وہ کائنات میں خود ایک عظیم حقیقت ہے۔ اس کی عظمت کا یہ نشان ہے کہ جب کہ حیوان اپنی زندگی کی مادی حالتوں سے ایک لحظہ کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتا اور اسے ہرگز معلوم نہیں کہ انسان کیا ہے، تو انسان نہ صرف حیوان اور حیوانی نفسی خواہشات کو جانتا ہے بلکہ تمام کائنات سکڑ کر اس کے اندر سمائی ہوئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کائنات کا وجود انسان ہی کی تخلیق کا وجود ہے لہٰذا انسان کائنات و مافیہا سے نہیں، بلکہ اگر وہ کسی چیز سے مطمئن ہو سکتا ہے تو وہ یہ اطمینان صرف اپنے خالق کے روحانی جذبہ یعنی اس کی محبت کے مطمئن کرنے میں ہی پا سکتا ہے۔ انسان کی خود شعوری کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس کے اندر خالق کا نشان اور اس کی فطری محبت موجود ہے۔

دراصل جب ہم مغربی فلسفیوں اور حکیموں کے نظریات اور تصورات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم کر کے حیرت ہوتی ہے کہ عام طور پر ان حکما کے نزدیک انسانی زندگی کے اعمال کا سرچشمہ حیوانی یا نفسی جسم کی کسی ایک جبلت یا پھر تمام جبلتوں کا مطمئن کرنا ہے! دوسرے لفظوں میں ان حضرات کے نزدیک زندگی یا شعور بذاتِ خود کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ جسم ہے جو زندگی یا شعور کو پیدا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ حکما زندگی کی حقیقت کو ہی سمجھنے سے قاصر ہیں تو یہ مقصدِ حیات کو کیوں کر معلوم کر سکتے ہیں۔ اگر مقصد سامنے نہ ہو تو کسی چیز کا حل تلاش کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنا۔ ان مغربی حکما کے تصورات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ انسانی مرحلہ تخلیق پر انسان کی شعوری اقدار اور حیوانی مرحلہ پہ زندگی کی مادی حالتوں کے درمیان جو زبردست تفاوت پایا جاتا ہے۔ اس کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان مغربی حکما یا فلاسفروں کے نزدیک جس طرح حیوانی یا نفسی زندگی کا ہر عمل جبلی دباؤ کے تحت

Marfat.com

سرزد ہوتا ہے اسی طرح وہ انسان کو بھی جبلتوں کا مقید سمجھتے ہیں۔ یعنی وہ خود اپنی حقیقت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک اعلےٰ حیوان سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ سوال یہ ہے کہ اگر انسانی زندگی کا مقصد محض حیوانی جبلی ضروریات کو مطمئن کرنا ہے تو پھر انسان کے اندر وہ کون سا جذبہ ہے جس کے دباؤ کے تحت وہ اپنے آپ کو اور زندگی کے حقائق کو دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً کھانے پینے کی جبلت جنسی جبلت، یا پھر اپنی جسمانی تنظیم کی حفاظت کے لیے مکان، کپڑے کی ضرورت یا بچوں کی فطری محبت اور ان کی حفاظت وغیرہ ایسے جبلی دباؤ ہیں جو حیوانی نفس پر پڑتے رہتے ہیں اور ان کا مقصد حیوان کی نفسی زندگی کی بقا ہوتا ہے اب جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے یہاں اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا جبلتیں زندگی کی پیداوار ہیں یا زندگی کو جبلتوں نے پیدا کیا ہے جب ہم زندگی کی حقیقت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ زندگی ہمیشہ ایک یونٹ یا وحدت میں رہتی ہے زندگی کا ناقابل تقسیم ہونا اس بات کی شہادت ہے کہ جبلتیں زندگی کی پیداوار ہیں یہ زندگی ہے کہ جس نے بتدریج جبلتوں کو ایک زبردست اور طویل جدوجہد کے بعد ایک نظام میں پروکر اخذ کیا ہے۔ جبلتوں کے حصول کے لئے زندگی پر جو فطری دباؤ تھا وہ اس کا اپنے آپ کو قائم اور جاری رکھنا تھا۔ یہ اسی تگ و دو کا نتیجہ تھا کہ زندگی نے بالآخر جبلتوں کو ایک خودکار حیثیت سے اس طرح اپنا لیا کہ اسے اپنی بقا اور آگے بڑھنے کے لئے ان پر از خود توجہ دینے کی ضرورت نہ رہی۔ زندگی کا ان جبلتوں کے خودکار حیثیت سے اخذ کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ زندگی آزادانہ طور پر اپنی توجہ کو ان جبلتوں کو زیادہ سے زیادہ مکمل کرنے پر لگا سکتی تھی۔ اب جیسا کہ جبلتوں کے عمل سے ظاہر ہے نفس حیوانی پر ہر جبلت کا دباؤ اسی نسبت سے پڑتا ہے جس نسبت سے حیوانی زندگی کا تحفظ ضروری ہوتا ہے۔ جبلتوں کا حیوانی نفس پر مختلف درجوں پر دباؤ گویا حیوان کو اپنی حفاظت کے لئے توجہ دلانے کا سگنل ہوتا ہے اس کی وجہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ ہے کہ حیوانی مرحلہ تخلیق پر زندگی محض علامات یا دباؤ کے تحت عمل کرتی تھی دوسرے لفظوں میں جبلی دباؤ گویا حیوان کی محدود یا ادنےٰ شعوری سطح پر منجمد ذہنی سوچ تھی جس کا مقصد

Marfat.com

حیوان کو اپنی زندگی کی بقاء کیلئے علامات یا دباؤ کے ذریعہ آگاہ کرتے رہنا تھا۔ اس کے علاوہ حیوانی مرحلہ پر زندگی چونکہ اپنی ذات سے ناآشنا تھی لہذا وہ ذہنی یادداشت رکھنے سے بھی عاری تھی۔ ایسی صورت میں جبلی دباؤ ہی وہ طریقہ تھا جس کے ذریعے زندگی اپنے تحفظ کے لئے عمل کر سکتی تھی۔

جبلی عمل مآلِ کار روحانی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جبلی اعمال کا تعلق زندگی سے ہوتا ہے اور زندگی روحانی کشش و محبت کے سوا اپنا وجود نہیں رکھتی۔ لہذا جس حد تک زندگی اپنی بقاء کے لئے جبلی دباؤ کا ساتھ دیتی ہے وہ گویا خالق کے منشاء کے مطابق ایسا کرتی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جبلتوں کے اندر جو دباؤ پایا جاتا ہے۔ اسے زندگی نے خود اپنے روحانی جذبہ کے تحت تشکیل کیا ہوتا ہے۔

حیوانی مرحلہ پر زندگی جیسے جیسے اپنے مرحلہ کی اعلےٰ شعوری اقدار کی طرف بڑھتی رہی ہے ویسے ہی وہ نئی نئی جبلی قدروں کو اپناتی رہی ہے۔ ان جبلی قدروں کا مقصد زندگی کا اپنے آپ کو محفوظ رکھنا یعنی اپنی شعوری اقدار کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ افزائش نسل کے لئے بچوں کو پیدا کرنا اور ان سے محبت رکھنا، جانداروں کا آپس میں مل جل کر رہنا، جاندار کا اپنی حفاظت کے لئے بھاگ کر چھپ جانا یا خطرات کے پیشِ نظر غم و غصہ کی حالت پیدا کر لینا وغیرہ جاندار کے ان تمام اعمال کے پیچھے بنیادی دباؤ زندگی کا اپنی حفاظت کرنا ہوتی ہے اور زندگی کی اصل چونکہ روحانی جذبہ محبت ہوتی ہے۔ لہذا جاندار کا ان جبلتوں کو مطمئن کرنا دراصل اپنے روحانی جذبہ کی تسکین کرنا ہوتی ہے۔ اگر غور سے دیکھیں تو یہ تمام جبلتیں مآلِ کار زندگی کی وحدت کے تحت اس کی حفاظت کے لئے حرکت میں آتی ہیں۔ اس کی وجہ، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ ہے کہ زندگی نے جبلتوں کو پیدا کیا ہے۔ ہم اس حقیقت کو اس لئے دھرا رہے ہیں کیونکہ ہماری فکر کے مطابق کائنات

Marfat.com

میں جس چیز کی تخلیق ہو رہی ہے وہ یہی زندگی ہے جو انسانی مرحلۂ تخلیق پر پہنچ کر مکمل روحانی قدروں میں بدل جاتی ہے۔ جبلتوں کی زندگی سے الگ ہٹ کر کوئی حقیقت نہیں۔ اس کا ثبوت ہمیں اس بات سے بھی ملتا ہے کہ ہم کسی ایک جبلت کو زندگی کی اپنی قدروں سے الگ کر کے اس کی افادیت کو متعین نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم جبلتوں کو جمع کر کے ان کے حاصل جمع سے زندگی کو متعین کر سکتے ہیں بلکہ یہ بذات خود زندگی ہے جو ایک یونٹ یا وحدت میں رہتی ہے اور جو ان جبلتوں کو اپنی حفاظت کے تقاضوں کے مطابق عمل میں لاتی ہے۔ عمل میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر اس طاقتور جبلت پر عمل کرتی ہے جس سے اس کی زندگی زیادہ محفوظ رہ سکے۔ ورنہ جاندار کی جبلت خودکار حیثیت سے عمل کرتی ہے اور یہ عمل زندگی کے عین اپنے منشائے کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر جبلی عمل زندگی کے اپنے تقاضوں کے مطابق سرزد نہ ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ زندگی جبلتوں کی پیداوار ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے جاندار کے اعمال بتاتے ہیں کہ جاندار پر خودکار جبلی دباؤ ہونے کے باوجود جب جاندار کی زندگی کا ایسا تقاضا ہو کہ اس کا کسی خاص جبلی دباؤ کے زیر اثر رہنے کی بجائے کسی دوسری جبلت کو بروئے کار لانا ضروری ہوتا ہے تو زندگی اپنے تحفظ کی خاطر پہلی جبلت کے دباؤ سے اپنے آپ کو آزاد کر کے دوسری جبلت پر عمل کرتی ہے۔ مثلاً اگر کسی جاندار پر بھوک کا سخت جبلی دباؤ ہو یعنی اسے سخت بھوک ستا رہی ہو تو وہ فوراً کھیت یا کھلیان کی طرف بھوک کو بجھانے کے لئے لپکے گا۔ لیکن اگر وہاں کھیت کا مالک اس کو روکنے کے لئے اس پر حملہ کرتا ہے تو جاندار اپنی بھوک کے جبلی دباؤ سے نکل کر فوراً اس سے طاقتور جبلت یعنی اپنی راہ فرار کرنے والی جبلت پر عمل کرے گا۔ گویا جاندار کے نزدیک اس کی زندگی کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ خطرے کی صورت سے بچائے اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ممکن تھا کہ کسان کے ہاتھوں اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتے۔ چنانچہ جاندار نے بھوک کے جبلی دباؤ سے اپنے آپ کو آزاد کر کے فرار ہونے کی طاقتور جبلت کو اپنا کر عین زندگی کی حفاظت کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اب ہم یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ جاندار نے اپنی زندگی کو بچانے کے لئے عقل سے کام لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاندار سوچ

Marfat.com

سے عاری ہے اور نہ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ادنےٰ جبلت نے اعلےٰ جبلت کے لئے خود بخود جگہ خالی کر دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر جبلت کسی خاص سمت میں حیاتیاتی دباؤ رکھتی ہے وہ اپنے فرض کی ادائیگی کے علاوہ خود بخود کسی دوسری جبلت کے فرائض کی ادائیگی کے لئے اپنے آپ کو منتقل نہیں کر سکتی۔ اگر کسی جاندار کو بھوک لگی ہوئی ہو تو بھوک بدستور جاندار پہ اپنا مخصوص دباؤ ڈالے رکھے گی۔ حیوانی زندگی پر اگر خطرہ ہے تو جبلت کی بلا سے۔ اسے تو علم ہی اتنا دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بھوک کی ضرورت کو پورا کرے۔ اور بس۔ اگر بھوک کی جبلت کے اس دباؤ سے کوئی چیز نکل سکتی ہے تو وہ بذاتِ خود حیوانی نفس یا زندگی ہے۔ مگر ایسا وہ تب ہی کر سکتی ہے جب زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہو۔ ایسی صورت میں زندگی کسی دوسری طاقتور جبلت کو بروئے کار لائے گی۔ دوسرے لفظوں میں حیوان خطرے کی موجودہ صورت میں اپنی فرار پانے والی جبلت کو اپنائے گا۔

مندرجہ بالا سطور سے ہماری فکر کی تصدیق ہوتی ہے کہ جبلتوں کا وجود زندگی کی وجہ سے ہے۔ جبلت محض کسی خاص سمت میں حیاتیاتی دباؤ ہوتا ہے اور جب تک حیوان اس دباؤ کو مطمئن نہیں کر لیتا وہ اس کے لئے جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ حیوان اگر ان جبلتوں پر کنٹرول رکھتا ہے تو وہ عقل سے نہیں بلکہ اس کے پیچھے اس کی زندگی کا اپنے آپ کو بچانے کے لئے الگ سے ایک زبردست اور نہایت طاقتور روحانی جذبہ ہوتا ہے اسی جذبہ کو ہم حیوانی زندگی کہہ سکتے ہیں اس جذبہ کا اپنا دباؤ تمام جبلتوں کے دباؤ یا ان کے الگ الگ دائرہ عمل سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کی اپنی حفاظت اور اس کا تسلسل ہی تو وہ اہم حقیقت ہے جس کے لئے زندگی نے ان جبلتوں کو خود تشکیل کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا جہاں زندگی کی حفاظت کو زیادہ خطرہ لاحق ہو وہاں زندگی خود جبلی اعمال کو اپنے بچاؤ کے لئے منتخب کرتی ہے ضمناً ہم یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حیوانی مرحلہ پر حیوان کی جبلی ضروریات کو ہم حیوان کی خواہشات نہیں کہہ سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواہش کا مفہوم زندگی کے آزادانہ عمل کو ظاہر کرتا ہے

Marfat.com

اور اس کا تعلق ذات یا شخصیت سے ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم خواہش کو صرف انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان کی خود شعوری جس کی وجہ سے انسان کے اندر اپنی ذات کا شعور پیدا ہو جاتا ہے سے منسوب کر سکتے ہیں۔ جبلت اور خواہش میں دراصل زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حیوان اپنی ذات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے زندگی کے قیام کے لئے محض دباؤ کی زبان کو سمجھتا ہے لیکن انسانی مرحلہ پر خواہش کا تعلق روحانی جذبہ کی قدروں کو آزادانہ طور پر مطمئن کرنا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی مرحلہ پر انسان کی شخصیت یا ذات چونکہ براہ راست روحانی جذبہ سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا انسانی خواہشات روحانی کشش و محبت کے دباؤ کے تحت پیدا ہوتی ہیں۔ اور ہر خواہش کا تعین انسان کی خود شعوری خود اپنی شعوری قدروں کے مطابق کرتی ہے۔

مندرجہ بالا سطور سے ہم پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حیوانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی جبلتوں کی پیداوار نہیں ہے بلکہ جبلتوں کو زندگی نے خود اپنی شعوری اقدار یعنی اپنے آپ کو برقرار رکھنے کے لئے ایک طویل عرصہ کی جدوجہد کے بعد اخذ کیا تھا۔ دوسری حقیقت جو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ زندگی خواہ کسی بھی مرحلۂ تخلیق میں کیوں نہ ہو اس کی بنیادی حقیقت روحانی جذبہ ہوتا ہے لہٰذا جاندار یا نفسِ حیوانی کے تمام جبلی دباؤ جس حد تک کہ زندگی نے انہیں اپنی حفاظت اور اپنے آپ کو آگے بڑھانے کے لئے خود د ر حیثیت سے اخذ کیا ہے ان کی نوعیت بھی روحانی ہوتی ہے۔ اس طرح جاندار کے کھانے پینے کا عمل ہو یا پھر جنسی عمل (یاد رہے جنسی عمل براہ راست روحانی جذبہ محبت کی قدروں سے جنم لیتا ہے) یا پھر بچوں کی محبت یا زندگی کا اپنے مادی جسم یا تنظیم جس کو ہم حیوانی جسم کہتے ہیں، کی حفاظت کرنا ان سب کا تقاضا روحانی ہے۔ حیوانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی چونکہ ابھی خود شعور نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ سوچ یا خیالات سے عاری ہونے کی وجہ سے اپنے مرحلۂ پر زندگی کی قدروں کو قائم اور جاری رکھنے کے لئے جن اخلاقیات کو اپناتی ہے وہ خودکار دباؤ کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان کا نفسی یا حیوانی جسم بھی انہیں جبلی قدروں کے

Marfat.com

تحت اپنی حفاظت کرتا ہے۔ ان تمام جبلّی قدروں کا مقصد کیوں کہ زندگی کو قائم رکھنا ہوتا ہے لہٰذا ان کو مطمئن کرنا عین زندگی کے رُوحانی تقاضوں کے مطابق ہے انسانی مرحلہ پر انسانی روح یا خود شعوری کے اگرچہ تقاضے یکسر حیوانی مرحلۂ تخلیق پر زندگی کی مادی حالتوں سے نکل کر عالمگیر ہو جاتے ہیں اور انسان کے اندر خالق کی موجودگی کا براہِ راست احساس پیدا ہو جانے سے زندگی سراسر روحانیت کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہے اور اس طرح اس کے اندر خالق کے جذبۂ محبت کی کمل کر نمود ہونے اور اپنے مقصد کے سامنے ہونے کی وجہ سے اس کی اخلاقیات بھی زندگی کی مادی حالتوں پر جبلی دباؤ کی نسبت ذہنی یا روحانی جذبۂ محبت کے دباؤ میں بدل جاتی ہیں تاہم انسانی مرحلہ تخلیق چونکہ حیوانی مرحلۂ تخلیق یعنی نفس حیوانی سے پیوستہ رہ کر تخلیق پا رہا ہے لہٰذا انسان کے اپنے مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفسی یا حیوانی جسم کے تمام جبلی تقاضوں کو جن کا مقصد حیوانی یا نفسی زندگی کو قائم رکھنا ہے اور جو انسانی مرحلہ تخلیق پر ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے احسن طریقہ سے پورا کرتا رہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو گویا وہ اپنے مقصد کی ہلاکت کا ذمہ دار ہے۔ اور اس کے لئے انسانی معاشرہ پر نہایت اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ ہر فرد کی طبعی زندگی کی ضروریات کو احسن طور پر پورا کرنے کی ضمانت دے۔ اگر انسانی معاشرہ انسان کی ان بنیادی ضروریات سے پہلو تہی کرتا ہے تو وہ گویا انسان کو اس کے مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور اس طرح وہ ایک ایسے جرم کا سزاوار بنتا ہے جس کا تقاضا ہے کہ ایسے معاشرے کو یکسر بدل دیا جائے۔ البتہ ہم یہاں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ چونکہ جبلی دباؤ کا تعلق محض نفسی زندگی کو احسن طور پر قائم رکھنے کے سوا اور نہیں لہٰذا جبلی ضروریات کے پورا کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ انسان جبلتوں کی لذتوں کے حصول کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر اپنے روحانی جذبۂ محبت کی قدروں کو، جن کا مطمئن کرنا انسانی زندگی کا نصب العین ہے۔ پس پشت ڈال دے اور اس طرح ذہنی بیماریوں کا شکار ہو کر اپنے آپ کو دردناک عذاب میں مبتلا کر دے۔

Marfat.com

مندرجہ بالا سطور سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ مغربی حکما اور فلاسفر جو کہ انسانی زندگی کا مقصد کسی ایک جبلت یا تمام جبلتوں کو مطمئن کرنا سمجھتے ہیں ان کو خود اپنی اعلیٰ و ارفع حقیقت کا علم نہیں۔ ظاہر ہے جب ان کو اپنی حقیقت کا صحیح علم نہیں تو وہ صحیح منزل یا راستہ کی کیوں کر راہنمائی کر سکتے ہیں۔ کسی ایک جبلت یا تمام جبلتوں یا پھر نتیجتاً انسان کا نفسی زندگی کے ساتھ پیار و محبت کو انسانی زندگی کا مقصدِ حیات سمجھ لینا گویا انسان کا اپنی حقیقت کی نفی کرنا ہے۔ یہ اسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ انسان آج اپنے اصلی مقام سے گم کر زندگی کی پست حالت میں گھرا ہوا ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ خود کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔ ظاہر ہے۔ جب انسان کو اپنے مقصد کا علم ہی نہیں ہوگا۔ تو وہ اپنے فطری روحانی جذبہ یا دباؤ کو مطمئن کرنے کے لئے کسی نہ کسی چیز کو حقیقت زندگی سمجھ کر اس سے محبت کرے گا۔ انسان بہر کیف عمل کرنے پر مجبور ہے۔ ایسی صورت میں اس کے سامنے دو ہی راستے ہیں ایک تو یہ کہ اگر وہ اپنے جذبہ محبت کو صحیح طور پر سمجھتا ہے تو وہ ذہنی اور روحانی طور پر ایسے اعمال اور اخلاقیات سے محبت کرے گا۔ جو اس کو ذہنی جلا اور اس کی روح کے لئے اطمینان کا باعث بنیں۔ وہ نفسی زندگی کی جبلّی لذتوں سے اُسی حد تک لطف اندوز ہو گا۔ جس حد تک کہ نفسی زندگی کا قیام ضروری ہے۔ گویا وہ نفسی ضروریات کو عین اعتدال کے اندر رکھ کر پورا کرے گا۔ دنیا کی احسن زندگی اس کے لئے عین حلال ہے۔ زیب و زینت، پاکیزگی اور صفائی سے محبت رکھنا عین اس کے روحانی جذبہ کا تقاضا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے نفسی زندگی سے اسی حد تک محبت کی جا سکتی ہے جس حد تک کہ وہ انسان کو اس کے مقصد کی طرف لے جانے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ انسانی زندگی پر اصلی دباؤ اس کا روحانی جذبۂ محبت ہوتا ہے۔ اس جذبہ کو مطمئن کرنا انسان کا فطری تقاضا ہے۔ چنانچہ اگر انسان اپنے جذبۂ محبت کو صحیح طور پر سمجھتا ہے۔ تو وہ ذہنی اور روحانی طور پر ایسے اعمال اختیار کرے گا جو اس کے ذہن کے لئے غذا اور اس کی روح کے لئے اطمینان کا باعث بنیں۔ اگر بدقسمتی سے انسان اپنے آپ

Marfat.com

سے یعنی اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں تو وہ حیوانی نفسی زندگی کی مہیا کردہ جبلی لذتوں کے حصول میں اپنے آپ کو گم رکھے گا۔ حیوانی نفسی زندگی اور اس کی لذتوں کا تعلق بھی چونکہ بالآخر روحانی قدروں سے ہوتا ہے خواہ یہ قدریں انسان کے روحانی جذبہ محبت کے مقابل کتنی ہی پست کیوں نہ ہوں، انسان انہیں اپنے قریب پا کر ان کے حصول میں لگا رہتا ہے لیکن یاد رہے ایسے معاشرے جو غلط روش پر چل نکلنے کی وجہ سے اپنی حقیقت سے بھٹک جاتے ہیں اکثر انتشار اور رائے دن انقلاب کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

نظریہ لاشعور (جنسیت)

ہم یہاں اب ایک ایسے شخص کے نظریہ کا ذکر کریں گے جس نے انسانی زندگی کے مقصد کو دریافت کرنے کے لئے انسانی ذہن کا تجزیہ جس عمدگی سے کیا ہے وہ یقیناً ہمارے لئے ایک بیش بہا علمی خزانہ مہیا کرتا ہے۔ تاہم نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس شخص کے پاس کیونکہ خالق کی راہنمائی نہیں تھی لہٰذا وہ انسانی ذہن کے اس زبردست تجزیہ کے باوجود جو نتیجہ اخذ کرتا ہے وہ نہ صرف مقصد سے دور ہٹا ہوا ہے بلکہ اس نے الٹا انسان کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا۔ ہمارے پیش نظر سگمن فرائیڈ اور اس کا نظریہ لاشعور ہے۔

فرائیڈ کے نظریہ کے مطابق انسانی شخصیت صرف وہی نہیں ہے جسے ہم شعور کہتے ہیں اور جس کی وجہ سے ہم سوچتے جانتے اور محسوس کرتے ہیں بلکہ اس کے علاوہ نفس انسانی کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے جو ہمارے اس شعور کی سطح سے نیچے موجود رہتا ہے۔ اسے فرائیڈ لاشعور کا نام دیتا ہے اس کے خیال میں انسان کی شخصیت کا بہت بڑا حصہ بلکہ انسان کی ساری شخصیت یا نفسِ انسانی ہی لاشعور ہے اور شعور محض اس کا ایک

Marfat.com

جز و یا ادنے خادم ہے جو بیرونی دنیا کا جائزہ لینے کے لئے اوپر ابھر آیا ہے لاشعور ایک زبردست قوت ہے جس میں طوفانِ تمنا ہر وقت موجود رہتا ہے اور فرائیڈ کے مطابق یہ تمنا ایک زبردست جنسی خواہش ہے ۔ لاشعور اس جنسی خواہش کو صرف شعور کے وسیلہ سے جو کہ نفسِ انسانی یعنی دماغ کے بیرونی حصہ میں واقع ہوتا ہے پوری کر سکتا ہے ۔ اگرچہ شعور جو کہ دراصل لاشعور ہی کا ایک حصہ ہے اور اسی کی پیداوار ہے، لاشعور کی خواہش کو پورا کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے تاہم وہ معاشرے یا سماج کی مخالف قوت کی وجہ سے لاشعور کی اس زبردست خواہش کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے ۔ معاشرے کے اندر افراد مجبور ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نیک نامی کی خاطر اپنی لاشعوری خواہشات کے بہت سے حصہ کو روک دیں لیکن ان خواہشات کے روکنے سے فرد کو ایک بے چینی اور بے قراری لاحق ہو جاتی ہے ۔ جس کے نتیجہ میں اس کا ذہنی توازن بگڑنے لگتا ہے اس طرح اکثر اوقات وہ پریشانی، ہسٹریا یا جنون وغیرہ ایسی دماغی امراض میں گرفتار ہو جاتا ہے، سماج یا معاشرے نے فرد کو ان امراض سے بچانے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی نیک نامی اور نیک چلنی کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے رہنے کے لئے بعض ایسے ڈھکوسلے بنا رکھے ہیں ۔ جن کی تتبع سے فرد کی توجہ ان خواہشات سے کسی قدر ہٹ جاتی ہے ۔ فرائیڈ سماج کے ان ڈھوسکوں کو مذہب، اخلاق فلسفہ، ہنر وغیرہ کا نام دیتا ہے ۔

اب چونکہ انسان اپنی پیدائش کے وقت اپنا لاشعور اپنے ساتھ لے کر آتا ہے اس لئے اس نظریہ کے مطابق ضروری ہے کہ اس کی جنسی خواہشات کا عمل بچپن ہی سے شروع ہو جائے لیکن عام خیال یہ ہے کہ جنسی خواہشات جوانی میں پیدا

ہوتی ہیں اس اعتراض کو رفع کرنے کے لیئے فرائیڈ ہمیں بتاتا ہے کہ بچے کا انگوٹھا یا مالک کے سر پستان چوسنا یا بول و براز کا خارج کرنا بچے کے جنسی افعال ہیں جن سے اس کو جنسی لذت حاصل ہوتی ہے۔ پھر جب بچہ عمر میں بڑا ہو جاتا ہے تو اس کے دل میں، اگر لڑکی ہو تو اپنے باپ سے، اور اگر لڑکا ہو تو اپنی ماں سے ایک جنسی نوعیت کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس جنسی محبت کے ردِ عمل کے ساتھ ساتھ بچے کے دل میں، اگر لڑکی ہو تو ماں کے خلاف اور اگر لڑکا ہو تو باپ کے خلاف رقابت کا ایک جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اس جذبہ رقابت کو فرائیڈ نے آبائی الجھاؤ کا نام دیا ہے اور یہ آبائی الجھاؤ فرائیڈ کے نظریہ کا مرکزی نقطہ ہے جس سے وہ اپنے تمام نتائج اخذ کرتا ہے۔ والدین بچے کی محبت کے جواب میں اس کے ساتھ محبت کرتے ہیں لیکن اگر وہ ان کی خواہش کے مطابق کام نہ کرے تو اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ بھی کرتے ہیں۔ درشتی اور نرمی کے اس دوگونہ برتاؤ کی وجہ سے وہ بچے کی شخصیت یعنی اس کے ناپختہ شعور پر پورا پورا تسلط یا قبضہ حاصل کر لیتے ہیں۔ بچہ ہمیشہ اپنے والدین کی محبت کی تمنا اور اس کے فقدان کے خوف کی وجہ سے دو متضاد جذبات کے درمیان رہتا ہے جو اس کے ناپختہ شعور میں ایک مستقل جگہ بنا لیتے ہیں اور مرتے دم تک اس کے سر پر سوار رہتے ہیں۔ جیسے جیسے بچہ عمر میں بڑھتا ہے اس کے یہ دونوں جذبات یعنی محبت کی امید اور اس کے منقطع ہونے کا خوف والدین سے ہٹ کر تصورات کی طرف آجاتے ہیں۔ بچہ کے دل میں والدین کی محبت کم ہو جاتی ہے اور تصورات کی محبت بڑھتی جاتی ہے۔ اس طرح بچہ آبائی الجھاؤ پر عبور حاصل کرتا جاتا ہے اور اس کی جگہ "فوق الشعور" لیتا رہتا ہے فوق الشعور شعور ہی کا ایک وصف ہے جو فرائیڈ کے خیال کے مطابق "آبائی الجھاؤ" کے انحطاط کے ساتھ وجود میں آتا ہے اور پھر زیادہ سے زیادہ قوی ہوتا جاتا

Marfat.com

ہے۔ لہٰذا فوق الشعور جو کہ آبائی الجھاؤ کی ہی ترقی یافتہ صورت ہے اس کا اب کام یہ ہوتا ہے کہ بچہ کے شعوری طور پر پختہ ہونے پر ماں باپ کی محبت کو پُر کرنے کے لئے وہ نہ صرف تصورات کو پیش کرے بلکہ ان تصورات کی قدروں پر ماں باپ کی طرح سختی سے عمل بھی کرائے۔ فوق الشعور کے اس دباؤ کے نتیجہ میں انسان اپنے تصورات کی متعین کردہ قدروں پر سختی سے عمل کرتا ہے۔ گویا جس طرح بچپن میں بچے کی ناپختہ شعوری پر ماں باپ کی جنسی محبت کا بھوت سوار ہونے کی وجہ سے بچے کا شعور ماں باپ کی محبت پانے یا کھونے کے الجھاؤ میں گرفتار رہتا ہے اور بالاضطرار ان کی محبت کو کھونے کے خوف سے ان کی عائد کردہ پابندیوں پر عمل کرتا ہے اسی طرح جب وہ بڑا ہونے اور شعور کی پختہ حالت میں پہنچنے پر تصورات کو اپناتا ہے تو فوق الشعور جو اب آبائی الجھاؤ کی جگہ لے لیتا ہے اور ماں باپ کی جنسی محبت کی بجائے انسان کے سامنے تصورات پیش کرتا رہتا ہے وہ آبائی الجھاؤ کی طرح شعور پر ان تصورات کی قدروں پر عمل کرنے کے لئے سختی سے دباؤ ڈالے رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسانی شعور اگر بچپن کی حالت میں آبائی الجھاؤ کے زیر اثر رہتا ہے تو ترقی یافتہ صورت میں فوق الشعور کے زیر اثر آجاتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے فرائیڈ کے جنسی نظریہ کے متعلق مندرجہ بالا سطور سے ذہن میں جو اہم سوال ابھرتے ہیں ان پر یہاں تھوڑا سا رک کر غور کر لینا ضروری ہے۔ فرائیڈ کہتا ہے کہ بچہ جب عمر میں پختہ شعوری کی طرف بڑھتا ہے تو وہ ماں باپ کے جنسی محبت کو تصورات کی محبت میں بدل دیتا ہے۔ فرائیڈ اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ والدین بچے کی ہر طرح سے حفاظت کرتے ہیں۔ اس

Marfat.com

کی خوشیوں اور ضروریات کا خیال رکھتے ہیں اس طرح گویا بچے کے دل میں اس کے ماں باپ ہر لحاظ سے مکمل شخصیت ہوتے ہیں لیکن بعد ازاں جیسے جیسے وہ عمر میں بڑھتا ہے تو اس کے اندر ماں باپ کی بہت سی کمزوریوں کا احساس ابھرتا ہے۔ لہٰذا وہ ان کی بجائے اساتذہ یا دوسری شخصیات جنہیں وہ مکمل اور کامل صلاحیتوں کا مالک سمجھتا ہے، سے محبت کرنی شروع کر دیتا ہے اور اس طرح جب وہ شعوری طور پر اور پختگی کو پہنچتا ہے یعنی اس کے اندر ان شخصیات کی کمزوریوں کا احساس بھی ابھرتا ہے تو پھر وہ تصورات کی طرف بڑھتا ہے اور ایسے تصورات کو منتخب کرتا ہے جنہیں وہ ہر لحاظ سے کمزوریوں سے پاک یعنی باکمال سمجھتا ہے۔ اب یہاں نہایت اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچہ کی جنسی نوعیت کی محبت بالآخر تصورات ایسی غیر جنسی قدروں کی طرف کیوں بڑھتی ہے اور پھر انسان کے یہ تصورات جیسے جیسے ارتقا کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ کامل ہوتے جاتے ہیں وہ صفاتِ مجردہ پر کیوں مشتمل ہوتے ہیں۔ فرائیڈ کے پاس اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب موجود نہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ فرائیڈ ہمیں یہ بھی بتانے سے قاصر ہے کہ بچے کا آبائی الجھاؤ جو ماں باپ کی جنسی محبت کے نتیجہ میں بچے کے شعور کو ضابطگیوں کا پابند کرتا ہے وہ آگے چل کر انسان کو تصورات کی قدروں پر عمل کرانے کے لئے فوق الشعور میں کیوں بدل جاتا ہے۔ فرائیڈ خود اس کا اعتراف کرتا ہے کہ "میں جس حد تک چاہتا ہوں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ آبائی الجھاؤ" فوق الشعور" میں کس طرح سے تبدیل ہو جاتا ہے ... اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ ہم نے خود اس کو پوری طرح سے نہیں سمجھا"۔ دراصل فرائیڈ کی اس لاعلمی کی وجہ یہ ہے کہ وہ جس چیز کو نظریہ کی بنیاد بناتا ہے یعنی انسانی اعمال کا سرچشمہ محض اس کے جنسی دباؤ کی وجہ سے ہے، سرے سے غلط ہے۔ آبائی الجھاؤ یا فوق الشعور کی اصطلاحیں محض شعور کے اس عمل کو نمایاں طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ انسان بتدریج اعلےٰ

Marfat.com

قدروں کو پسند کرتا ہے، مثلاً بچے کا ماں باپ کی محبت سے شخصیات کی محبت اور پھر شخصیات کی محبت سے اعلیٰ سے اعلیٰ نظریات کی طرف بڑھتے رہنا اس بات کی شہادت ہے کہ بچہ جنسی خواہشات کا غلام نہیں بلکہ انسان کے اندر ابتدا ہی سے کسی ایسی حقیقت کی نشاندہی موجود ہوتی ہے جسے وہ نہ صرف حسن و کمال میں لاثانی خیال کرتا ہے بلکہ وہ اُسے اپنی طرح اپنی ذات و صفات سے باخبر بھی سمجھتا ہے۔ انسان فطری طور پر اس حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اندرونی دباؤ محسوس کرتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو الٹ پلٹ کر اُس معیار کے مطابق پرکھتا ہے جس معیار کی دھندلی سی روشنی اُس کے اندر پہلے سے موجود ہوتی ہے اور جو انسان کو خودشعور بنا دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسانی خودشعوری انسانی مرحلۂ تخلیق پر قدم رکھتے ہی انسان کے اندر خالق کی آگہی یا اُس کی ادنیٰ عکاسی جو انسان کے اندر روح بن کر جلوہ گر ہوتی ہے اور جو بتدریج انسان کے اندر ایک زبردست رُوحانی محبّت کا جذبہ بن کر اُبھرتی ہے، اپنی اس فطری محبّت کو مطمئن کرنے کے لئے ہر وقت بیقرار رہتی ہے گویا انسان کا لاشعور جسے فرائیڈ انسان کے شعور کا سرچشمہ یا منبع کہتا ہے وہ دراصل انسان کے اندر خالق کی زبردست روحانی محبّت کا یہی جذبہ ہے جسے ہم نے خودشعوری یا خودشعوری کے جذبہ کا نام دیا ہے۔

اب ہم فرائیڈ کے نظریہ کے دوسرے اہم پہلوؤں پر غور کرتے ہیں اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ فرائیڈ کی نظر میں لاشعور کی خاصیات کیا ہیں اور یہ کہ ان خاصیات سے فرائیڈ نے یہ نتیجہ کیونکر اخذ کیا کہ لاشعور کا جذبہ محض جنسی لذت کا جذبہ ہے لاشعور کی خاصیات کے سلسلہ میں فرائیڈ کہتا ہے "لاشعور اُبلتی ہوئی خواہش کی ایک دیگ ہے اُس کے اندر کوئی نظم، کوئی سوچا سمجھا ہوا ارادہ نہیں صرف لذّت کی خاطر جنسی خواہشات کی تکمیل کا جذبہ ہے منطق کے قوانین بلکہ اضداد کے اصول بھی لاشعور کے عمل پر حاوی نہیں ہوتے، مخالف خواہشات

Marfat.com

ایک دوسرے کو زائل کئے بغیر اس میں پہلو بہ پہلو ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ لاشعور میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس سے مشابہت رکھتی ہو اور ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ فلسفی کا یہ دعوے کہ وقت اور فاصلہ ہمارے افعال کے لازمی عناصر ہیں، لاشعور کی دنیا میں غلط ہو جاتا ہے لاشعور کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جو وقت کے تصور سے علاقہ رکھتی ہو، لاشعور میں وقت کے گذرنے کا کوئی نشان نہیں اور یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے جس کے معنی سمجھنے کی طرف ابھی تک فلسفیوں نے پوری توجہ نہیں کی کہ وقت کے گذرنے سے لاشعور کے عمل میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ ایسی خواہشات عمل جو لاشعور سے کبھی باہر نہیں آتیں بلکہ وہ ذہنی تاثرات بھی جنہیں روک کر لاشعور میں دبا دیا گیا ہو، لاشعور میں ہر لحاظ سے غیر فانی ہوتے ہیں اور سالہا سال تک اس طرح محفوظ رہتے ہیں گویا ابھی کل وجود میں آئے ہیں۔"

یاد رہے کہ "لاشعور" انسانی شعور ہی کا حصہ ہے اور فرائیڈ کے مطابق لاشعور اور شعور کے ملنے سے انسان کی مکمل شخصیت بنتی ہے شعور جو بیرونی دنیا کے قریب ہے اور ہوش و احتیاط کا حامی ہے وہ اپنی تمام قوت "لاشعور" سے جس کا یہ حصہ ہے، مستعار لیتا ہے، شعور کا کام ہے کہ وہ لاشعور کی جنسی لذت کے زبردست جذبہ کو پورا کرتا ہے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو لاشعور اُس کے ساتھ تعاون کرتا ہے یعنی اُسے خوشی اور قوت بخشتا ہے لیکن اگر وہ کسی وجہ سے ایسا کرنے میں ناکام رہے تو لاشعور اُسے سخت ذہنی بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

لاشعور کی جن خصوصیات کا فرائیڈ نے ذکر کیا ہے ان کو فرائیڈ نے تجربات کی روشنی میں اخذ کیا تھا لہٰذا وہ ان حقائق پر مبنی ہیں جو اس کو ان تجربات کے دوران حاصل ہوئے جب ہم لاشعور کی خاصیات پر غور کرتے ہیں تو وہ ہماری فکر کے مطابق انسانی خودشعوری کی روحانی قدروں کے عین مطابق ہیں عین تعجب کی بات یہ ہے کہ فرائیڈ نے ان خصوصیات

Marfat.com

سے جو نتیجہ نکالا ہے یعنی یہ کہ لاشعور کا جذبہ جنسی لذت کا جذبہ ہے اس کا کسی طرح سے بھی لاشعور سے تعلق ثابت نہیں ہوتا، ہماری فکر کے مطابق فرائیڈ نے سب سے بڑی ٹھوکر لاشعور کے جذبہ کو سمجھنے میں کی ہے اگر اُسے صرف اتنا معلوم ہوتا کہ انسان کا لاشعوری جذبہ انسانی خود شعوری کے مرحلہ پر خالق کی زبردست روحانی محبت کا جذبہ ہے تو اُسے لاشعور کی ان تمام خاصیات کو جن کے سمجھنے سے اُس نے معذوری ظاہر کی ہے اور جس کے لئے وہ فلاسفروں کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اس کی ہرگز ضرورت پیش نہ آتی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس سے اس کا تمام نظریہ خالق کے عمل تخلیق کے تحت مہیا کردہ دینِ اسلام کی سائنسی تشریح ثابت ہوتا۔ آئیے اب ہم اپنی فکر کے تحت دیکھتے ہیں کہ انسانی لاشعور کا جذبہ روحانی جذبہ ہے یا جنسی جذبہ ہے کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انسانی لاشعور کا جذبہ روحانی محبت کا جذبہ ہے تو وہ تمام نتائج جن کو فرائیڈ نے اخذ کیا ہے وہ مثبت نتائج میں بدل کر دینِ اسلام کے فطری تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اُوپر کہا ہے لاشعور کی ان خصوصیات پر جن کو فرائیڈ نے اپنے تجربات کے دوران دریافت کیا تھا، جب ہم غور کرتے ہیں تو معاً ہمارے اندر جو پہلا سوال اُٹھتا ہے وہ یہی ہے کہ اس نظریہ کا خالق لاشعور کے جن حقائق کا ذکر کرتا ہے ان کا حیوانی جنسی لذت سے کیونکر تعلق ثابت ہوتا ہے اور پھر یہ کہ جنسی لذت کا تعلق حیوانی نفس کی مادی حالتوں سے ہے لیکن جب وہ شعور اور لاشعور کی بات کرتا ہے تو اُس سے اس کی مُراد انسانی شخصیت ہے اور ظاہر ہے انسان کے حیوان سے الگ، خود شعوری کے مرحلہ پر تخلیق پانے کی صورت میں اس کی شعوری اقدار جنسی یا جبلی نوعیت کی نہیں بلکہ خالصتاً روحانی اور ذہنی ہیں۔ لاشعور کی جو تعریف فرائیڈ نے کی ہے اس سے بھی یہ شبہ تک نہیں گذرتا کہ اس کا کسی طرح بھی مادی یا حیوانی سطح کی زندگی سے تعلق ہے۔ لہٰذا انسان کا لاشعوری

Marfat.com

جذبہ یا اُس کا محرک جبنی مادی لذت کا حصول نہیں بلکہ روحانی خوشی کا حصول ہی ہو سکتا ہے۔ فرائیڈ کہتا ہے کہ لاشعور جس کا شعور حصہ ہے، وہ محض حیوانی جبنی لذت کی تکمیل کا خواہاں ہے اگر شعور اُس کے اِس حیوانی جذبہ کو مطمئن کرتا ہے تو وہ اس سے تعاون کرتا ہے ورنہ وہ اسے سخت ذہنی بیماریوں میں مبتلا کر کے سزا دیتا ہے۔ اب جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ذہن کا تعلق انسان کی خود شعوری سے ہے اور اس کی قدریں روحانی ہیں۔ لیکن فرائیڈ کے مطابق لاشعور کے جذبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوانی جبنی لذت کا طاقتور جذبہ ہے۔ جس کے اندر کوئی سوچ سمجھی سکیم، نظم وضبط یا ارادہ نہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں انسانی ذہن کا وہ معمولی سا حصہ یعنی شعور جسے فرائیڈ ہوش وخرد کا حامل کہتا ہے اس کے مقابل انسان کا غالب ذہنی حصہ جسے وہ لاشعور کہتا ہے نہ صرف ہوش وخرد سے عاری ہے بلکہ وہ محض ایک ایسا اندھا جبنی جذبہ ہے جس کے اندر نہ تو کوئی سوچا سمجھا ارادہ ہے اور نہ ہی کوئی نظم، اس طرح یہ کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ انسانی ذہن کا ایک بڑا حصہ تو ہوش وخرد سے عاری ہو اور محض اندھا جبنی جذبہ رکھتا ہو لیکن اسی ذہن کا ادنٰے حصہ ہوش وخرد کا حامل ہو مندرجہ بالا تضادات کے اندر اِس بات کی شہادت ملتی ہے کہ فرائیڈ لاشعور کے پیچھے جس جذبہ کی لذت کا ذکر کرتا ہے وہ جبنی جذبہ کی لذت نہیں بلکہ روحانی جذبہ کی محبت ہے۔ اس حقیقت کو ہم پہلے ہی کائنات کی تخلیق، جو کہ دراصل انسان ہی کی تخلیق کے مختلف تخلیقی مراحل ہیں، کے اندر اس کے عملِ تخلیق سے واضح کر چکے ہیں۔ کائنات کے عملِ تخلیق پر اگر سرسری نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انسانی مرحلہ تخلیق سے پہلے زندگی کے اندر چونکہ خالق کی فطری یعنی روحانی محبت کا براہِ راست ادراک یا اس کا سمجھنا ممکن نہیں تھا لہٰذا وہ اپنی روحانی محبت کو

Marfat.com

زندگی کی مادی حالتوں یعنی مختلف اجسام یا تنظیمات کے اندر نر اور مادہ کے جوڑوں میں تقسیم کرلیتی رہی ہے۔ اس تقسیم کا باعث یا اس کے پیچھے جو جذبہ ہوتا تھا اس کا مقصد بھی خالق کی فطری روحانی محبت کو اپنے اندر طالب و مطلوب کی دو وحدتوں میں تقسیم کر کے مطمئن کرنا ہوتا تھا۔ زندگی سے روحانیت کے اس جوہر یا جذبہ کو خارج کر دیا جائے تو خواہ وہ ایٹم ہی کیوں نہ ہو اس کے اندر حرکت فوراً تھم جائے گی یا ناپید ہو جائے گی۔ لہٰذا زندگی جو کہ خالق کی محبت کے سوا کچھ نہیں اپنی مادی حالتوں میں بھی بحیثیت نر و مادہ خالق کی محبت کو اپنی مادی سطح پر مطمئن کرتی رہی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ زندگی، مادی حالتوں کے اندر زندگی کو پیدا کر کے آگے بھی بڑھتی رہی ہے حتیٰ کہ زندگی جب مختلف تخلیقی مراحل کے دوران خالق کی صفات و کمالات کے اندر پرورش پاتی ہوئی انسانی مرحلہ تخلیق پر قدم رکھتی ہے تو اس کے اندر براہِ راست خالق کی پہلی بار ادنےٰ جھلک نمودار ہو جاتی ہے جس سے زندگی کے اندر خالق کی روحانی محبت کا پہلی بار براہ راست احساس ابھرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے اندر اپنی حقیقت کو معلوم کرنے کا شدید روحانی جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اب جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ہر مرحلہ ایک وحدت کی حیثیت سے تخلیق پاتا ہے۔ یعنی جب زندگی کسی مرحلہ پر قدم رکھتی ہے تو وہ اس مرحلہ کی مجموعی شعوری اقدار کے مطابق نہایت ہی ادنےٰ جسم و شعوری اقدار سے آغاز کرتی ہے اور پھر بتدریج وہ اپنے مرحلہ کی اعلےٰ شعوری حالتوں کی طرف بڑھتے ہوئے بالآخر اپنے مرحلہ کی شعوری اقدار کی تکمیل حاصل کر لیتی ہے۔ چنانچہ یہی حال انسانی خودشعوری کے مرحلہ تخلیق کا ہے جہاں انسان کے اندر خالق کی روح ابھی اپنی ابتدائی حالتوں میں تخلیق پا رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان

Marfat.com

کو روحانی طور پر ابھی اتنا بلند اٹھنا ہے کہ وہ خالق کی روح کو مکمل طور پر پائے۔ خالق کی روح سے مراد، جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے، خالق کا وہ روحانی آئیڈیل ہے جس کی خود خالق کی روح کو تلاش ہے اور جو انسانی مرحلۂ تخلیق کے اندر پہلی دفعہ انسان کی خود شعوری میں ظاہر ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا سطور سے اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ لاشعور جسے فرائیڈ انسانی ذہن کا بڑا حصہ کہتا ہے اس کا جذبہ، جنسی لذت کا جذبہ نہیں بلکہ روحانی محبت کا جذبہ ہے تو جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں فرائیڈ کے یہ تمام مشاہدات حیرت انگیز طور پر انسانی خود شعوری کے روحانی جذبہ کی ایسی سائینٹی تشریح ہے۔ جو خالق کے عمل تخلیق کے تحت مہیا کردہ راہنمائی کے عین مطابق ہے

لاشعور کا جذبہ انسانی خود شعوری کا روحانی جذبہ ثابت ہو جانے کے بعد اب ہم فرائیڈ کے لاشعور، شعور اور فوق الشعور کے متعلق غور کریں گے تاکہ صحیح حقائق سامنے آسکیں۔ فرائیڈ کے مطابق لاشعور، شعور اور فوق الشعور، ان تینوں سے مل کر انسان کی شخصیت بنتی ہے۔ لیکن ان تینوں میں وہ انسانی شخصیت کا منبع یا سرچشمہ لاشعور کو کہتا ہے نہ صرف یہ بلکہ انسان کی ساری شخصیت کو وہ لاشعور ہی سمجھتا ہے اور شعور کو وہ محض اس کا ایک ایسا جزو سمجھتا ہے جو بیرونی دنیا کا جائزہ لینے کے لئے اوپر ابھر آیا ہے۔ لاشعور کے مقابل شعور کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ سمندر کو اس کی اپنی جھاگ سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ شعور اپنی تمام قوت لاشعور ہی سے حاصل کرتا ہے۔ گویا شعور فعالیت کے حساب سے کمزور ہے۔ نہ تو اس کا اپنا کوئی جذبہ ہے

Marfat.com

اور نہ ہی اس کی اپنی کوئی خواہش ہے بلکہ یہ لاشعور کے جذبہ کے تحت بیرونی دنیا میں اُس کے جذبہ کی ترجمانی کرتا ہے۔ مختصراً شعور کا کام لاشعور کی خواہشات کو پورا کرنا ہوتا ہے اگر شعور بیرونی دنیا میں نامساعد حالات کی وجہ سے لاشعور کی ترجمانی نہ کر رہا ہو یا وہ بیرونی دنیا کے احترام کے جھوٹے وعدے کر کے لاشعور کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو فوق الشعور جو کہ اخلاقی قدروں پر عمل کرنے کے لئے زور دیتا ہے وہ شعور پر سختی کرتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان پریشانی یا احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ تفصیل کے ساتھ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لاشعور کا جذبہ، انسان کا روحانی جذبہ ہے جو کسی سوچی سمجھی سکیم، ارادہ، عقل اور وقت یا فاصلہ وغیرہ کی حدود و قیود سے آزاد ہے۔ گویا لاشعور، روحانی محبت کا دیوانہ ہے جسے وہ کسی نہ کسی طرح پانا چاہتا ہے۔ انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان کا کائنات کے اندر اپنی منفرد ہستی کا احساس اور اس احساس کے نتیجہ میں خالق کی موجودگی کا یقین وہ حقائق ہیں جو انسان کو کائنات سے ماورا اس کے اندر خالق کی تلاش کا روحانی جذبہ بن کر ابھرتے ہیں۔ انسان اس جذبہ کو لاشعوری طور پر جانتا ہے لیکن خالق چونکہ لامحدود غیر فانی حقیقت ہے لہٰذا لاشعور کے لئے صرف اس کا وجدان کرنا ممکن ہے تصور ممکن نہیں۔ اس لئے کہ تصور ہمیشہ محدود چیزوں کا ہوتا ہے۔ اگر ابدی اور لامحدود حقیقت تصور میں سما جاتے تو وہ لامحدود نہیں رہے گی۔ جہاں تک خود شعوری کے ذہنی جسم یا جسے فرائیڈ نے صرف شعور کہا ہے، کا تعلق ہے وہ تو حقیقت یعنی خالق کا ادراک کرنے سے بھی عاری ہے۔ البتہ وہ عمل کے لئے اپنی قوت لاشعور سے حاصل کرتا ہے

Marfat.com

یعنی لاشعور کے وجدان کے تحت وہ مادی اشیاء کا تصور یا ادراک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے انسان جو کہ خالق کی آگاہی آجانے کے باوجود اس کا تصور کرنے سے قاصر ہے وہ کائنات کے اندر اور باہر خالق کو اپنے وجدان میں تلاش کرتا ہے۔ یعنی وہ کائنات کے حقائق اور اس کی ہر چیز کو وحدت کی حیثیت میں دیکھتا ہے اور پھر تجزیہ کے لئے ذہن یعنی شعور کے سپرد کر دیتا ہے اب جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ہر تخلیقی مرحلے نئے مرحلہ پر قدم رکھتے ہی اپنی اعلیٰ شعوری اقدار کے تحت کائنات سے تعلق قائم کرتا ہے۔ یعنی اپنے سابقہ سفر کو زندگی کے نئے حقائق کے اندر معلوم کرتا ہے اور اس کے معلوم کرنے کی وجہ خود اس کا اپنے مقام اور شعوری سطح کو متعین کرنا ہوتا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس غرض کے لئے زندگی جب نئے مرحلہ پر قدم رکھتی ہے تو وہ اپنے ساتھ اپنے جسم کو بھی لاتی ہے۔ جسم کے فرائض جنہیں ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ یہی ہوتے ہیں کہ زندگی سابقہ مراحل سے باہر رہتے ہوئے اپنی شعوری سطح پر کائنات سے تعلق قائم کر سکے اور پھر اس تعلق کے ذریعہ وہ اپنی موجودہ شعوری اقدار کو متعین کر کے اپنی قدروں کی تکمیل حاصل کرنے کی طرف بڑھتی رہے انسانی مرحلہ تخلیق پر زندگی چونکہ پہلی مرتبہ خالق سے ہم شعور ہو جانے کی وجہ سے زندگی کی مادی حالتوں یعنی مادی کائنات سے باہر نکل آتی ہے لہٰذا اس مرحلہ پر کائنات سے تعلق قائم کرنے کے لئے جس جسم کو وہ اپنے ساتھ لاتی ہے اس کی نوعیت غیر مادی اقدار کی حامل ہوتی ہے۔ انسانی خود شعوری کے مرحلہ پر ہم نے انسانی جسم کو ذہنی یا شعوری جسم کہا ہے۔ چونکہ انسان کی خود شعوری یا جسے فرائیڈ لاشعوری جذبہ کہتا ہے وہ کائنات میں اپنی منفرد اور اعلیٰ حقیقت رکھتا ہے اور کائنات کے تمام سابقہ مراحل، جو کہ دراصل انسانی خود شعوری کی اپنی تخلیقی داستان ہے۔

Marfat.com

زندگی کی جاہل یعنی مادی حالتوں میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا انسانی خودشعوری جو کہ اپنے روحانی جذبہ کو کائنات کی وحدت کے اندر تلاش کرتی ہے وہ کائنات کے اندر زندگی کی الگ الگ مادی حالتوں کا علم براہِ راست معلوم کرنے سے قاصر ہے لہٰذا وہ کائنات کے حقائق کا وجدانی ادراک کرتی اور اس ادراک کو وہ اپنے ذہنی جسم کے سپرد کر دیتی ہے۔ ذہنی جسم کا کام یہ ہے کہ وہ حواس کو وجدان کی شعوری سطح پر لاکر اشیاء کے حقائق کو معلوم کرکے ان کے خواص ورجحانات کا مجموعی علم وجدان کی قدروں کے مطابق اُس کے سپرد کر دے۔ اس طرح ذہنی جسم کے مہیا کردہ علم کی بناء پر خودشعوری اپنے روحانی جذبہ کے تحت ازسرِنو کائنات کے دوسرے حقائق کا مجموعی یا وجدانی ادراک کرتی ہے اور اس کو پھر ذہن کے سپرد کر دیتی ہے۔ ذہن حسبِ معمول حواس سے رابطہ قائم کرکے ان کو وجدان کی سطح پر لاتا ہے۔ ذہن کا یہ تمام عمل خیالات کے دوڑانے سے ہوتا ہے۔ خیالات گویا ذہنی کمپیوٹر کی طرح کام کرتے ہیں۔ ذہن جو کہ شروع ہی سے اشیاء کے نام، ان کی ماہیت اور خواص کو اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے۔ اس پر جب وجدان کی طرف سے حقائق کو دریافت کرنے کا دباؤ پڑتا ہے تو اس کے اندر فوراً الفاظ اور معانی پر مشتمل ایک کرنٹ یا رَو بہنا شروع ہو جاتی ہے۔

یہ کرنٹ جو الفاظ اور معانی کے اندر لپٹے ہوئے حقائق لئے ہوتی ہے اس کو ہم خیالات کی حرکت کہہ سکتے ہیں۔ خیالات کی اس کرنٹ یا حرکت کا مقصد ایسے الفاظ یا معانی تلاش کرنا ہوتا ہے جو خودشعوری کے وجدان یا اس کے احساسات کو مادی دنیا کے حقائق میں بدل سکیں اور پھر اس طرح ذہن کو ان حقائق کا ایک دوسرے سے موازنہ کرکے جو علم حاصل ہو وہ اسے خودشعوری کے سپرد کر دے اس طرح جب ذہن خودشعوری کے وجدان یا ادراک کو الفاظ کے اندر

Marfat.com

منتقل کر لیتا ہے تو پھر ان اشیار کا موازنہ اور تجزیہ کر کے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ لاشعور یعنی خود شعوری کو لوٹا دیتا ہے۔ خود شعوری اس علم کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیتی ہے اور پھر اس پر مزید حقائق کائنات کا ادراک کرتی ہے اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اگر خود شعوری کا وجدان درست ہو تو ذہنی عمل اُس کے تجزیہ میں جو علم مہیا کرے گا وہ خود شعوری کی خوشی کا باعث بنتا ہے۔ البتہ اگر خود شعوری کا وجدان غلط ہے تو ذہنی عمل بہر کیف وجدان کے احساسات کے تحت ہی حقائق کا تجزیہ کرے گا۔ اور اس طرح جو علم مہیا ہوگا وہ چونکہ بالآخر خود شعوری کے فطری روحانی جذبہ کے مطابق نہیں ہوگا۔ لہٰذا وہ اس کے لئے ناخوشی کا باعث بنے گا۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی اس کتاب میں کہیں ذکر کر چکے ہیں جسم کا تصور زندگی کی مادی حالتوں پر اطلاق رکھتا ہے لیکن غیر مادی حالتوں میں جسم کی نوعیت ایسی نہیں ہوتی کہ جسے ہم مادی حسوں کے ذریعہ معلوم کر سکیں۔ تاہم خود شعوری کے مرحلۂ تخلیق پر انسانی ذہن کے ساتھ ہم نے جسم کا جگہ جگہ استعمال کیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ ہم زندگی کو جسم کے ساتھ تصور کرنے کے عادی ہیں بلکہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے خود شعوری یا روح اگرچہ کائنات کی مادی حالتوں سے باہر نکل کر بسیط شعوری حالت پر تخلیق پا رہی ہے تاہم چونکہ یہ ابھی تخلیقی مراحل سے گزر رہی ہے لہٰذا اس کو اپنی اعلٰے سطح پر رہتے ہوئے کائنات سے تعلق قائم کر کے اپنی شعوری سطح کو متعین کرنا اور اس کے ذریعہ اپنے خالق کی زیادہ سے زیادہ پہچان کر کے اس کے قریب آنا ضروری ہے اس مقصد کے لئے خود شعوری کو یقیناً جسم کی ضرورت ہے۔ ذہن کا کام نہ صرف خود شعوری کے وجدان کا تجزیہ

Marfat.com

کرکے اس کو علم بہم پہنچاتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ خودشعوری کے وجدان کے جن حقائق کا تجزیہ کرتا ہے اس کے علم کو وہ اپنے آئندہ بڑھنے کے لیے اپنے اندر محفوظ بھی رکھتا ہے۔ یعنی وہ تجزیہ کے نتیجہ میں جو علم حاصل کرتا ہے اس سے وہ خود اپنی نشوونما بھی کرتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت کہ ذہن ایک جسم ہے اس کا ثبوت ہمیں اس سے بھی ملتا ہے کہ جب کہ خودشعوری یا روح اپنے اندر روحانی جذبہ رکھتی ہے ذہن کسی قسم کے جذبہ رکھنے سے عاری ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ اپنی تمام قوت یا ہدایت خود شعوری کے وجدان سے حاصل کرتا ہے۔

خودشعوری کا ذہنی عمل جسے فرائیڈ نے شعور یا "ایگو" کا نام دیا ہے اور جو اُس کے خیال میں بذاتِ خود کوئی جذبہ نہیں رکھتا بلکہ اُسے محض لاشعور نے اپنی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے اور جو تمام قوت لاشعور ہی سے لیتا ہے۔ ہماری فکر کے مطابق وہی عمل ہے جس کو ہم عقل کہتے ہیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذہن یا شعور کی رسائی مادی اشیاء کے ادراک یا تصورات تک محدود ہوتی ہے جبکہ خودشعوری یا لاشعور براہ راست خالق کا وجدان کرتی ہے البتہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں لامحدود چیز کا وجدان تو ممکن ہے لیکن تصور ممکن نہیں ہوتا، اس لئے اگر لامحدود تصور میں آسکے تو وہ لامحدود نہیں رہ سکتا۔ مندرجہ بالا سطور سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شعور یا عقل کی اپنی کوئی حقیقت نہیں نہ تو اس کا اپنا کوئی ارادہ ہے اور نہ ہی جذبہ، البتہ یہ خودشعوری کے جذبہ کے تحت صرف انہیں حقائق کا تجزیہ کرتی ہے جو خودشعوری اُس کے سپرد کرتی ہے حیوانی مرحلۂ تخلیق پر جبکہ زندگی مادی حالتوں کے اندر مقید تھی۔ نفسِ حیوانی کائنات کے سابقہ مراحل سے تعلق قائم رکھنے کی خاطر جس وسیلہ کو استعمال کرتا تھا وہ اس کا نظامِ ہضم تھا گویا انسانی مرحلۂ تخلیق پر جو کام ذہن یا عقل سرانجام دیتی ہے۔ مادی مرحلہ پر نفسِ حیوانی کے

Marfat.com

لئے وہی کام اُس کا نظامِ ہضم ادا کرتا تھا۔

شعور اور لاشعور کے رشتہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہاں چند اور حقائق کا ذکر بھی کیا جائے۔ ہمیں معلوم ہے کہ لاشعور کائنات کی مادی حالتوں سے الگ تھلگ بسیط شعوری سطح پر تخلیق پاتا ہے لہذا جیسا کہ عملِ تخلیق کا اصول ہے وہ اپنے اس اعلیٰ مقام سے نیچے اُتر کر زندگی کی مادی حالتوں یعنی مادی کائنات کا علم براہ راست حاصل نہیں کرسکتا۔ اس کے لئے نئے مرحلہ پر زندگی کو کسی نہ کسی واسطہ سے یہ تعلق قائم کرنا پڑتا ہے اگر حیوانی سطح پر یہ تعلق نظامِ ہضم کے ذریعہ تکمیل پاتا ہے تو انسانی خود شعوری یا لاشعور کے مرحلہ پر یہ تعلق ذہنی واسطہ سے تکمیل پاتا ہے گویا حیوانی مرحلہ پر زندگی چونکہ مادی حالتوں میں ہے لہذا حیوانی جسم کا نظامِ ہضم بھی مادی اقدار پر مبنی ہوتا ہے لیکن انسانی خود شعوری کے مرحلہ پر چونکہ انسان براہ راست زندگی کی روحانی سطح پر ہوتا ہے۔ لہذا وہ کائنات کے سابقہ مراحل سے جس وسیلہ یا جسم سے تعلق قائم کرتا ہے، یعنی ذہن، وہ بھی مادی اور غیر مادی قدروں کے درمیان ہوتا ہے۔ ذہن کے اس تمام عمل کو جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے، ہم عقل کہتے ہیں اور عقل کا کام محض اپنے مرحلہ پر زندگی کی نئی شعوری اقدار کا کائنات سے تعلق قائم کرنے میں مدد کرنا ہوتا ہے۔ فرائیڈ کے نظریہ کے مطابق عقل یعنی شعور کا اپنا کوئی جذبہ نہیں ہوتا، عقل اپنے سرچشمہ سے یعنی لاشعور کے روحانی جذبہ سے، جو کہ خالق کے عشق و محبت کے جذبہ کے سوا کچھ نہیں، بے خبر ہوتی ہے۔ اقبالؒ نے اس کو صحیح طور پر واضح کیا ہے جب وہ کہتا ہے کہ عشق کا مقام اور ہے اور عقل کا جو تخمین وظن سے کام لیتی ہے مقام اور ہے۔

• فرائیڈ نے اپنے نظریہ لاشعور میں فوق الشعور کی اصطلاح استعمال کی ہے فرائیڈ کے مطابق اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ عقل کو اخلاقی قدروں پر چلنے کے لئے مجبور کرے دراصل

Marfat.com

فرائیڈ نے فوق الشعور کی اصطلاح محض اس لئے وضع کی ہے کہ اُس سے کسی خاص فعل کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اب اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ فرائیڈ کے نظریہ کے مطابق بتدریج بچہ کسطرح ماں باپ کی محبت، اساتذہ اور شخصیات کی محبت اور بالآخر اعلیٰ سے اعلیٰ تصورات کی طرف بڑھتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لاشعور جس کا فرائیڈ ذکر کرتا ہے اس کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور کامل سے کامل تر حقائق کی طرف بڑھے۔ لہٰذا لاشعور یا خود شعوری کے رُوحانی جذبہ کا خود اپنا تقاضا ہے کہ وہ حسن و کمال ایسی روحانی قدروں کو چاہتا ہے ایسے میں وہ جو وجدان بھی ذہن کے سپرد کرتا ہے - وہ ذہن سے خود بخود یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اِس وجدان کی روحانی قدروں کے مطابق اپنی فعلیت انجام دے گا۔ اگر ذہن یعنی عقل، معاشرہ کی وجہ سے یا اپنے گرد و پیش نامساعد حالات کی وجہ سے بے حیائی یا بدکاری میں پڑ کر لاشعور کے اس روحانی جذبہ کے خلاف کام کرتا ہے تو یقیناً جب لاشعور یعنی انسان کو عقل کی اس کوتاہی کا بعد میں علم ہوتا ہے تو وہ اس پر سختی برتتا ہے اور اس طرح بالآخر عقل کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیتا ہے ایسی صورت میں انسان ذہنی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

فرائیڈ کا کہنا ہے کہ لاشعور محض جنسی جذبہ ہے اور شعور اس جنسی جذبہ کی وکالت کرنے کے لئے بیرونی دنیا میں اُبھر آیا ہے لیکن تعجب ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ فوق الشعور اخلاقیات اور سچائی کا ایڈووکیٹ ہے یہی نہیں بلکہ فرائیڈ کے مطابق لاشعور کے جنسی جذبہ کو اگر کوئی چیز روک سکتی ہے تو وہ محض عبادت اور خدا پرستی ہے یا پھر معاشرے کے اندر نیک کام ہیں۔ ان متضاد باتوں سے اور اس جنسی کہانی سے جو اُس نے بچّہ کی زندگی کے گرد بُنی ہے اور پھر شعور، فوق الشعور، لاشعور وغیرہ کی وحشت انگیز اصطلاحوں سے جس طرح اپنے جنسی نظریہ سے اُس نے انسان کو متأثر کرنے کی کوشش کی ہے یہ کوئی خوش ہونے کی بات نہیں بلکہ افسوس کا مقام ہے، نہ جانے اس جنسی نظریہ کی وجہ سے کتنے انسانوں کا گوہر عفت

Marfat.com

خاک میں مل گیا۔ کتنے گھر برباد ہو گئے اور کتنی بستیاں اُجڑ گئیں نہ صرف یہ بلکہ اس نظریہ نے انسان کو بے شرمی اور بے حیائی کی اس حد تک پہنچا دیا جہاں انسان کے ضمیر مُردہ ہو جاتے ہیں مغربی معاشرے اسی نظریے کی بھینٹ چڑھ کر ذہنی طور پر تباہی کے کنارے کھڑے ہیں۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانی مرحلہ تخلیق پر خود شعوری یا لاشعور جو کہ ایک زبردست روحانی جذبہ ہے اور بقول فرائیڈ جس پر منطق کے قوانین بلکہ اضداد کے اصول بھی حاوی نہیں ہو سکتے، بلکہ جس کے اندر وقت اور فاصلہ کے بھی کوئی نشان نہیں پائے جاتے وہ محض خالق کے ادراک یا پھر کائنات کے حقائق پر مبنی وجدان کے ذریعہ اپنے جذبہ کی تکمیل کیسے کر سکتا ہے خاص کر ایسی صورت میں جبکہ ذہن یا عقل بذاتِ خود کوئی جذبہ نہیں رکھتی بلکہ وہ محض لاشعور کی خدمت گذار بن کر اُس کو محض اُس کے وجدان کا علم پہنچاتی ہے اور پھر یہ کہ عقل کو اپنی سطح پر حواس پر انحصار کرنا پڑتا ہے اور حواس بعض اوقات حقائق کا مکمل پتہ لگانے میں ناکام رہتے ہیں لہذا لاشعور یا خود شعوری اپنے اس قدر زبردست روحانی جذبہ کی تسکین محض خالق کے ادراک یا پھر کائنات کے حقائق کے وجدان کے ذریعے جو بعض حالات میں غلط بھی ہوتا ہے کیونکر کر سکتی ہے

یہ نہایت اہم سوال ہے لیکن اگر ہم خالق کے عملِ تخلیق پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ خالق اپنی تخلیق کی ضرورتوں سے ہر وقت باخبر رہتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک طرف تو تخلیق کے اندر زبردست جذبہ موجود ہو اور دوسری طرف خالق کی طرف سے کوئی خاطر خواہ حل پہلے سے موجود نہ ہو، لہذا خالق اپنے عملِ تخلیق کے تحت نہ صرف انسانی مرحلہ تخلیق پر بلکہ اس سے پہلے بھی جتنے تخلیقی مراحل تھے ان پر تخلیق کی راہنمائی کے سامان مہیا کرتا رہا ہے۔ انسانی مرحلہ تخلیق پر انسان کو اُس کی ذہنی سطح کے مطابق یہ راہنمائی بذریعہ نبوت یا وحی ملتی رہی ہے، لہذا خود شعوری کا

Marfat.com

روحانی جذبہ اسی صورت میں اپنے جذبہ کی تسکین حاصل کر سکتا ہے اگر وہ اپنی عقل یا شعور کو خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کے تحت استعمال کرے، اس طرح نہ صرف خود شعوری اپنے خالق کا صحیح وجدان کرنے کے قابل ہو جاتی ہے بلکہ اُس کے تحت وہ جو وجدان بھی اپنے ذہن کے سپرد کرے گی وہ بھی چونکہ حقائق پر مبنی ہو گا۔ لہٰذا ذہن ان حقائق کا جو تجزیہ پیش کریگا وہ بھی عین خود شعوری کے جذبہ محبّت کے مطابق ہو گا۔ اس طرح نہ صرف خود شعوری کا ہر نیا وجدان نئی حقیقتوں کے قریب آ تا جائے گا بلکہ اس سے ذہن اور عقل میں بھی جلا پیدا ہوتی جائے گی اور اس طرح عقل اپنی نئی وسعتوں اور نئی روشنی سے خود شعوری کو نئے نئے وجدان پر اکساتی رہتی ہے۔ عقل کو حقیقی وجدان کے تحت استعمال کرنے سے اُسے جو تیز و تند روشنی ملتی ہے اُس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے پتھر پر تلوار کے گھستے رہنے سے وہ تیز سے تیز تر ہوتے چلی جاتی ہے لیکن اگر خود شعوری عملِ تخلیق کے ذریعہ دی گئی فطری راہنمائی کو پس پشت ڈال کر صرف وجدان پر انحصار کرتی ہے تو وہ کبھی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اکثر اپنے معاشرہ اور گرد و پیش کے حالات سے متاثر رہتا ہے اور اس طرح وہ جو وجدان حاصل کرتا ہے وہ بھی چونکہ حقائق سے ہٹا ہوا ہوتا ہے لہٰذا عقل اسی وجدان کا تجزیہ کر کے جو علم فراہم کرے گی وہ بھی غلط ہو گا۔ اس غلط علم کی بنا پر خود شعوری جیسے جیسے وجدان کرتی رہے گی وہ حقائق سے دور ہٹتی چلی جائے گی۔ حتیٰ کہ وہ روحانی طور پر بیماری کا شکار ہو جائے گی۔ ایسے وجدان کا نتیجہ وہی کچھ ہو گا جو کہ ہم نے اوپر مغربی تصورات کی جھلک میں دیکھا ہے۔ خاص کر فرائیڈ کے جنسی نظریہ نے جس قدر انسان کی اعلیٰ قدروں کو بے شرمی، بے حیائی اور ایسی ہی دوسری اخلاقی بیماریوں سے دھچکا پہنچایا ہے وہ شاید ہی کبھی انسان کو پہنچا ہو۔ بہر حال فطرت کی تدبیریں بہت قوی ہیں وہ زود یا بدیر ہر ایسے غیر فطری عمل کو، جو تخلیق کے راستہ میں روڑا اٹکائے ــ

Marfat.com

صفحۂ ہستی سے مٹا دیتی ہیں۔ چنانچہ بہت سے معاشرے ہیں جو ایسے ہی خود ساختہ نظریات کی بھینٹ چڑھ کر ذہنی عذاب میں مبتلا ہیں اور اپنے آپ کو بیمار معاشرہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ سوال یہ ہے کیا ایسے معاشروں کا اور خاص کر مغربی معاشروں کا انسانیت کی قدروں کی طرف لوٹ آنا ممکن ہے؟ ہم سمجھتے کہ اگر مضبوط ارادہ ہو تو اس دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں اگر دل سے اصلاح کی کوشش کی جائے تو اصلاح ممکن ہے۔ لہٰذا جب ان معاشروں میں ابھی اصلاح کے امکانات باقی ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ فوراً خالق کے مہیا کردہ راستہ کی طرف لوٹ آئیں ورنہ ان کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اُن کا حشر انہیں اقوام جیسا ہوگا جو صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹ چکی ہیں۔

اب ہم یہاں فرائیڈ کے نظریہ جنسیت کی مزید وضاحت کے لئے جنسی جبلت اور انسان کے رُومانی جذبہ کے متعلق کچھ کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے انسانی مرحلہ تخلیق سے پہلے کائنات کے اندر زندگی جن مادی اجسام میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی رہی ہے ان میں انسان کا نفسی یا مادی جسم جو نر و مادہ یا مرد اور عورت کے جسم میں منقسم ہے، وہ کائنات کے اندر زندگی کی ہر مادی تنظیم سے زیادہ حسین اور پُرکشش ہے۔ عورت کا وجود جو حُسن کی قدروں میں ڈھلا ہوتا ہے۔ وہ مرد کے لئے جادو سے کم اثر نہیں رکھتا اسی طرح عورت کے لئے مرد کا وجود جو اپنے اندر پختگی ارادہ، حوصلہ بردباری اور بہادری ایسی جلالی اقتدار کا بھی حامل ہے کائنات میں سب سے زیادہ حسین ہے۔ دوسرے لفظوں میں زندگی کی مادی سطح پر مرد اور عورت کے وجود میں زندگی اپنے آپ کو ایک مکمل وحدت میں دیکھتی ہے۔ عورت اور مرد کی الگ الگ حیثیت میں زندگی اپنے آپ کو ادھورا سمجھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کی مادی سطح تک کائنات میں اگر کوئی چیز حسین اور

Marfat.com

پرکشش ہے تو وہ عورت اور مرد کا اپنا وجود ہے۔ مرد اگر سوز ہے تو عورت ساز ہے۔

انسان کا نفسی جسم خالق سے براہِ راست آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے خالق کی فطری محبت کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے آپ کو بحیثیت خالق کے شاہکار کے عورت اور مرد کی مصنوعی تقسیم کے ذریعے ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس محبت کا سرچشمہ خالق کی روحانی محبت ہوتی ہے۔ جس کی ادنیٰ جھلک زندگی کی مادی سطح پر نر اور مادہ کے اندر پائی جاتی ہے۔ ہم اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حیوان یا پھر انسان کے حیوانی نفسی جسم کے اندر بحیثیت نر و مادہ جو محبت یا کشش پائی جاتی ہے وہ خالق کے شاہکار ہونے کی حیثیت سے گویا خالق کی روحانی محبت کی منجمد یا مادی شکل ہوتی ہے۔ انسان کا نفسی جسم نر اور مادہ یا مرد و عورت میں بٹنے کی بجائے اپنے آپ کو ہر ممکن طریقہ سے ایک دیکھنا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ روحانی محبت بالآخر جنسی عمل میں بدل جاتی ہے۔ جنسی عمل کا مقصد مآلِ کار زندگی کا اپنے آپ کو یعنی اپنی اقدار کو مادی سطح پر مٹنے سے بچانا اور اس کو جاری رکھنا ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ زندگی کی مادی سطح پر جبلّت جنس خالق کی روحانی محبت سے تراشی گئی ہے۔ اور اس کا مقصد مادی سطح پر زندگی کو آگے بڑھانا ہے۔ دوسری حقیقت جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کائنات میں مرد اور عورت کا مادی وجود ایک ایسا شاہکار ہے جو حسن و خوبی میں کائنات کے اندر اپنی مثال نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ زندگی کی مادی سطح پر کائنات کے اندر مرد اگر حسن و جمال کو عورت کے وجود کے اندر ڈھلا ہوا دیکھتا ہے تو عورت مرد کے مادی جسم میں اس کے جمال و جلال کو نکھرا ہوا دیکھتی ہے۔ ان دونوں کی تقسیم کے پیچھے زندگی کے اندر جو اصلی جذبہ ہے وہ بحیثیت خالق کے شاہکار ہونے کے اپنے خالق کی محبت کو مطمئن کرنا ہوتا ہے۔ اس محبت کے نتیجہ میں جنسی عمل ایک مادی دباؤ ہے

Marfat.com

جو اپنی قوت حیوان یا انسانی نفس کی روحانی محبت سے حاصل کرتا ہے اور اس عمل کا مقصد عمل جنس کے ذریعے زندگی کو آگے بڑھانا ہوتا ہے۔ البتہ انسانی مرحلہ تخلیق پہ انسان جب روحانی مرحلہ پر قدم رکھتا ہے تو وہ زندگی کی مادی تنظیمی حالتوں سے باہر نکل کر کائنات کو ایک وحدت کے اندر بسیط شعوری سطح پہ دیکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کائنات کو محض اپنی تخلیق گاہ سمجھتا ہے۔ اس کی روح جو کہ خالق کی روح کی آئینہ دار ہوتی ہے وہ اپنی وسعتوں میں اس قدر لامحدود ہو جاتی ہے۔ کہ وہ کسی ایسی چیز سے ہرگز مطمئن نہیں ہوسکتی جو اس کی طرح وحدت یا کل میں رہتے ہوئے آزاد ارادہ کی مالک نہ ہو۔

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کائنات میں اگر زندگی کی مادی سطح پہ کوئی چیز پھول کی پنکھڑیوں سے بھی زیادہ نازک اور حسین ہے تو وہ عورت ہے۔ اور اسی طرح کائنات میں اگر کوئی چیز صبر و استقلال اور جلال و جمال کی صفات سے مزین ہے تو وہ مرد ہے اور نفسی سطح پہ یہ ہر دو ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے سے ان کی محبت اور کشش عین فطرت کے مطابق ہے انسان کو اپنی نفسی زندگی کے مطمئن کرنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ عورت اور مرد کی حیثیت سے ایک دوسرے سے پوری محبت کریں اور معاشرہ کے ضوابط کے تحت وہ اپنی جنسی جبلت کو مطمئن کریں۔ لیکن ہم یہاں جس چیز کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی روحانی سطح پہ محض جبلت جنس یا عورت اور مرد کی محبت کو اپنا مقصد بنا کر ایک دوسرے کو پوجتے نہیں رہنا چاہیئے۔ زندگی تو ہر وقت اپنے مقصد کی طرف رواں دواں رہتی ہے۔ زندگی کی سابقہ حالتیں انسانی روح یا زندگی کی تعمیر و تخلیق کی حالتیں تھیں۔ جو کہ بذاتِ خود مقصود نہیں تھیں۔ بلکہ زندگی کو ادنٰی سے اعلٰے حالتوں کی طرف بڑھانے کا ذریعہ تھیں۔ لہٰذا اگر انسان اپنے روحانی مرحلہ تخلیق کی بلندی پہ پہنچ کر اپنے آپ کو زندگی کی روحانی قدروں کی طرف لے جانے کی بجائے اپنا رخ زندگی

Marfat.com

کی مادی قدروں کی طرف موڑ رکھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے روحانی مقصد یعنی اپنی زندگی کی قدروں سے پیار نہیں کر رہا۔ بلکہ وہ ایسی قدروں سے پیار کر رہا ہے جو اس کی روحانی زندگی کا مقصد نہیں بلکہ محض مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے ایک عارضی وسیلہ یا ذریعہ ہیں۔ انسان اگر مقصد سے ہٹ کر جنسی لذت کو ہی اپنا مقصد بنانے لے گا تو ظاہر ہے کہ اس کی روح جو کہ خالق کی شان وشوکت کی آئینہ دار ہے وہ گھٹتی رہے گی اور بالآخر اپنے آپ کو مطمئن نہ پا کر انسان کو ذہنی مصائب میں مبتلا کر دے گی۔ سچ تو یہ ہے کہ خالق نے زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے پہلے ہی عورت اور مرد کے اندر ایک دوسرے کے لئے زبردست فطری محبت رکھ دی ہوئی ہے۔ عورت اپنے آپ کو بنانے سنوارنے اور مرد کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے پہلے ہی کم نہیں۔ فطرت نے اس کے خدوخال کے اندر، چہرے کے صاف وشفاف نقوش کے اندر اور پھر جسم کی موزونیت میں پہلے ہی حسن کو نکھار رکھا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی مرحلہ تخلیق پر عورت کے مادی جسم کے ساتھ اس کی روحانی زندگی کے پیوست ہونے کی وجہ سے اس کی روحانی قدریں اس کی اخلاقی قدروں میں ڈھل کر اس کے اندر مزید حسن اور رجاد پیدا کر دیتی ہیں۔ اس طرح عورت ہو یا مرد دہرے جسمانی اور روحانی دباؤ کے تحت ایک دوسرے کے قریب آنے کے لئے بے چین ہوتے ہیں۔ اور بالآخر جنسی فعل کا مرتکب ہوتے ہیں۔ قدرت نے زندگی کو جاری رکھنے کے لئے جنسی فعل کے اندر لذت رکھ دی ہے۔ تاکہ حیوانی سطح پر زندگی اس جنسی عمل کو زندگی کے آگے بڑھانے کی خاطر دہراتی رہے۔ اس طرح فطرت کے منشا کے مطابق مرد ہو یا عورت وہ روحانی محبت کے ساتھ ساتھ جنسی لذت کے دام میں بری طرح گرفتار ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر نظریات یا فلسفے کی صورت، جنسی فعل کو ہی انسان کی زندگی کا حاصل یا مقصد ثابت کر کے اسے جنسی فعل کے لئے کھلا لائسنس مہیا کر دیا جائے تو اس کا مطلب جلتی پر تیل ڈالنے کے مترادف ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایسے نظریات انسان کو روحانی اور ذہنی طور پر تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ وجودِ زن سے کائنات میں رونق ہے اور

Marfat.com

اسی کے سہانہ سے زندگی کے اندر سوز پیدا ہوتا ہے۔ زندگی کو آگے بڑھانے کی خاطر انسان کے اندر حسن و محبت کی قدروں کو اجاگر کرنے کے لئے قدرت پہلے ہی کافی فراخدل ہے۔ جس نے عورت کو حسن اور مرد کو محبت سے پوری طرح نواز رکھا ہے۔ لہٰذا فرایڈ ایسے جنسی نظریات سوائے اس کے کہ وہ انسان کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جائیں ہرگز سودمند نہیں ہو سکتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ انسان کی نفسی زندگی کے قیام کے لئے یہ نہایت اہم ہے کہ انسان اپنی جبلی ضروریات کو نہایت احسن طریقہ سے مطمئن کرے نہ صرف جنسی جبلت کو بلکہ دوسری تمام جبلتوں جن کا تعلق مادی زندگی کو قائم رکھنے مثلاً کھانے، پینے، جسم کو ڈھاپنے، اس کی حفاظت وغیرہ کرنے سے ہے کو مطمئن کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے لئے عورت ہو یا مرد ان کا اچھے لباس میں رہنا اچھا اور صاف ستھرا کھانا اپنے آپ کو سنوار بنا کر رکھنا یہ سب چیزیں احسن ہیں۔ اور اس کے حصول کے لئے انسان کو حتی المقدور محنت اور کوشش کرنی چاہیئے۔ لیکن خوب یاد رہے کہ اگر ان جنسی خواہشات کا مطلب یہ لیا جائے کہ عورت کو ننگا کر کے اس کے وجود کی نمائش کی جائے یا اس کی پوجا کی جائے اور اسی طرح عورت مرد کو دیوتا سمجھ کر اس کے آگے غلام بن کر جھکی رہے تو ایسا کرنا انسان کی روحانی قدروں کو قتل کر دینے کے برابر ہے۔ فرائیڈ کے نظریہ لاشعور (جنسیت) کا یہ نتیجہ ہے کہ آج مغرب میں عورت جو کہ عصمت حیا اور پاکیزگی کی نشانی ہے کو برہنہ کر دیا ہے مرد نے اس کو محض ایک جنسی کھیل سمجھ رکھا ہے جس کی وجہ سے عورت اپنے بلند مقام سے گر کر محض جنسی کھلونا بن کر رہ گئی ہے۔ اس طرح مرد اور عورت نے جنسی فعل کو اپنا مقصد یا زندگی کا حاصل سمجھ کر اپنے آپ کو حیوان کی سطح سے بھی نیچے گرا دیا ہے اور اس کے نتیجہ میں آج امریکہ، یورپ اور دوسری آزاد خیال اقوام ذہنی اور روحانی طور پر جو بیمار نظر آتی ہے اس کی وجہ فرائیڈ کا یہی جنسی نظریہ ہے۔

جیسا کہ ہم اس کتاب میں شروع ہی سے بیان کرتے چلے آ رہے ہیں انسان

Marfat.com

اگرچہ خود شعوری کے مرحلہ پر اپنی روحانی قدروں کے اندر رہ کر اپنی روحانی زندگی کی تکمیل حاصل کر رہا ہے لیکن کیونکہ وہ ابھی اپنی تخلیق سے گذر رہا ہے اور پوری طرح روحانی قدروں اور اس کی خوشیوں سے آشنا نہیں ہے اس لئے اس کا زندگی کی مادی قدروں کی طرف بہک کر اپنے روحانی جذبہ کی محبت کو بھی ان مادی خواہشات کی طرف موڑ دینے کا ہر وقت امکان موجود رہتا ہے۔ لہذا ہم سمجھتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے حقیقی روحانی مقصد اور اس کی قدروں کی بلندیوں سے اچھی طرح آگاہ نہیں ہو جاتا اس کا حیوانی نفسی خواہشات کی طرف مائل ہونے کے علاوہ چارہ کار نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان کا محض اپنے روحانی مقصد کو سمجھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس پر محکم یقین بھی ضروری ہے۔ یقین ہی وہ قوت ہے جو انسان کو غلط راستے سے بچنے اور صحیح راستہ اختیار کرنے کی طاقت مہیا کرتی ہے۔ جب تک اپنے مقصد پر یقین نہ ہو۔ انسان صحیح سمت کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ ادنے تخلیقی حالت سے گذر کر اعلےٰ تخلیقی حالتوں کی طرف بڑھنا کوئی آسان کام نہیں اس لئے ہم کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ تخلیق کا نچلی سے اعلےٰ حالتوں کی طرف کامیابی سے بڑھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس کے لئے زبردست استقامت ایثار قربانی، محبت اور عمل کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہے اگر انسان کو اپنی روحانی قدروں پر پکا یقین ہو۔ کیونکہ یقین اور ایمان ہی ایسی قوت ہے جو زندگی کو مادی لذتوں کے اندر گم ہونے سے بچا سکتی ہے۔ وہ انسان جو اپنی روحانی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں ان کو بھی اکثر زندگی کی مادی لذتوں کے پر فریب دام سے بچ کر نکلنے کے لئے اپنے دامن کو سمیٹ کر رکھنا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کیوں کہ حیوانی نفسی زندگی کے ساتھ پیوستہ رہ کر تخلیق پا رہا ہے اس لئے وہ جبلی خواہشات کو مطمئن کئے بغیر حیوانی زندگی کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ حیوانی نفسی خواہشات کو مطمئن کرتا رہے۔ لیکن یاد رہے جبلی ضروریات کے وظیفہ کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ جبلی لذتیں انسان کو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہیں اس طرح انسان ہر وقت ایک سخت کڑی آزمائش سے گذرتا رہتا ہے صرف وہی لوگ جو نہایت مضبوطی سے اپنے آپ کو روحانی قدروں

Marfat.com

کے حصول کی طرف لگائے رکھتے ہیں۔ وہ ان جبلّی قدروں کو ان کی فعلیت کے مطابق ایک اعتدال کے اندر رکھ کر پورا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ ان لوگوں کا اپنی روحانیت اور مقصد پر مکمل ایمان اور یقین ہوتا ہے۔ یقین اور ایمان، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ وہ قوت ہے۔ جو جبلّی دباؤ پر قابو پا سکتی ہے اگر انسان کے اندر قوت ایمان یا یقین نہ ہو تو وہ کبھی بھی حیوانی جبلّی خواہشات کے دباؤ سے نہیں نکل سکتا اور اس طرح وہ انسانی مرحلہ میں رہتے ہوئے حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ہماری اس تمام گفتگو کا مقصد اس اہم بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ وہ لوگ جو عورت اور اس کے حسن کو زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو کھانے پینے کو زندگی کا حاصل خیال کرتے ہیں یا اسی طرح دوسری حیوانی جبلّی خواہشات کو مطمئن کرنے کے پیچھے لگے رہتے ہیں وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو ابھی اپنے آپ اور اپنی روحانی بلندی کا کھل کر علم نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ روحانی محبت کا تقاضا کیونکہ خالق کی لامحدود محبت ہوتی ہے اور وہ خالق کی محبت کے علاوہ کسی اور چیز سے مطمئن نہیں ہو سکتی لہذا انسان اگر اس روحانی محبت کا رُخ جسم کی نفسی یعنی جبلّی خواہشات کے مطمئن کرنے کی طرف موڑ بھی دے تو تب بھی وہ نہ تو جبلّی لذتوں کو مطمئن کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے روحانی جذبۂ محبت کو۔ لہذا ہم ان حقائق کی روشنی میں جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان کو حیوانی نفسی خواہشات کو اپنا مقصد حیات نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ ان کو مقصد کی طرف بڑھنے کے لئے محض ذریعہ خیال کرنا چاہیئے۔ اس طرح جبلّی خواہشات کی تکمیل کا مطلب یہ ہے کہ ان خواہشات کو اپنے روحانی مقصد اور اس کی قدروں کے تحت مطمئن کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں جبلّی خواہشات کی تکمیل ایک اعتدال کے اندر رہنی چاہیئے۔ سچ تو یہ ہے کہ اعتدال کی راہ ہی وہ سیدھی راہ ہے جو انسان کو اس کے مقصد کی طرف لے جانے میں مدد دیتی ہے۔

اب اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اور اسی طرح کے دوسرے تمام نظریات

Marfat.com

جن سے انسان کو ناقابل تلافی حد تک ذہنی اور روحانی نقصان پہنچا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام کے تمام نظریات انسان کے خود ساختہ نظریات تھے۔ انسان کے خود ساختہ نظریات کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بنیاد محض انسانی عقل پر رکھی گئی ہے اب جیسا کہ ہم پہلے اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں۔ زندگی اپنے تخلیقی مراحل میں ہونے کی وجہ سے، یعنی جب کہ اس کی تعمیر ابھی جاری ہے وہ از خود اپنے مقصد کو ادنےٰ شعوری حالتوں میں رہتے ہوئے متعین کرنے سے قاصر ہوتی ہے لہٰذا انسان اگر بحیثیت تخلیق از خود اپنے مقصد کو متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ایسا اپنی عقل کی سطح پر ہی کر سکتا ہے۔ اب جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں اگر عقل کی حقیقت پر غور کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ عقل بذاتِ خود علم حاصل کرنے سے قاصر ہے عقلِ انسانی، خود شعوری کے ذہنی جسم کا وہ شعبہ ہے جو محض عناصر اور اجزا کی تنظیم اور ترتیب کو وحدتوں کے اندر دیکھتا ہے یا پھر ان کے اندر امتیازات کو پرکھتا ہے۔ گویا عقل از خود کوئی جذبہ نہیں رکھتی جس کی وجہ سے اشیاء کا علم دریافت کرتی ہو بلکہ یہ محض کسی جذبہ کے تحت اُس جذبہ کی قدروں کے مطابق عناصر کی تنظیم و ترتیب یا ان کی خصوصی وحدتوں کے اندر امتیازات کو پرکھ کر اس جذبہ کی خدمت کرتی ہے اور بس۔ دوسرے لفظوں میں خود شعوری کے مرحلۂ تخلیق پر انسان اپنے آپ کو معلوم کرنے کے لئے کائنات کا جو وجدانی ادراک قائم کرتا ہے۔ عقل اس وجدانی ادراک کے تحت کائنات کے حقائق کو پرکھتی ہے اور اس کے نتیجہ میں جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ذہنی جسم کے سپرد کر دیتی ہے۔ یاد رہے یہ وجدانی ادراک انسان کی خود شعوری خود قائم کرتی ہے اور اِس وجدان کے پیچھے جو بنیادی حقیقت یا جذبہ ہوتا ہے۔ وہ انسان کی خود شعوری کے مرحلہ پر خالق کے احساس اور اس کی محبت سے پیدا

Marfat.com

ہوتا ہے لہٰذا عقل از خود کسی قسم کا جذبہ رکھنے سے قاصر ہے اور نہ ہی وہ کسی قسم کا وجدان قائم کر سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں عقل کا محض یہ کام ہے کہ وہ خود شعوری کے وجدان کا الگ الگ وحدتوں میں تجزیہ کر کے خود شعوری کے ذہنی جسم کے سپرد کر دے۔ گویا اس کا فعل ایسا ہی ہے جیسا کہ حیوانی مرحلۂ تخلیق پر حیوانی جسم میں اس کے معدہ یعنی نظامِ ہضم کا ہوتا ہے۔ عقل پرست جو عقل ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جدھر ہمارے دلائل لے جائیں گے ہم بھی اسی طرف چلیں گے ان کو عقل کی اس محدود فعلیت کا معلوم کر کے دکھ ہوگا۔ لیکن حقائق سے بہر حال انکار ممکن نہیں۔

آیئے اب دیکھیں کہ عقل کا واقعی وہی فعل ہے جو حیوانی مرحلہ پر معدہ کا ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے حیوانی مرحلۂ تخلیق اور انسانی خود شعوری کا مرحلۂ تخلیق دو الگ الگ اور اپنی قسم میں منفرد تخلیقی مراحل ہیں۔ حیوانی مرحلۂ تخلیق پر نفس یا حیوان کی شعوری قدریں اس کے حواس ہیں حیوانی مرحلہ پر زندگی اپنی ان شعوری قدروں کو کائنات کے مجموعی سفر میں متعین کرنے کے لئے کائنات کے سابقہ تخلیقی مراحل سے بذریعہ خوراک رابطہ قائم کرتی ہے۔ ضمناً جیسا کہ ہمیں معلوم ہے حیوانی زندگی بذاتِ خود مادی حالتوں سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا جب وہ سابقہ مرحلہ پر زندگی سے تعلق قائم کرتی ہے تو چونکہ وہاں بھی زندگی مادی حالتوں میں ہوتی ہے لہٰذا ان مراحل پر اعلےٰ زندگی ادنےٰ زندگی کو اس کے مادی اجزا کی علامات کے اندر سے اخذ کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں حیوانی مرحلہ پر حیوان یہ تعلق نباتات وغیرہ کو اپنے جسم یعنی معدہ میں داخل کر کے اس کے تجزیہ کے نتیجہ میں قائم کرتا ہے نظامِ ہضم گویا حیوانی زندگی کے مرحلہ پر وہ نظام ہے جو

Marfat.com

زندگی کی سابقہ قدروں کو اپنے مرحلہ کی اعلیٰ قدروں کے مطابق ڈھال کر انکو الگ الگ حدوں کے اندر ادنےٰ اجزا میں تقسیم کر کے تجزیہ کرتا ہے اب جیسا کہ عملِ تخلیق سے واضح ہے۔ حیوانی شعوری اقدار تو اپنی سطح سے نیچے گر نہیں سکتیں۔ لہٰذا معدہ کا عمل خوراک کو توڑ پھوڑ کر نہایت ادنےٰ اجزا میں تقسیم کر کے اور پھر ان کو مختلف رطوبتوں کے عملِ کیمیاوی سے گزار کر ان کے اندر حواس کی ادنےٰ خصوصیات پیدا کر دیتا ہے۔ گویا معدہ جو عمل کرتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ زندگی کی سابقہ خام حالتوں کو نئے مرحلہ کی شعوری قدروں کے مطابق ڈھالنے میں مدد دے۔ یہاں ایک اہم بات یاد رکھنے کی یہ بھی ہے کہ اگرچہ حیوانی شعوری اقدار اپنی سطح سے نیچے نہیں گرتیں تاہم نظامِ ہضم اور اس کے اندر جتنی بھی رطوبتیں کام کرتی ہیں ان سب کا کسی نہ کسی طرح سے حیوانی شعوری اقدار یعنی دماغ یا نفس سے تعلق قائم رہتا ہے۔

اب اگر ہم انسانی خود شعوری کے مرحلۂ تخلیق کو لیں تو جیسا کہ ہمیں معلوم ہے انسان کے خود شعور ہونے پر اس کی روحانی محبت کا تقاضا ہے کہ وہ کائنات کے اندر اپنی حقیقت کو زیادہ سے زیادہ متعین کرے اور اس طرح وہ اپنی شخصیت کو پہچان کر اپنے راستہ کو تلاش کرے۔ انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان کی خود شعوری اگر اس کی روح ہے تو ذہن اس کا جسم ہے خود شعوری اور اس کا ذہنی جسم ابھی اپنے مرحلہ کی ابتدائی حالتوں میں تخلیق پا رہا ہے اور اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ وہ کائنات کے اندر اپنی حقیقت کو زیادہ سے زیادہ معلوم کرے۔ اس سلسلہ میں انسان اپنی شعوری اقدار کی سطح پر کائنات کے حقائق کا وجدانی تصور قائم کرتا ہے اور یہ تصور خود شعوری کا فطری تقاضا بلکہ اس کی روح اور ذہنی جسم کی غذا ہے۔ یاد رہے

Marfat.com

کہ انسان کی خود شعوری کی قدریں روحانی ہیں لہٰذا وہ کائنات کا جب وجدان کرتا ہے تو اس کے پیچھے جو قوتِ محرکہ ہوتی ہے وہ انسان کے اندر خالق کی موجودگی کا احساس اور اس کی روحانی محبت کا جذبہ ہی ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ خود شعوری کا اپنے وجدانی تصور کو متعین کرنے کے لئے کائنات کے اندر جھانکنا ضروری ہے یعنی اس کو حیوانی نفسی حواس کو بطور خام مال اپنے ذہنی جسم میں داخل کر کے ان کو خود شعوری کی وجدانی اقدار کے رنگ میں رنگ کر کائنات کے حقائق کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے خود شعوری کے ذہن میں جو چیز یہ فعل انجام دیتی ہے اسے ہم عقل کہتے ہیں۔ عقل کی تشکیل خود شعوری کا ذہنی جسم کرتا ہے اور جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں انسانی ذہنی جسم میں عقل کی فعلیت ہو بہو وہی ہے جو نظامِ ہضم کی حیوانی جسم میں ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ حیوان کیونکہ ابھی زندگی کی مادی حالتوں میں ہے لہٰذا معدہ کو جو خوراک یعنی نباتات وغیرہ مہیا ہوتی ہے وہ بھی زندگی کی مادی حالتوں پر مشتمل ہوتی ہے اس طرح حیوانی معدہ کو تجزیہ کرنے کیلئے غذا کو اجزا کی نہایت ادنےٰ وحدتوں میں بدل کر ان کی علامات سے ان کے رجحانات کو معلوم کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اِس کے خلاف انسانی مرحلۂ تخلیق پر کیونکہ انسانی خود شعوری کی اقدار روحانی ہیں۔ یعنی غیر مادی ہیں اور وہ کائنات کو جھانکنے کے لئے جن حواس کو خوراک بناتی ہے ان کا تعلق زندگی کی مادی حالتوں سے ہے۔ لہٰذا عقل کا کام انسان کے غیر مادی مرحلۂ تخلیق پر یہ ہوتا ہے کہ وہ خود شعوری کے غیر مادی وجدان کے مطابق حواس کو اس کی مادی حالتوں سے اونچا کرکے یعنی ان کو غیر مادی حالتوں میں ڈھال کر حقائق کائنات کا تجزیہ کرے۔ یعنی وہ کائنات کے حقائق کو وجدانی کیفیتوں کے مطابق تصوراتی معانی پہنائے اور اس طرح حواس کو وجدانی قدروں

Marfat.com

کے مطابق بلند کر کے کائنات کو تصورات میں دیکھے۔ عقل جب حواس پر وجدان کا رنگ چڑھا کر اسے غیر مادی حالت میں بدلتی ہے تو یہی حواس انسانی بصیرت تفکر، تمیز، استدلال اور برہان وغیرہ میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ عقل کا عمل جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں بھی بیان کر چکے ہیں کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ یونہی خام حواس اِس کے اندر داخل ہوتے ہیں تو یہ حواس کو وجدان کے مطابق الفاظ یا معانی میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہے۔ حواس کو وجدان کی قدر دں کے مطابق بدلنے کا فعل جس طرح سے سَر انجام پاتا ہے اسے ہم خیالات کہتے ہیں۔ عقل کے اندر خیالات کا سلسلہ بندھ جاتا ہے اور عقل ان خیالات کو الفاظ یا معانی اور تصورات، جن کا ایک زبردست ذخیرہ اس کے پاس ہر وقت موجود رہتا ہے، کی غیر مادی حالتوں میں ڈھالتی رہتی ہے اور پھر بتدریج اس وجدان کے تحت کائنات سے تعلق قائم کر کے تصورات و خیالات کے ذریعہ وہ اشیا کی وحدتوں کے اندر اس کی مختلف خاصیات کا مقابلہ و موازنہ کرتے ہوئے حقائق کو وجدان کے مطابق کر کے دکھاتی ہے۔ اس طرح خود شعوری کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ اس سے اپنے ذہنی جسم کی بھوک کو تسکین اور اپنی روح کو جلا بخشتی رہتی ہے۔ ذہن اس علم کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے بلکہ یہ اس کا جزو بدن بن جاتا ہے جو خود شعوری یا روح کی طرح غیر مادی ہونے کی وجہ سے تغیر و تبدل سے باہر رہتا ہے گویا ذہن میں ابدی طور پر محفوظ رہتا ہے۔

حیوانی مرحلہ تخلیق پر نظامِ ہضم کا بھی یہی طریق ہے۔ نباتات وغیرہ جب حیوانی جسم یعنی معدہ میں داخل ہوتے ہیں تو معدہ اپنے جسم کی شعوری اقدار کے مطابق اس خام خوراک پر اپنے اندر سے کئی ایک رطوبتیں پھینکتا ہے اور جگر وغیرہ سے مزید رطوبتوں کے خارج ہونے سے خوراک ٹوٹ پھوٹ کر اجزا میں بٹ جاتی ہے

Marfat.com

یہ اجزا مزید کیمیاوی عمل سے گذر کر بالآخر مختلف حیاتین پر مشتمل خون بن کر جسم میں دوڑتا ہے جس سے جسم کے خلیات نہ صرف اپنے لیے غذا یعنی حسی استعداد حاصل کرتے ہیں بلکہ خون کے تمام جسم میں دوڑنے سے حواس کے اندر ایک حسی کرنٹ پیدا ہو جاتی ہے جو حیوان کو اندرونی اور بیرونی کائنات کی مادی حالتوں سے آگاہ رکھتی ہے۔

اب اگر ہم مادی مرحلۂ تخلیق پر حیوان کے نظامِ ہضم اور انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسان کے ذہنی جسم کے اندر عقل یا شعوری نظام کا مقابلہ کر کے دیکھیں تو ہمیں ان کے اعمال میں ایک مماثلت نظر آئے گی۔ جس طرح حیوانی معدہ میں خام نباتات کے داخل ہوتے ہی معدہ اپنے اندر سے رطوبتیں چھوڑنی شروع کر دیتا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خوراک کا حیوان کے منہ کے اندر داخل ہوتے ہی اس پر کیمیاوی عمل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اس کیمیاوی عمل کے نتیجہ میں غذا نہایت ادنیٰ اجزا میں بدل کر خون کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر یہ خون انسانی ذہن میں خیالات کی طرح حیوانی جسم میں گردش کرنی شروع کر دیتا ہے۔ یہی حال انسانی مرحلہ پر ذہنی جسم یعنی عقل کا ہے جس کے اندر حواس کے بطور خام مال داخل ہوتے ہی خیالات کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ خیالات خود شعوری کے وجدان سے نکلتے تو نظر آتے ہیں لیکن دراصل ان خیالات کو عقل الفاظ یا معانی کے غیر مادی اجزا یا وحدتوں میں ڈھالتی جاتی ہے۔

حیوانی مرحلۂ تخلیق پر حیوان کا نظامِ ہضم تکمیل کو پہنچ چکا ہے جب کہ انسانی مرحلۂ تخلیق پر عقل کا نظامِ ہضم یا حکمت ابھی جاری ہے اور عقل کا یہ کام ادنٰے

Marfat.com

وجدان کے تحت اشیا کے نئے نئے نام، قضایا اور کلیات کی تشکیل کرتے رہنا ہے۔ لیکن وہی کلیات یا قضایا درست ہوتے ہیں جو خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کے تحت خود شعوری اپنے وجدان کے ذریعے حاصل کرتی ہے۔

معدہ کا کام صرف زندگی کی سابقہ مادی حالتوں کو منفرد اجزا میں تبدیل کر دینا ہے جب کہ عقل کا کام حواس اور حواس کے ذریعہ کائنات کے اندر اشیاء کی خاصیات اور ان کی انفرادی حالتوں میں تمیز پیدا کر کے دکھانا ہے۔

معدہ بذاتِ خود کوئی جذبہ نہیں رکھتا بلکہ اس کو جو غذا برائے تجزیہ بہم پہنچائی جاتی ہے اس کو نفس یا جسم حیوانی اپنی ضروریات کے تحت مہیا کرتا ہے۔ معدہ کو جیسی بھی خوراک مہیا کی جائے اس کا کام تجزیہ کر دینا ہے وہ جسم یا نفس کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔

اسی طرح عقل کے سامنے خود شعوری جو بھی مناسب سمجھے وجدان پیش کر سکتی ہے۔ عقل کا کام وجدان کی قدروں کے تحت حواس کو وجدانی قدروں میں رنگنا یعنی الفاظ، تصورات اور دلائل کے ذریعے حواس کے اندر سے کائنات کے وجدانی حقائق کا تجزیہ کرنا اور اس سے جو علم حاصل ہو وہ خود شعوری کے ذہنی جسم کو بطور غذا دے دینا ہے۔ گویا عقل بذاتِ خود کوئی اپنا جذبہ نہیں رکھتی بلکہ خود شعوری کے جذبہ کی خدمت گزار بن کر عمل کرتی ہے جس طرح بھوک معدہ کو نہیں لگتی بلکہ جسم کو بھوک لگتی ہے اسی طرح عقل کو علم کی ضرورت نہیں بلکہ علم کی ضرورت خود شعوری یا اس کی ذہنی جسم کی نشو و نما

Marfat.com

کے لئے پیش آتی ہے۔ معدے کو جیسی خوراک بھی دے دی جائے وہ اسی خوراک کے مطابق اس کا تجزیہ کرے گا۔ اگر خوراک گندی یا زہر آلود ہو تو تجزیہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ معدہ نہایت ایمانداری سے تجزیہ کرے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے معدہ کے ساتھ تمام جسم بھی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی حال ذہنی جسم کے اندر عقلی نظام کا ہے۔ یہ نظام اگرچہ ابھی اپنی ابتدائی حالتوں میں ہے تاہم خودشعوری کائنات کے حقائق کا جیسا وجدان بھی اس کے سپرد کرے گی عقل اس کا نہایت ایمانداری سے تجزیہ کرے گی۔ یاد رہے عقل ہمیشہ وجدان کی خدمت گذار بن کر وجدان کے حق میں تجزیہ کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل کا اپنا کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ اس طرح اگر خودشعوری جو کہ ابھی پوری طرح خودشعور نہیں ہوئی عقل کو ناپختہ وجدان پیش کرتی رہے تو عقل اس غلط وجدان کا تجزیہ بھی غلط علم کی صورت میں وجدان کے سپرد کرے گی اس طرح بالآخر غلط وجدانوں کی وجہ سے روح اور ذہن ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں سے آگے وہ اپنے فطری تقاضے کے سبب زیادہ دیر تک غلط راہ پر نہیں چل سکتے لہٰذا خودشعوری سخت ذہنی اور روحانی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ ذہنی اور روحانی بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ خودشعوری خالق کی مہیا کردہ فطری راہنمائی کے تحت کائنات کے حقائق کا وجدان کر کے علم حاصل کرے۔ ایسا علم کیونکہ خودشعوری کے روحانی جذبہ کے عین مطابق ہوگا لہٰذا خودشعوری کے لئے یہ راحت و فرحت کا باعث بنے گا۔

مندرجہ بالا گفتگو سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ انسان کے لئے اپنے روحانی جذبہ کو مطمئن کرتے اور اپنی صحیح راہ کو متعین کرنے کے لئے صرف دو ہی راستے

Marfat.com

ہیں۔ ایک راستہ تو یہ ہے کہ وہ خالق سے اپنی فطری روحانی محبت کے تحت جس کا اسے ابھی کھل کر علم نہیں ہوا۔ از خود کائنات کے حقائق پر مشتمل مختلف وجدانوں کے تحت عمل کرتا رہے لیکن یاد رکھے کہ اس طرح وہ اندھے تجربات کے ذریعہ کبھی منزل مراد کو نہیں پہنچ سکتا۔ یورپ یا مغربی اقوام کے نظریات اور ان کے علاوہ سوشلسٹ، کمیونسٹ یا ایسے ہی اور جتنے دوسرے نظریات ہیں وہ سب کے سب انسان کے خودساختہ وجدانوں پر قائم کئے گئے ہیں جن کا نتیجہ متعلقہ اقوام نے دیکھ لیا ہے۔ لہٰذا اب دوسرا راستہ وہ ہے جو منزلِ مقصود کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ راستہ عمل تخلیق کا خود مہیا کردہ ہے۔ ہماری مراد خالق کی طرف سے انسان کو دی گئی راہنمائی سے ہے اس راہنمائی کے تحت جو وجدان بھی عقل کو پیش کیا جائے گا، ہم دیکھیں گے کہ اس کے طفیل عقل، شمع کی طرح نہ صرف راستے کو منور کرتی چلی جائے گی بلکہ انسان کے سامنے خود بخود نئے راستے اور نئے افلاک کھلتے چلے جائیں گے۔ مصنف نے اس کتاب کی فکری تار پود کے لئے اسی راستہ کو منتخب کیا تھا اور نتیجتہً وہ سمجھتا ہے کہ عقل نے اسے بہت سی ایسی مایوسیوں یا جان گسل غلطیوں سے بچائے رکھا جن سے اکثر حکما اور فلاسفروں کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔

افلاطوں کا قول کہ جہاں میری منطق یا دلیل لے جائے گی میں ادھر ہی جاؤں گا بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہے۔ دلیل ذہانت کی نشانی ہے۔ وہ اشیاء کے اندر تمیز کرتی ہے۔ وہ روشنی بن کر راہ دکھاتی ہے مگر وہ لوگ جو منطق کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھ بیٹھتے ہیں وہ لوگ محض منطق کے ذریعہ کبھی حقائق تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر کسی نے محض منطق کے ذریعہ حقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ

Marfat.com

کیا ہے تو اس منطق کے پیچھے یقیناً کسی جذبہ کی قوت تھی اور وہ جذبہ بجائے خود اس کا حقیقی وجدان ہی ہو سکتا ہے۔ ورنہ معقول پسند خوب یاد رکھیں کہ عقل نارسا ہے۔ جب مقصد اور وجدان صحیح ہو گا، عقل راستہ کو منزل کی حدود تک روشن کرتی چلی جائے گی لیکن جب مقصد اور وجدان غلط ہوں گے۔ اگرچہ جب بھی عقل کسی حد تک راستہ دکھلائے گی لیکن بالآخر ایک مقام پر پہنچ کر یہ روشنی خود بخود اندھیروں میں بدل جائے گی ۔

پیشتر اس کے کہ ہم اپنے اس مضمون کو ختم کریں بہتر ہو گا کہ ڈاروِن کے نظریہ ارتقاء پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لی جائے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ انسان کو گمراہی کی طرف لے جانے میں یہ پہلا نظریہ تھا جو اہل مغرب کو دیا گیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کے بعد الحاد و مادہ پرستی پر مبنی یکے بعد دیگرے جتنے بھی نظریات جنم لیتے رہے ہیں۔ وہ ڈاروِن کے نظریہ ارتقاء سے کسی نہ کسی طرح متاثر تھے۔ میکڈوگل کا نظریہ جبلت، فرائیڈ کا نظریہ لاشعور، کارل مارکس کا نظریہ اشتراکیت اور میکاولی کا نظریہ قومیت ایسے نظریات ہیں۔ جنہوں نے انسان کو اس کے فطری و روحانی جذبہ کی طرف بڑھنے کی بجائے اس کا رخ زندگی کی ادنےٰ مادی حالتوں کی طرف موڑ دیا۔ اور اس طرح اسے اندھیرے راستوں میں بھٹکنے پر مجبور کر دیا۔ ڈاروِن کے نزدیک زندگی متواتر ارتقاء کرتی رہی ہے۔ جس سے حیوانات کے مختلف اجسام وجود میں آتے رہے۔ اور بالآخر اس ارتقاء کے نتیجہ میں نوعِ بشر کا ظہور ہوا۔ ڈاروِن اس ارتقاء کے اسباب کی تشریح اس طرح کرتا ہے۔ کہ اگر انکو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ کائنات کی تخلیق کے پیچھے کوئی مقصد نہیں۔ زندگی کشمکش حیات اور قدرتی انتخاب کے ذریعے آگے بڑھتی رہی ہے۔ حیونات کا ارتقاء کسی مقصد اور مدعا کے بغیر محض اتفاقی طور پر جس سمت میں ممکن ہوا خود بخود بڑھتا رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کائنات میں کہیں بھی کوئی سوچی سمجھی تجویز کام نہیں کر رہی۔ قدرت کی اندھا دھند

Marfat.com

طاقتیں اپنا کام کئے جا رہی ہیں۔ انسان کی خود شعوری یا اس کی ہستی محض ایک حادثہ ہے جو مادہ کی اندھی قوتوں کے رحم و کرم، ماحول اور اتفاقات کی وجہ سے ظہور میں آئی ہے۔

ڈارون کے نظریۂ ارتقار کا اہل مغرب پہ شدید اثر ہوا۔ اور اس اثر کی وجہ یہ تھی کہ اہل مغرب کو زندگی کے ارتقار کے متعلق پہلی دفعہ علم ہوا تھا۔ جس نے ان کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نظریہ کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ارتقار ایک حقیقت ہے۔ اور ڈارون کا یہ کوئی نیا انکشاف نہیں تھا۔ اس کتاب کی ابتدا میں اس کے سرورق پر مولانا رومی کے چند اشعار نقل کئے گئے ہیں اگر ہم ان اشعار پہ سرسری نظر ڈالیں۔ تو ہمیں پتہ چلے گا کہ آج سے سینکڑوں سال پہلے انسان کو ارتقار کا بخوبی علم تھا۔ اسی طرح اگر قرآنی آیات جو مولانا رومی کے اشعار کے سامنے اس کتاب میں لکھی گئی ہیں۔ ان پہ غور کریں۔ تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ ارتقار کی حقیقت آج سے چودہ سو سال پہلے خالق کے عمل تخلیق کے ذریعہ مہیا کردہ راہنمائی کے اندر واضح طور پہ بیان کر دی گئی تھی۔ ڈارون نے تو محض زندگی کے ظہور سے لے کر انسانی زندگی کی ابتدا تک ارتقا کا ذکر کیا ہے لیکن ہم اگر ان قرآنی آیات اور مولانا رومی کے اشعار کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ زندگی کا آغاز صرف جاندار کے اندر ہی نہیں ہوا۔ بلکہ کائنات کی اصل ہی زندگی ہے۔ جو زندگی کی ابتدائی مادی حالت یعنی ایٹم سے لے کر مرحلہ بہ مرحلہ جمادات، نباتات اور حیوانات کے ارتقائی مراحل سے گذرتی ہوئی بالآخر انسانی مرحلہ میں داخل ہوئی اور یہ کہ انسان کے موجودہ مرحلہ پہ بھی یہ پیہم اپنے مقصد کی طرف رواں ہے۔ لہٰذا ارتقار کے حقائق کا علم نیا علم نہیں تھا۔ البتہ ڈارون نے یہ ضرور کیا کہ اس نے تخلیق کے حیاتیاتی مرحلہ پہ زندگی کے ارتقائی رجحانات کا بغور مطالعہ کر کے اس کو مربوط شکل میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے۔ کہ اسے خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کا صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی

Marfat.com

اس کوشش میں حقائق تک پہنچنے کی بجائے الٹا اندھیروں میں گھر گیا۔ بجائے اس کے کہ زندگی کے اس حیرت ناک سفر سے اس کی آنکھیں کھل جاتیں اور وہ حقائق کو پا لیتا اس نے زندگی کو اصول وضوابط سے آزاد محض اندھی قوتوں کی پیداوار سمجھا جس کی تخلیق یا تعمیر کے پیچھے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ یا جذبہ نہیں۔ بلکہ زندگی محض حادثہ ہے۔ جو اندھی قوتوں کے رحم وکرم پر آگے بڑھتی رہی۔ اب یہ شخص ایک طرف تو ارتقار کی سچائی کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن دوسری طرف اس ارتقائی جو وجہ بتانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے جہالت کی وجہ سے کبھی قدرتی انتخاب کا نتیجہ کہتا ہے۔ یا کبھی کشمکش حیات کا نام دیتا ہے دوسرے لفظوں میں ڈارون کے نزدیک اندھا دھند قوتیں اپنا کام کئے جا رہی ہیں۔ اور ان کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ دنیا کدھر جا رہی ہے۔ اور اس کا کیا بنتا ہے۔ انسان کا وجود اس کی عقل تمیز وغیرہ محض ایک اتفاق ہے۔ اسی طرح مذہب، اخلاق۔ علم۔ فلسفہ۔ سیاست اور ہنر سب حیوانی خواہشات اور مدرکات کے عمل اور ردِ عمل کا نتیجہ ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ انسان محض اپنی عقل کے بھروسہ پر کبھی حقائق تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ جوہری جس کے پاس کھرے اور کھوٹے کی تمیز یا اس کے پرکھنے کا کوئی معیار ہی موجود نہیں ہے۔ وہ کھرے کو کھوٹے سے کیسے الگ کر سکتا ہے۔ لہذا جو شخص اپنی ذات یا اپنی حقیقت کو ہی نہیں پہچانتا وہ زندگی کے حقائق کو کیا بتائے گا۔ بے شک بحیثیت انسان ڈارون کے اندر روحانی جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اور اسے غیر شعوری طور پر اپنی تلاش تھی۔ یہ اسی تلاش کا نتیجہ تھا۔ کہ وہ ساحل بہ ساحل زندگی کے حقائق کی جستجو میں مارا مارا پھرتا رہا۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ڈارون یا فرائیڈ جس معاشرہ میں یہ لوگ پیدا ہوئے تھے وہ خالق کی راہنمائی سے ناواقف تھا۔ لہذا ڈارون کو اپنی عقل پر انحصار کرنا پڑا۔ اس کی نگاہ شجرِ زندگی کے پھل پھول اور اس کی چوٹی پر نہیں تھی۔

Marfat.com

بلکہ وہ ایک بچے کی طرح محض درخت کی جڑوں اور اس کے ارد گرد کونپلوں سے ہی کھیلتا رہا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کا ارتقاء کے اسباب کو معلوم کرنا کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا۔ بہر حال ڈارون کے نظریہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جہاں اہل مغرب کو حقیقت ارتقا کے انکشاف نے حیرت میں ڈال دیا۔ وہاں اس کے ساتھ ساتھ وہ ڈارون کے بتائے ہوئے ارتقا کے غلط اسباب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مغرب کے فلسفوں میں لامذہبیت اور دہریت کا جو بھی مواد موجود ہے۔ وہ ڈارون کے نظریہ کی پیداوار ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام مغرب اپنی اصل یعنی روحانیت سے ہٹ کر زندگی کی مادی حالتوں کی طرف لوٹ گئے اور اس طرح ہم ان معاشروں میں آج جن روحانی قدروں کا فقدان دیکھ رہے ہیں اور جس کی وجہ سے ان لوگوں کا دم گھٹے جا رہا ہے اور ذہنی سکون ختم ہو چکا ہے۔ وہ ڈارون فرائیڈ اور ایسے ہی دوسرے حضرات کے غلط نظریات کا نتیجہ ہے۔

مندرجہ بالا نظریات کے علاوہ سب سے زیادہ نقصان جس فلسفہ نے انسان کو پہنچایا ہے وہ مارکس کا فلسفہ اشتراکیت ہے۔ ہماری فکر کے مطابق یہ فلسفہ سب نظریات سے ناقص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ فلسفہ بنیادی طور پر خود انسان کی نفی کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ روٹی کپڑا مکان انسان کی نفسی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور معاشرہ پر نہایت سختی سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ انسان کی ان بنیادی ضروریات کو پورا کرے۔ لیکن انسان کو یہ بتانا کہ محض روٹی۔ کپڑا۔ مکان ہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ اس کو گمراہ کرنے کی کوشش ہے۔ اس سے بھی زیادہ جو گمراہ کن بات ہے۔ اور جسے اگر انسانیت کے خلاف جرم قرار دے دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا وہ یہ ہے کہ اس فلسفہ کی رو سے انسان کو بتایا گیا ہے کہ خود اس کی ہستی یعنی اس کا شعور بھی مادہ کی پیداوار ہے جسے مادی قوتیں متعین کرتی ہیں۔ اس طرح یہ فلسفہ صرف انسان کو گمراہ ہی نہیں کرتا بلکہ یہ انسان سے اس کی

Marfat.com

ہستی کو بھی چھین لیتا ہے۔ جو کہ انسان کے قتل کرنے کے مترادف ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس فلسفہ کی آناً فاناً مقبولیت کا سبب اس کا انسان کی بنیادی ضروریات یعنی روٹی، کپڑا مکان کے لئے نعرہ تھا۔ مغربی قوموں کا دنیا کے بیشتر انسانوں کو نوآبادیات میں جکڑنے اور ان کو ان کی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم رکھنے کی وجہ سے انسان کا انسان کے ہاتھوں جو وسیع پیمانے پر استحصال ہو رہا تھا۔ وہ عمل تخلیق کے عین خلاف تھا۔ لہٰذا ان حالات میں فلسفہ اشتراکیت جس نے انسان کی ان بنیادی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے بھرپور دعوے کیا تھا۔ وہ تیز و تند بگولے کی طرح ابھرا اور دنیا کے مظلوم لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا۔ اس طرح جلد ہی انسان نوآبادیاتی تسلط اور غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزادی کا سانس لینے لگا۔ چونکہ اس فلسفہ کی رو سے انسان کو اس کا مقصد حیات محض روٹی کپڑا مکان بتایا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کو اس کی ہستی سے یہ کہ کر محروم کر دیا گیا تھا۔ کہ دوسری چیزوں کی طرح انسانی شعور بھی محض مادہ کی پیداوار ہے۔ اور مادہ ہی اس کو متعین کرتا ہے لہٰذا یہ فلسفہ اپنی منفی قدروں کی وجہ سے جس تیزی سے ابھرا تھا۔ اس سے بھی تیزی سے اپنے تنزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اگر اس فلسفہ کا مقصد انسان کو روٹی، کپڑا، مکان مہیا کرکے انسان کو یہ باور کروانا ہے کہ وہ ذہنی سکون حاصل کر لے گا۔ تو یہ محض دھوکہ ہے۔ ۱۹۶۳ء میں راقم کو امریکہ میں ایک طویل عرصہ کے لئے رہنے کا موقعہ میسر آیا تھا۔ اقتصادی فارغ البالی کے لحاظ سے امریکہ میں یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ دنیا میں کوئی اقتصادی نظام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا امریکہ کا باشندہ نہ صرف بنیادی ضروریات کی فراوانی میں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اتنے بلند مادی مقام پر تھا کہ وہ اس طبعی زندگی کی ضروریات کو نہ صرف پوری کرتا تھا بلکہ اشیأ کی فراوانی کی وجہ سے کافی حد تک اشیأ کا ضیاع بھی کرتا تھا۔ اس کے علاوہ امریکہ دنیا کے دیگر ممالک کو ہر طرح کی اقتصادی امداد بھی دیتا تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود وہاں جرائم حد سے

Marfat.com

پڑھے ہوئے تھے۔ چوری، قتل، منظم ڈکیتی، جنسی بے راہ روی، طلاق، علیحدگی، خودکشی اور ہر قسم کی معاشرتی خرابیاں ان میں موجود تھی۔ جن کی وجہ سے معاشرے کے اندر بڑی تعداد ذہنی سکون کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ مادی فراوانی اور آسائش کا نتیجہ یہ تھا کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے والدین کی بے راہ روی اور معاشرے کے اندر "خاندان" کے ادھورے اور کٹے ہونے کی وجہ سے ہپی ہپیّ کے ناموں کے ساتھ احتجاجاً کھلم کھلا سڑکوں پر آزاد محبت کرنے کا درس دیتے تھے۔ ان کے ہسپتال ذہنی مریضوں سے بھرے پڑے تھے۔ اور لاولد بچوں کی بہبود پر صرف نیویارک کی ایک اسٹیٹ پر گورنمنٹ جو خرچ کرتی تھی وہ ایک اوسط درجہ کے ایشیائی ملک کے ٹوٹل سالانہ بجٹ سے بھی کہیں زیادہ ہوتا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ۱۹۶۳ء میں امریکہ اقتصادی اور دوسرے شعبوں میں جس عروج پر تھا اس سے بڑھ کر اس طبعی دنیا میں خوشحالی ممکن نہیں۔ اشتراکی ممالک جن کا مقصد اقتصادی فارغ البالی ہے وہ امریکہ کے اس اقتصادی عروج پر، جس سے امریکہ پہلے ہی گذر چکا ہے۔ کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن اگر یہ کمیونسٹ ممالک کسی طریقہ سے اس حد تک اقتصادی خوشحالی حاصل کر بھی لیتے ہیں تو ان کے پاس معاشرے کے ذہنی سکون اور جرائم سے بچنے کی کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ انسانی فطری تقاضوں کے خلاف انسان کے لئے اس زمین پر اس کی طبعی زندگی کے اندر جنت کا خواب پورا ہوتا دیکھ سکیں۔ دراصل یہ لوگ جس جنت کا تصور کر رہے ہیں۔ اس تک پہنچنے سے کہیں پہلے ان کا فلسفہ بذاتِ خود اپنی فطری موت کا شکار ہو چکا ہوگا۔ لہٰذا ان ممالک کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ انسانی زندگی محض اقتصادی خوشحالی یا جسمانی نفسی خواہشات کے مطمئن کرنے کا نام نہیں۔ انسانی زندگی ایک کل یا وحدت میں رہتی ہے۔ اور اس کی اصل روحانی جذبہ کی تسکین ہے جب تک وہ اپنی حیوانی یا جبلی ضروریات کے ساتھ ساتھ اپنے روحانی جذبہ کو مطمئن نہیں کر لیتی وہ مستقل ذہنی سکون ہرگز حاصل نہیں کر سکتی۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۳

عملِ تخلیق اور انسان

ہم اس کتاب میں اپنی فکر کے مطابق انسانی تصوّرات یا نظریات پر بحث کے دوران اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ انسان چونکہ ابھی اپنی تخلیق و تعمیر سے گذر رہا ہے لہذا نامکمل ہونے کی وجہ سے وہ محض اپنی عقل کے سہارے انسانی مقصد کو متعین کرنے سے قاصر ہے۔ اس بات کی شہادت ہمیں خود انسانی تصوّرات کے متضاد ہونے اور ایک دوسرے کی نفی کرنے کے اندر ملتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں خالق نے انسان کو محض اپنی عقل کے سہارے من مانی کرنے پر چھوڑ دیا ہے یا یہ کہ اس کے ساتھ ساتھ خالق کا مضبوط ہاتھ یعنی اس کا عملِ تخلیق انسانی کمزوریوں کو بہت پہلے سے بھانپ کر انسان کو الگ سے اپنے مقصد کی طرف لانے کے لئے حرکت میں رہتا ہے۔ چنانچہ جب ہم انسانی مرحلۂ تخلیق پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خالق کا عملِ تخلیق نہ صرف انسانیت کی ان مجموعی کوششوں ، جو مقصد سے ہٹی ہوئی ہوتی ہیں کا رُخ مقصد کی طرف پھیرنے کے لئے الگ سے عمل پیرا رہتا ہے بلکہ خالق کا یہ تعمیری عمل انسان کی مختصر انفرادی زندگی کے نشیب و فراز میں بھی نظر آتا ہے۔ جہاں انسانی کوشش اور عمل کے علاوہ الگ سے ایسے اعمال کا دخل جاری و ساری رہتا ہے جس کا انسانی کوشش سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور جسے ہم تقدیر یا مقدر کا نام دیتے ہیں۔ انسانی مرحلۂ تخلیق پر انسانی غلط تصوّرات اور اعمال کے ساتھ ساتھ خالق کے الگ سے آزادانہ اور تعمیری عمل کو برسرِ عمل دیکھنے کے لئے ہم یہاں انسان کی ماضی قریب کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالیں گے۔ جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں

Marfat.com

ذکر کر چکے ہیں تخلیق کائنات کے اندر جس اہم چیز کی تعمیر و تخلیق ہو رہی ہے وہ زندگی یا روح ہے جو بتدریج پروان چڑھتی رہی ہے زندگی سے مراد تخلیق کے اندر خالق کی روحانی قدریں ہیں جن کے اندر خالق کا فطری جذبہ محبت موجود ہوتا ہے۔ لہذا ہم اقوام کے عروج و زوال کو صرف ان کی روحانی قدروں کے معیار پر پرکھ سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انسانی تاریخ دراصل انسان کی روحانی تاریخ سے عبارت ہے۔ وہ اقوام جن کے اندر گمراہی کی وجہ سے روحانی نقصان ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ یا ماڈرن کہیں وہ زندگی کی سطح پر مردہ ہوتی ہیں۔ لہذا وہ روحانیت کی طرف بڑھنے کی بجائے ایک جگہ آ کر رک جاتی ہیں اور اس طرح جہالت اور ذہنی پریشانی کا شکار بنی رہتی ہیں۔ خالق کا عمل تخلیق ایسی اقوام کو زیادہ دیر تک پنپنے نہیں دیتا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جب ہم اقوام کے عروج و زوال کا ذکر کرتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ قوموں کے بننے اور بگڑنے کو ہم ہفتوں، مہینوں یا سالوں سے نہیں ناپ سکتے۔ اس کے لئے سالہا سال بلکہ بعض اوقات صدیوں کی مدت درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر ہم انسان کے ماضی قریب کی چند صدیوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس مختصر عرصہ میں بھی مندرجہ ذیل انسان کے تاریخی حقائق کا پتہ چلتا ہے۔ جنہیں ہم یہاں نہایت اختصار سے درج کر رہے ہیں

وہ اقوام جو خالق کے عمل تخلیق کے ذریعے مہیا کردہ انسانی فطری راہنمائی کو پس پشت ڈال کر محض اپنی عقل پر اپنی راہیں متعین کرتی رہی ہیں۔ وہ مقصدِ تخلیق سے دور ہونے کی وجہ سے زبردست انتشار، جنگ و جدل اور بے سکونی کے عالم سے گزرتی رہتی ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے، جبکہ خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کی روشنی انسان کو جہالت سے نکال کر اس کو روحانی بلندیوں پر لے آئی تھی، یورپ کی اقوام جہالت کے اندھیروں میں پڑی ہوئی تھیں ان اقوام نے اپنی فرسودہ قدروں کے ساتھ چپکے رہنے کی خاطر

Marfat.com

اس روشنی کو اپنی طرف بڑھنے سے روکنے کے لئے دین اسلام کے پیروکاروں کے ساتھ کئی جنگیں لڑیں۔ یہ جنگیں صلیبی لڑائیوں کے نام سے تاریخ کا حصّہ بن چکی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اقوام خالق کے عمل تخلیق کے ذریعے مہیا کردہ راہنمائی کی روشنی سے بالکل کٹ کر رہ گئیں۔ تاہم جیسا کہ انسانی فطرت کے روحانی جذبہ کا تقاضا ہے۔ یہ اقوام زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد متعین کرنے پر مجبور تھیں۔ لہٰذا ان لوگوں نے اس خلا کو پُر کرنے کے لئے اپنی عقل کی بنا پر نظریات کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ ان نظریات کا ذکر ہم نہایت اختصار سے سابقہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ میکاولی کے نظریۂ وطنیت کی بنا پر یورپ کئی قوموں میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ اگرچہ قومی جذبہ کی وجہ سے ان لوگوں کے اندر نظم و ضبط پیدا ہو گیا اور یہ لوگ اقتصادی طور پر مضبوط ہو گئے اور اس کے ساتھ ساتھ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ممالک پر دھوکہ اور فریب، جو کہ اس نظریہ کی اساس تھی، کے ذریعے قابض ہو گئے اور ان کو نوآبادیات میں منتقل کر کے دنیا کے خطیر عوام کا استحصال کرتے رہے لیکن یہ استحصال ابھی جاری تھا کہ اس نظریہ کی منفی قدریں اپنا رنگ لانے لگیں۔ یعنی ان یورپی اقوام کے اندر ایک دوسرے کے لئے زبردست مخاصمت، بغض، کینہ اور رشک و شبہ کے جراثیم پرورش پانے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اقوام دنیا کی دو عظیم جنگوں کی لپیٹ میں آ گئیں جس کی وجہ سے نہ صرف لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اتر گئے بلکہ باقی جو بچے رہے وہ بھی اقتصادی بدحالی اور افراتفری کے ہاتھوں ملیامیٹ ہو گئے۔ ان جنگوں نے اقوام مغرب کو بری طرح مفلوج کر کے رکھ دیا۔ تاہم یہ اقوام بدستور ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ممالک پر قابض رہیں اور ان لوگوں کی بنیادی ضرورتوں کی پروا کئے بغیر ان کا استحصال کرتی رہیں۔ وہ لوگ جو خالق کی طرف سے مہیا کردہ راہنمائی کے امین تھے وہ بھی ان یورپی قوموں کے استحصال اور اثر و نفوذ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر سو انسان قعر مذلت میں گھر کر رہ گیا۔

Marfat.com

ماضی قریب کی اس انسانی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی استحصال کا یہ بدترین دور تھا۔ انسان کو اس جبر و استبداد سے نجات دلانے کے لئے قدرت کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے ان مغربی اقوام کو نوآبادیات کو چھوڑ کر واپس جانا پڑا۔ ان حالات سے ہماری مراد کمیونسٹ تحریک سے ہے، جو روٹی کپڑا مکان کا نعرہ لگا کر آناً فاناً بگولے کی طرح اٹھتی ہے اور وہ لوگوں کے اندر اپنی بنیادی ضروریات کے تحفظ کے لئے ایک نیا جذبہ اور احساس پیدا کر دیتی ہے۔ اقوام مغرب جو پہلے ہی اپنے ہاتھوں جنگوں کی تباہ کاریوں سے مفلوج اور کمزور ہو چکی تھیں، افریقی اور ایشیائی لوگوں کے اندر بیداری دیکھ کر اپنی اپنی نوآبادیات سے ہاتھ کھینچنے پر مجبور ہو گئیں اور اس طرح دنیا کے غریب انسان جو غلامی کی حالت میں روٹی، کپڑا، مکان ایسی بنیادی ضروریات سے بھی محروم رہتے تھے اب وہ آزادی کا سانس لینے لگے۔

مغربی اقوام اگرچہ نوآبادیات کو چھوڑ کر واپس چلی گئیں لیکن دنیا کے ان غریب انسانوں کی اقتصادی حالت جوں کی توں رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مغربی اقوام نے اپنے اپنے ملک میں صنعت اور مشین کو حد درجہ ترقی دے کر صنعتی اجارہ داری قائم کر لی تھی۔ لیکن نوآبادیاتی ممالک کو کسی قسم کی صنعت لگانے سے محروم رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح یہ قومیں نوآبادیاتی زمانہ میں محض اقوام مغرب کی مشینوں کو زندہ رکھنے کے لئے خام مال کی منڈیوں کے طور پر کام کرتی تھیں۔ اب آزاد ہو جانے پر بھی وہ اپنی محنت شاقہ کے ذریعہ پیدا کیا ہوا خام مال یورپ کے ان ممالک کو بھیجنے پر مجبور تھیں۔ اس طرح یورپی ممالک نوآبادیات کے نکل جانے کے باوجود اپنے ممالک کے اندر اس قدر صنعتی استحکام پیدا کر چکے تھے کہ وہ ان نوآبادیاتی قوموں کا ہمیشہ کے لئے استحصال کرتے رہنے پر قادر تھے۔ اس طرح گویا ایشیائی و افریقی اقوام کی پہلے سے بھی بدتر حالت ہو گئی۔ صنعتی مشین کی اجارہ داری صرف ان مغربی

Marfat.com

اقوام کے پاس ہونے کی وجہ سے یہ اقوام یا تو ان مشینوں کو افریقی و ایشیائی ممالک کو فروخت کرنے میں پس و پیش کرتی تھیں یا پھر اگر وہ کسی صنعت کے لگانے پر رضامند بھی ہو جاتیں تو ایسی مشینیں بھیجنے پر اکتفا کرتیں جن کا ان کی معیشت پر کوئی اثر نہ پڑ سکتا اور اس کے لئے وہ منہ مانگی قیمتیں وصول کرتیں۔ لیکن چونکہ ان ایشیائی اقوام کے پاس خام مال بیچنے کے بعد کچھ باقی نہیں بچتا تھا لہٰذا مغربی اقوام ان کو بھاری سود پر قرضہ دے کر نہ صرف ان پر احسان جتلاتیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ سیاسی تحفظ کے نام پر ان لوگوں کو کمیونسٹ ممالک کے خلاف سیاسی فائدے کے لئے استعمال بھی کرتیں۔ اس طرح ان اقوام نے یہ شیطانی چکر اس طرح چلا رکھا تھا کہ افریقی اور ایشیائی اقوام قرض کے بوجھ تلے دب کر مغربی اقوام کی اقتصادی غلام بن کر رہ گئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مغربی اقوام نے ان ایشیائی اور افریقی باشندوں کو اپنی اقتصادی اور ذہنی غلامی میں اس مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا کہ اگر ان پس ماندہ اقوام کے پیچھے تائید غیبی نہ ہوتی تو یہ اقوام قیامت تک ان لوگوں کے پنجہ سے نجات حاصل نہیں کر سکتی تھیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے خالق کا تخلیقی عمل اپنی جگہ بدستور برسرِ عمل رہتا ہے۔ لہٰذا خالق تخلیق کی کمزوریوں اور بے راہ رویوں کا پہلے سے ہی سدِباب کرتا رہتا ہے۔ انسان اگر اپنی جہالت کی وجہ سے تخلیق کو اس کے مقصد کی طرف بڑھنے میں روڑا اٹکانا چاہے۔ تو ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ چنانچہ خالق کا اس استحصال کے خلاف فوراً ردِعمل شروع ہو جاتا ہے۔ ہماری مراد خالق کی اس نمایاں مدد سے ہے جس کی وجہ سے ایشیا و افریقہ کے لق و دق ریگستانوں کے نیچے سے بھاری تعداد میں تیل کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ یہ تیل ان سفید فام اقوام کی مشین کو زندگی بخشنے کے مترادف تھا۔ لہٰذا اس تیل کی بدولت افریقی اور ایشیائی اقوام جو مغربی اقوام کے استحصال تلے پسی جا رہی تھیں۔ اب اس قابل ہو گئیں

Marfat.com

کہ وہ تیل کے بدلے ان ممالک کی صنعت کے لئے خام مال کی منڈی بننے سے نجات پا سکیں۔ چنانچہ وہ قومیں جو قیامت تک افریقی اور ایشیائی اقوام کا خون چوسنے پر تلی ہوئی تھیں ان کو الٹا اپنے آپ کو اقتصادی بدحالی سے بچانے کی فکر لاحق ہو گئی۔ اس طرح فطرت کے ایک عمل سے ان مغربی اقوام کے بڑے بڑے منصوبے جن کا مقصد انسانی استحصال تھا۔ یکسر خاک میں مل گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ الٹا یہ مغربی اقوام تیل پیدا کرنے والے غیر ترقی یافتہ اقوام کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکنے پر مجبور ہو گئیں۔

انسانی مرحلہ تخلیق پر خالق کے تخلیقی مقصد کی طرف بڑھنے میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ انسان کا اپنے اندر نسلی امتیاز کو روا رکھنا ہے۔ جیسا کہ یورپ اور جنوبی افریقہ کے سفید فام باشندوں کے رویہ سے آج بھی ظاہر ہے۔ سفید فام اقوام نسلی امتیاز کو ہر قیمت پر برقرار رکھنے پر تلی ہوئی ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے خالق ازل کی اس کمزوری کو بہت پہلے سے بھانپ کر اپنے عمل کو انسانی عمل کیساتھ جاری رکھتا ہے۔ خالق کے اس عمل سے ہماری مراد امریکہ میں سیاہ فام انسانوں کی موجودگی سے ہے جنہیں خود ان سفید فام مغربی اقوام نے امریکہ میں لاکر آباد کیا تھا۔ آج سے تقریباً دو سو سال پہلے امریکہ کے یہ نئے سفید فام باشندے وسطی افریقہ کے سیاہ فام انسانوں کو چند ٹکوں کے عوض خرید کر غلام بنا لیتے تھے اور پھر ان کو نہایت اذیت ناک طریقہ سے بحری جہازوں کے ذریعے امریکہ لے جاتے تھے۔ جہاں وہ ان کو سڑکوں، عمارتوں، کھیتوں اور اسی قسم کے دوسرے محنت طلب اور گھٹیا کاموں میں لگا کر دن رات چوپایوں کی طرح کام لیتے۔ سیاہ فام افریقی باشندوں پر سفید فام امریکیوں کے اس ظلم وستم کے باوجود افریقی باشندوں کے امریکہ میں آکر بسنے کے عمل کے اندر خالق کی طرف سے مثبت پہلو بھی شامل تھا۔ جس کا انکشاف اب ہو رہا ہے۔ یعنی جبکہ ایک طرف یورپ اور سفید فام لوگ رنگ دار انسانوں سے سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں

Marfat.com

تو دوسری طرف امریکہ سفید فام ہونے کے باوجود اپنے گھر میں سیاہ فام حبشی باشندوں کے ہونے کی وجہ سے رنگ و نسل کے امتیازات کو مٹانے پر مجبور ہے۔ یہ سیاہ فام باشندے امریکہ میں اس سرعت سے پھیل چکے ہیں اور ان کی معاشیات میں ان کا اس حد تک عمل دخل ہے کہ امریکہ کے لئے رنگ و نسل کے امتیاز کو نہ صرف برقرار رکھنا ممکن نہیں بلکہ الٹا وہ اس امتیاز کو ختم کرنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔ اگر امریکہ یورپی اقوام کے اثر و نفوذ سے اس امتیاز کو برقرار رکھنے کی حامی بھرنے پر تیار بھی ہو تو دوسری طرف کیمونسٹ بلاک کی طرف سے جو انسان کی بنیادی قدروں پر زور دیتا ہے۔ ان کو اپنی سرزنش کا خوف رہتا ہے۔ کیمونسٹ بلاک پہلے ہی مغربی اور امریکی لوگوں کو رنگ و نسل کے اندر امتیاز پیدا کرنے کا مجرم ٹھہراتا ہے۔ کیمونسٹ بلاک کے اس پراپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ امریکن سیاہ فام باشندے آج وہی سول حقوق رکھتے ہیں۔ جو حقوق امریکن سفید فام باشندوں کے ہیں۔ اب تو ان سیاہ فام اور سفید فام باشندوں میں باقاعدہ شادی وغیرہ کا سلسلہ بھی چل نکلا ہے۔ خالق کی مخفی تدبیروں کا اس سے زیادہ اور ثبوت کیا مل سکتا ہے۔ کہ خالق کے اس عمل نے انسانیت کی وحدت کو ٹکڑوں میں بٹنے سے بچانے کے لئے سیاہ فام باشندوں کو امریکہ میں بسانے کے لئے یہ کام خود سفید فام امریکی لوگوں کے ہاتھ سے کروایا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان سیاہ فام باشندوں کو ایسی سپر طاقت کے گھر میں لا بسایا جس کا اثر تمام سفید فام ممالک پر پڑتا ہے۔ اگر امریکہ میں سیاہ فام باشندے نہ ہوتے تو انسان کبھی نسل و رنگ کے امتیاز کو آسانی سے نہ مٹا سکتا۔ امریکہ کا حبشی باشندوں کو خود اپنے ملک میں لاکر بسانا ایسے ہی تھا جیسے کہ خالق کی طرف سے حضرت موسےٰ کا فرعون کے گھر آکر پرورش پانا تھا۔

وہ ممالک جو خالق کی طرف سے مہیا کردہ فطری راہنمائی سے بے بہرہ رہے یا جنہوں نے اپنی نفسی خواہشات کے ساتھ چپکے رہنے کی وجہ سے خالق کی اس راہنمائی کو اپنے

Marfat.com

معاشروں میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی تھی وہ اگرچہ اس روشنی کے فیوض سے محروم رہے لیکن وہ اپنے فطری روحانی جذبہ کو نہیں دبا سکتے تھے۔ انسانی خود شعوری کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے آپ یعنی اپنی حقیقت اور کائنات کی تخلیق پر غور کرے۔ کائنات کی حقیقت یا اپنی دریافت انسانی خود شعوری یا روح کا فطری تقاضا ہے کیونکہ خود شعوری کا مطلب ہی یہی ہے کہ انسان کے اندر خالق کی موجودگی کا احساس پہلے سے موجود ہے۔ لہذا وہ اپنے اس احساس کو کائنات کے حقائق کے اندر دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے فطری دباؤ کے تحت مجبور ہے کہ وہ کائنات کے حقائق کا کوئی نہ کوئی تصور قائم کرے اور پھر اس تصور کی محبت میں اپنے روحانی جذبہ کو مطمئن کرے۔ چنانچہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں یہ اقوام اگرچہ حق کی روشنی سے محروم رہیں تاہم اپنے اس اندرونی جذبہ کے خلا کو پُر کرنے کے لئے مجبور تھیں کہ وہ اپنے معاشرے کو کائنات کا کوئی نہ کوئی تصور ضرور پیش کریں۔

پچھلی ایک دو صدیوں میں اہل مغرب کے ان مفکروں نے کائنات اور اپنی حقیقت کے متعلق جو نظریات اور تصورات اپنے معاشرہ کو دیئے ہیں ان کا ہم نہایت اختصار سے سابقہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں یہ نظریات یا تصورات کیونکہ عقل انسانی پر مبنی تھے اور جیسا کہ ہمیں معلوم ہے انسان چونکہ خود ابھی تخلیقی عمل سے گذرنے کی وجہ سے نامکمل ہے لہٰذا وہ عمل تخلیق کی رو سے اپنے مقصد کو متعین کرنے سے قاصر ہے یہی وجہ ہے کہ یہ نظریات غلط حقائق پر مبنی ہونے کی وجہ سے یکے بعد دیگرے خود ہی ایک دوسرے کی نفی کرتے رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یہ معاشرے باوجود تمام اقتصادی آسائشوں کے سخت ذہنی اور روحانی انتشار کا شکار ہو چکے ہیں سخت ذہنی بیماری کا شکار ہونے کی وجہ سے یہ لوگ اس کوشش میں ہیں کہ انہیں کہیں سے حقیقی روشنی مل سکے تاکہ وہ اپنے فطری ذہنی سکون کو حاصل کر سکیں۔ دوسرے لفظوں میں ان غلط انسانی تصورات کے پیچھے بھی انسانی اصلاح کا مثبت پہلو مخفی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب یہ گمراہ لوگ اپنی نفسی خواہشات کے بنائے ہوئے بتوں اور خداؤں سے مایوس ہو جائیں گے تو پھر وہ خود بخود

Marfat.com

سچائی کی طرف بڑھیں گے۔ چنانچہ آج ان لوگوں کی یہی حالت ہے یہ لوگ اپنے تصورات میں جن خداؤں کو بساتے چلے آرہے تھے آج ان سے سخت بیزار ہیں۔ یہی حال کمیونسٹ یا اشتراکی ممالک کا ہے جن کے اندر ابھی سے زبردست پھوٹ پڑی ہوئی ہے اور جو دن بدن انحطاط کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔

نوآبادیاتی عہد میں خالق کی راہنمائی کے امین یعنی دین اسلام کے پیروکار جو مغربی اقوام کا، دین اسلام کی مخاصمت کی بنا پر' استحصال کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ وہ مغربی ممالک کے زیر اثر آنے پر مغربی نظریات کے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس طرح نہ صرف وہ دین اسلام کی روشنی کو پھیلانے میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے بلکہ بذاتِ خود بھی اقتصادی اور سیاسی طور پہ دوسروں کے دستِ نگر بن کر جمود کا شکار ہو گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ خود ان کے اندر نااتفاقی کے بیج بوئے گئے جس سے دین اسلام کے یہ پیروکار خاص کر مشرق وسطیٰ کی عرب اقوام آپس میں ایک دوسرے کی دشمن بن گئیں۔ خالق کا تخلیقی عمل یہاں بھی الگ سے حرکت میں آتا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک جو اپنے اندر نفاق کے علاوہ خواب خرگوش میں پڑے تھے ان کی حدود میں ایک ایسی قوم کو مسلّط کر دیا گیا۔ جو نہ صرف ہر قسم کی اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے بلکہ جس کا مقصد ہی انسانی معاشروں میں منفی قدروں کو پھیلا کر انسانیت کو ختم کرنا ہے۔ ہماری مراد اسرائیلی قوم سے ہے۔ مشرق وسطیٰ میں اس قوم کے مسلط ہونے سے جہاں دین اسلام کے پیروکاروں کو اپنی غفلت کی وجہ سے سخت دھچکا لگا ہے وہاں اسرائیلی قوم کی تخریب کاریوں کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مشرق وسطیٰ کی عرب اقوام جو خوابِ خرگوش میں پڑ کر سو رہی تھیں۔ اسرائیل کے پے در پے حملوں اور اس کی ناپاک سازشوں کی وجہ سے جاگ اٹھیں۔ اگر یہ لوگ کچھ دیر اور سوئے رہتے تو نہ صرف ان کے مادی ذرائع یعنی تیل کے بے بہا ذخیرے ختم ہو کر رہ جاتے بلکہ وہ خود بھی ہمیشہ کے لئے قعرِ مذلت میں دب کر رہ جاتے۔ اس طرح ان ممالک کی اسلامی دنیا میں مرکزی

Marfat.com

حیثیت ہونے کی وجہ سے دین اسلام کے پیروکاروں کو سخت صدمہ پہنچا یہودیوں کے تخریبی اعمال اگرچہ ہرگز پسندیدہ نہیں۔ یہ لوگ پہلے بھی جرمنی میں اور اب امریکہ میں انسانی قدروں کو پامال کر چکے ہیں اور اس کے نتیجہ میں امریکن لوگ ان کے مکروہ جال میں بُری طرح سے پھنس چکے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اس میں بھی خالق کی طرف سے زبردست مصلحت پنہاں ہے اور وہ مصلحت دین اسلام کے پیروکاروں، خصوصاً عرب اقوام جو اپنی صفوں میں سخت نفاق کی وجہ سے منتشر ہو چکی تھیں۔ کو جھنجھوڑنا اور اسلام کی قدروں کو از سرِ نو اجاگر کرنا تھا۔ چنانچہ خالق کی اس مصلحت کا یہ نتیجہ ہے کہ آج نہ صرف عرب اقوام متحد و یکجا ہو کر ایک بڑی طاقت کی صورت ابھر رہی ہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام باطل کو مٹانے کے لئے نئی آن بان کے ساتھ دنیا کے افق پر ایک قوت بن کر چھا رہی ہے۔ حال ہی میں ایران، افغانستان پاکستان اور ان کے علاوہ دوسرے کئی ممالک میں جو حالات رونما ہو رہے ہیں وہ بتا رہے ہیں کہ یہ خالق کی طرف سے روئے زمین پر خیر انسانوں کے گھٹتے ہوئے روحانی جذبہ کو اس کے فطری تقاضوں کے مطابق مطمئن کرنے اور انسان کو اپنی طرف بڑھنے کے لئے سیدھی راہ دکھانے کے لئے ضروری اقدام ہے۔ چنانچہ اسلامی ممالک میں یہ جو نئی لہر اٹھی ہے اس کا مقصد انسان کو اس کے غلط نظریات سے آگاہ کر کے صحیح سمت کی طرف لانا ہے۔ چونکہ تخلیق اور اس کا مقصد حق ہے لہٰذا انسان کا اپنے سفر کو صحیح سمت جاری رکھنا اور بالآخر اپنے مقصد کو پا لینا اس کے مقدر میں ہے۔

مندرجہ بالا سطور نہائیت اختصار کے ساتھ انسان کی ماضی قریب کی تاریخ کے حوالہ سے لکھی گئی ہیں۔ انسان کے ان تاریخی اوراق سے ہم پر دوسرے حقائق کے علاوہ یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ خالق نے انسان کو محض اس کی عقل پر من مانی کرنے کے لئے

Marfat.com

"سرِّ حیات"

(کائنات کی روحانی تشریح)

محمد منیر

Marfat.com